هداية المستفيد
www.KitaboSunnat.com
الجزء الثاني
طبع بأمر
رئاسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والإرشاد
المملكة العربية السعودية
مكتب الدعوة الاسلامية ۰ باكستان

وقف لله تعالىٰ

رئاسة ادارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد

(المملكة العربية السعودية)

مكتب الدعوة الإسلامية

باكستان

اُردو ترجمہ

ترجمہ و تفہیم

عطاء اللہ ثاقب

باعادة النظر

للجنة المراجعة

مکتب الدعوۃ الاسلامیۃ پاکستان

ترتیب وپیشکش :۔ محمد سرور طارق | تزئین :۔ محمد خالد سیف | معاونت :۔ عبد المجید چودھری

تاریخ اشاعت: ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۵ء | تعداد :۔ بیس ہزار سیٹ | طباعت :۔ ایڈمرل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

فہرست
جلد ثانی

باب ما جاء

ان بعض هذه الامّة يعبد الاوثان

اِس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُمّتِ محمّدی کے بعض افراد بُت پرستی میں مُبتلا ہو جائیں گے

قولہ تعالیٰ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ۔

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصّہ دیا گیا ہے اور اُن کا حال یہ ہے کہ جِبت اور طاغُوت کو مانتے ہیں۔

اللہ کے سوا جس چیز کی بھی عبادت کی جائے اُسے وثن کہتے ہیں، وہ حجر و شجر کی صورت میں ہو یا قبور و مشاہد کی شکل میں! ـــــ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کہا تھا:

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ (العنکبوت - ۱۷)	تم اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پُوج رہے ہو وہ تو محض بُت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔

اور مشرکین نے کہا۔

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ○ (الشعراء - ۷۱)	اُنہوں نے جواب دیا: کچھ بُت ہیں جن کی ہم پُوجا کرتے ہیں اور انہی کی خدمت میں ہم لگے رہتے ہیں۔

مزید فرمایا کہ

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ○ (الصّٰفّٰت - ۹۵)	اُس نے کہا: کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پُوجتے ہو۔؟

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ وثن کا اطلاق بتوں اور ان کے علاوہ ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ پُوجا کی جائے جیسا کہ حدیث میں پہلے گزر چکا ہے۔

قولہ: يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ،

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف قریشِ مکّہ کے پاس آتے تو قریش کہنے لگے کہ تمہارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور مزید برآں تم میں اہل علم بھی خاصی تعداد میں ہیں لہٰذا ہمیں یہ بتاؤ کہ ہم اچھے ہیں یا محمد ﷺ ؟

حیی اور کعب ۔ پہلے تم اپنا تعارف تو کراؤ کہ تم کون ہو اور محمد کون ہے ؟

قریشِ مکّہ نے بیک زبان کہا۔

- ہم صلہ رحمی کرتے ہیں:
- عمدہ اور موٹی تازی اونٹنیوں کو ذبح کر کے فقراء و مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔
- پیاسوں کو پانی اور دودھ پلانا ہمارا شیوہ ہے۔
- قیدیوں کو آزاد کرنا ہمارا اصول ہے۔
- حجاج کرام کے لیے پانی کی سہولتیں مہیا کرنا اور اُن کی خدمت میں معروف رہنا

ہمارے آباؤ و اجداد سے ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ باقی رہے محمد ﷺ

- تو اُن کی کوئی اولاد نہیں بلکہ تن تنہا اور اکیلے ہی ہیں۔
- ہمارے خاندانی تعلقات کو اُس نے منقطع کر کے رکھ دیا ہے۔
- قبیلۂ غفار کے حاجی چور اس کے پیچھے ہیں،

اب بتائیے! ہم اچھے ہیں یا محمد ﷺ ؟

حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف بولے۔

تم اُن سے بہتر اور صحیح راستے پر ہو۔

اِن لوگوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے زیرِ نظر آیات نازل فرمائیں۔

یہی واقعہ مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس ؓ سے منقول ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوالعالیہ، مجاہد، رحمہ اللہ اور حسن وغیرہ نے الجبت سے سحر اور طاغوت سے شیطان مُراد لیا ہے۔

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابی مالک نے کہا ہے کہ الجبت کے معنے حبشی زبان میں شیطان کے ہیں۔
- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ الجبت سے مراد ہے

وَ يَقُولُونَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا هٰٓؤُلَآءِ أَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ أٰمَنُوا سَبِيْلًا ○ (النسآء : ۵۱)

اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔

شرک

اصنام

اور حیی بن اخطب

- ○ امام شعبی کے نزدیک الجبت کا مطلب کاہن ہے۔
- ○ مجاہدؒ کے ایک قول کے مطابق الجبت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔
- ○ علامہ الجوہری کہتے ہیں کہ الجبت کے لفظ کا اطلاق صنم، کاہن اور ساحر وغیرہ پر ہوتا ہے

مجدد الدعوۃ الاسلامیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

وَفِيْهِ مَعْرِفَةُ الْإِيْمَانِ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ هَلْ هُوَ اِعْتِقَادُ قَلْبٍ أَوْ هُوَ مُوَافَقَةُ أَصْحَابِهَا مَعَ بُغْضِهَا وَمَعْرِفَةِ بُطْلَانِهَا	اس مقام پر جبت اور طاغوت پر ایمان لانے کی پہچان بھی ہے کہ آیا وہ دل کا اعتقاد ہے یا وہ جبت اور طاغوت کے پرستاروں کی موافقت کا نام ہے خواہ آدمی اسے برا سمجھے اور اس کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھے۔

قول اللہ تعالیٰ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

پھر کہو کیا میں اُن لوگوں کی نشان دہی کروں جن کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے۔

قولہ : قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ :

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ سے کہا اے میرے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم ان مخالفین سے کہہ دیجیے کہ آؤ میں تم کو بتاؤں جو قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ ؟ تم ہمیں دہی سمجھتے ہو حالانکہ فرمایا، وہ تم ہی لوگ ہو، جن کی صفاتِ مذمومہ اللہ نے بیان کی ہیں کہ

- وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور
- اللہ کے غضب کے شکار
- ایسا غضب جس کے بعد اللہ کی رضا ناممکن
- اور سب سے بڑی مکروہ صفت یہ کہ اُس نے تمہیں بندر اور خنزیر کی شکل میں بدل دیا۔

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ وہی قوم تو نہیں جن کی شکلوں کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا اور بدل دیا تھا۔ ؟

اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُهْلِكْ قَوْمًا	اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو کبھی ہلاک
أَوْ قَالَ : لَمْ يَمْسَخْ قَوْمًا	نہیں کیا یا یہ کہا کہ کسی قوم کو مسخ نہیں
فَيَجْعَلَ لَهُمْ نَسْلًا وَلَا	کیا جس کی نسل کو باقی رکھا ہو۔ بندر
عَقِبًا وَإِنَّ الْقِرَدَةَ	اور خنزیر تو پہلے ہی موجود تھے۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ (المائدۃ : ٦٠)

وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اُس کا غضب ٹوٹا۔
جن میں سے بندر اور سُور بنائے گئے جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔

وَالْخَنَازِيْرَ كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ (رواہ مسلم)

امام بغوی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "معالم التنزیل" میں رقم طراز ہیں کہ "قُلْ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔

أُنَبِّئُكُمْ: میں تم کو ٹھیک ٹھیک خبر دیتا ہوں۔

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ اے یہودِ نامسعود تمہارا ہمارے متعلق یہ کہنا کہ ہمارا دنیا اور آخرت میں بہت کم حصّہ ہے اور یہ کہ ہمارا دین تمہارے دین سے ناقص ہے۔

حقیقت میں دنیا اور آخرت میں تم جیسے بدکردار لوگوں کا کوئی حصّہ نہیں ہے کیونکہ ہر بُری خصلت تمہارے اندر موجود ہے اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے

قولہٗ : مَثُوْبَةً :
یعنی بلحاظ انجام کے کون شخص گھاٹے میں ہے؟ (آؤ میں بتاتا ہوں)

عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ :
آخرت میں خسارہ ان لوگوں کو ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون قرار دیا۔

وَغَضِبَ عَلَيْهِ :
اور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اور قہر نازل فرمایا جیسے یہود۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ :

یعنی یہ کہ ان کی نافرمانیوں کی بنا پر ان کو بندر اور سور بنا دیا۔

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ ہفتے کے روز مچھلیوں کا شکار کرنے والوں کو بندر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی دستر خوان سے تناول کرنے کے باوجود انکار کرنیوالوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

"اور علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں مسخ ہفتے کے روز شکار کرنے والوں سے ہی متعلق ہیں، چنانچہ ان کے نوجوان افراد کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ :

یعنی ان میں سے بعض لوگوں کو شیطان کی عبادت کرنے والے شمار کیا گیا کیونکہ یہ شیطان کی چال اور اس کے پھندے میں پھنس گئے "

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو "عَبَدُ وا الطَّاغُوتَ" پڑھا ہے۔ حمزہ کی قرأت میں یہ لفظ "عَبُدَ الطَّاغُوتِ" ہے۔ یہ اضافت سے ہے اور لفظ "عَبُدَ" خدام کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ طاغوت کے خادم ہیں۔ یہ دونوں قرأتیں کتابوں میں منقول ہیں۔ عَبُد بائے سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی ہے جیسے سَبْعٌ و سَبُعٌ ۔ حسن اس کو عَبْدَ الطَّاغُوت ، واحد کے صیغہ کی صورت میں پڑھتے ہیں۔

تفسیر طبری میں ہے کہ حمزہؒ عَبُدَ الطَّاغُوتِ (بائے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ) پڑھتے ہیں اور باقی قراء عَبَدَ الطَّاغُوتَ (با اور تاء کے فتحہ کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؒ، اعمشؒ اور ابانؒ بن تغلبؒ عُبُدَ الطاغوتِ یعنی عین اور باء کے ضمہ، دال کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

حمزہ اس کی قرأت "عَبُدَ الطَّاغُوتِ" یعنی باء کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس میں لفظ "جعل" کو مقدر مانتے ہیں۔ اس صورت میں یہ "وَجَعَلَ مِنْهُمْ عَبُدَ الطَّاغُوتِ" ہوگا۔ "جَعَلَ" کو "خَلَقَ" کے معنی میں لیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ یعنی اس نے ظلمات اور نور کو پیدا کیا۔

"عبد" جمع کا لفظ نہیں ہے، کیونکہ اس وزن پر جمع نہیں آتی۔ یہ تو صیغہ واحد ہے۔

کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اسمائے مفردہ میں جو کہ اسمائے معرفہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں بعض ایسے بھی

ہوتے ہیں کہ لفظاً تو وہ مفرد ہوتے ہیں اور معنے کے اعتبار سے جمع ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا احصا نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ فَعُلٌ کے وزن سے مبالغہ اور کثرت مراد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یَقُظٌ اور دَنُسٌ۔

گویا کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ ہر اعتبار سے طاغوت کی عبادت میں منہمک ہو گیا۔ وہ حضرات جو اس کو مفتوح قرار دیتے ہیں یعنی عَبَدَ الطَّاغوت پڑھتے ہیں وہ اس کو لعنہ اللہ کے ماضی پر عطف کرتے ہیں جو کہ (من کے) صلہ میں پایا جاتا ہے اور لفظ عبد میں ضمیر کو مفرد مانتے ہیں اگرچہ اس میں معنی کثرت ہی کے پنہاں ہیں کیونکہ کلام میں (ضمیر وغیرہ کا ذکر) باعتبار لفظ ہوتا ہے نہ کہ باعتبار معنی اور اس کا فاعل من کی (طرف لوٹنے والی) ضمیر ہے، جیسا کہ معطوف علیہ مثالوں کا فاعل بھی من کی (طرف لوٹنے والی) ضمیر ہے، تو فعل کو واحد استعمال کیا گیا کہ یہ سب کچھ لفظی اعتبار پر محمول ہے۔ باقی رہا عُبُدَ الطاغوت کی قرأت تو وہ عَبد کی جمع ہے، احمد بن یحیٰی کا کہنا ہے کہ لفظ عُبُد لفظ عابد کی جمع ہے، جیسے بَازِلٌ وَبُزُلٌ اور شَارِفٌ وَشُرُفٌ۔ اسی طرح عُبُد جمع عابد کی۔ اسی طرح (اسکی) عِبَاد اور عُبَّاد (جمع آتی) ہے۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ عبد الطاغوت کی تفسیر میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہ افعال ماقبل پر معطوف یعنی من لعنہ (جن پر اللہ نے لعنت کی) وَغَضِبَ عَلَيْهِ (جن پر اللہ نے غضب کیا۔ اور جعل منھم القردة والخنازیر اور جن میں سے اللہ تعالیٰ نے بندر اور خنزیر بنائے اور مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ اور وہ جو طاغوت کی عبادت کرنے لگے۔

وہ کہتے ہیں کہ افعال متقدمہ میں لفظ اللہ فاعل ہے، خواہ وہ فاعل ظاہر ہے یا مستتر اور عبد الطاغوت میں فاعل اسم مَن ہے اور وہ ضمیر ہے جو کہ عبد میں (مستتر) پائی جاتی ہے۔ (یعنی ھُوَ) اور اللہ تعالیٰ نے لفظ مَن کو (بار بار) نہیں دہرایا کیونکہ یہ تمام افعال ایک ہی طبقہ کے اوصاف ہیں اور وہ ہیں یہود۔

قولہ: أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا :

یعنی مندرجہ بالا بُری صفات کے حامل افراد اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ شریر اور مغضوب علیہ ہیں نہ کہ ہم

وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ،

اور یہی لوگ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۝

(الکہف : ۲۱)

جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے انھوں نے کہا "ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے۔"

یہاں افعل التفضیل کا صیغہ ایسی چیز میں استعمال ہوا ہے، جس کی دوسری طرف اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيْلًا۝ (الفرقان - ۲۴)

وہی لوگ جو جنت کے مستحق ہیں اس دن اچھی جگہ ٹھہریں گے اور دوپہر گزارنے کو عمدہ مقام پائیں گے۔

قولہ: قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى أَمْرِهِمْ

مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں پر کھیل جانے والے نوجوانوں کی قبروں پر انہوں نے وہ مذموم اور مکروہ عمل کیا جس کے کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

آپ نے اس ارشادِ گرامی کا مقصد اپنی اُمت کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں وہ بھی ان یہود و نصاریٰ جیسا عمل و کردار ادا نہ کرنے لگے۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ ۔ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ ! أَلْيَهُودُ وَ النَّصَارٰى؟ قَالَ : فَمَنْ ؟ (اخرجاه)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہلی اُمتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے تیر تیر سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بِل میں گھُسے تھے تو تم بھی گھسو گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یہود و نصارٰی کی پیروی ہم کریں گے ؟ آپؐ نے فرمایا پھر اَور کون ہو سکتا ہے ؟

قولہ : سَنَنَ :

سَن کے فتح کے ساتھ۔ مہلب رحمہ اللہ فتح ہی کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ اِس کا ترجمہ ہے۔ طریقہ راستہ۔ کردار۔ اصولِ زندگی۔

قولہ : حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ

القذۃ : تیر کے پَر کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو یہود و نصارٰی کا کردار تھا، یہ اُمّت بھی بالکل ان کی تقلید کرے گی۔

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے مشرکوں کو یہود و نصارٰی کے مشرکین کے ساتھ یہ کہہ کر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ایک تیر کے پَر دوسرے تیر کے پَر کی طرح ہوتے ہیں اسی طرح تم میں سے اکثریت یہودیوں اور عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چلے گی اور شرک کا ارتکاب کرے گی۔

اس سے باب کے عنوان کا آیاتِ مذکورہ سے تعلق ظاہر ہو جاتا ہے (اور یہ بات بعینہٖ واقع بھی ہو چکی

اور یہ وقوع پذیر ہونا نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

قولہٗ : حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْہُ :

ایک حدیث میں یوں ارشادِ نبوی ہے

حَتّٰی لَوْ کَانَ فِیْهِمْ مَنْ یَّأْتِیْ اُمَّهٗ عَلَانِیَةً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ	حتیٰ کہ پہلی اُمتوں میں سے کسی نے اگر اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی ایسے بدبخت لوگ پائے جائیں گے جو ایسے (غیر انسانی) فعل کا ارتکاب کریں گے۔

آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا کوئی بُرے سے بُرا عمل بھی میری اُمّت کے لوگ نہ چھوڑیں گے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ

"اگر عالِم بگڑے تو یہودیوں کی مشابہت اختیار کریگا (اور اگر کوئی عبادت گزار بگڑ جائے، تو وُہ عیسائیوں کے مشابہ ہوگا۔"

شارح رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اب یہ دونوں گروہ کس کثرت سے پائے جاتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اُمتِ محمدیؐ مجموعی طور پر گمراہ نہیں ہوئی (اور نہ ہوگی) جیسا کہ آئندہ حدیث ثوبان میں آئے گا۔

قولہٗ : قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی قَالَ فَمَنْ ؟

یعنی صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے ؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ، اگر وہ نہیں تو ان کے علاوہ اور کون ہے، جن کے نقشِ قدم پر تم چلوگے۔؟

مطلب یہ ہے کہ ہاں ! میری اُمت یہود و نصاریٰ کی پیروی کرے گی۔

یہاں لفظ "الیهود" مرفوع ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی۔

اَیْ اَهُمُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی الَّذِیْنَ نَتَّبِعُ سُنَنَهُمْ ؟

یعنی کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں، جن کے طریقِ کار کی ہم پیروی کریں گے۔ ؟

ولمسلم عن ثوبان رضی اللہ عنہ : أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا:

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے سامنے اِس طرح سمیٹ دیا کہ میں مشرق و مغرب تک بیک وقت دیکھ رہا تھا۔

لفظ "الیھود" کو منصوب بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس طرح اس سے پہلے "تعنی" فعل محذوف مقدّر ہوگا۔

"قَالَ فَمَنْ" میں "مَن" استفہام انکاری ہے۔ عبارت یوں ہوگی۔

فَمَنْ هُمْ غَيْرُ أُولٰئِكَ ؟

یعنی ان کے علاوہ اور کون ہیں۔ جن کی گمراہی کا شہرہ ہے ؟

قولہ : عَنْ ثَوْبَانَ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے غلام تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی آپ کی خدمت میں گزاری سفر و حضر میں خدمت کرتے رہے آپ کی وفات کے بعد شام چلے گئے تھے اور ۵۴ ہجری میں حمص میں فوت ہوئے۔

زیر بحث حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور مصنف کا بیان کردہ اضافہ ابن ماجہ میں مروی ہے۔

قولہ : زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ :

علّامہ التورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"زوٰی کے معنی جمع اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ یعنی دُور کی چیز کو اتنا قریب کر دینا جس سے وہ آسانی سے دیکھی جا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو اتنا سکیڑ دیا کہ وہ اس طرح ہو گئی جیسے ہاتھ میں آئینہ ہو۔"

وَ إِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا: وَ أُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ: الْأَحْمَرَ وَ الْأَبْيَضَ:

اور میری اُمت کی حُدودِ مملکت وہاں تک جا پہنچیں گی جہاں تک مجھے زمین کو سمیٹ کر دکھلایا گیا ہے۔ اور مجھے دو خزانے عطا فرمائے گئے۔ ایک سُرخ اور دوسرا سفید۔

علامہ الطیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو اس طرح یک جا کر دیا کہ میں مشرق و مغرب تک یعنی جہاں تک میری اُمت کی حکومت قائم ہوگی وہ سب علاقے میں نے بچشم خود دیکھے۔"

قولہ: وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا:

زوی۔ کا لفظ معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ حرف بحرف ثابت ہو رہی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی حدودِ سلطنت بحر طنجہ کے آخری حصّے جہاں مملکتِ مغرب ختم ہوتی ہے، سے لے کر مشرق کے آخری حصّے یعنی جہاں خراسان اور ماوراء النہر کی حدود ختم ہوتی ہیں، تک جا پہنچی ہیں۔ جس میں ہند، سندھ اور صغد کے اکثر وبیشتر علاقے آ گئے ہیں۔

مسلمانوں کی حدودِ مملکت شمالاً و جنوباً وسیع نہیں ہوئیں کیونکہ یہ علاقے نہ تو آنحضرتؐ کو دکھائے گئے اور نہ شمال و جنوب کے بارے میں آپؐ نے کوئی پیش گوئی فرمائی تھی۔"

قولہ: وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ:

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَ إِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي
أَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ:
وَ أَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ
سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحُ بَيْضَتَهُمْ:

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی اُمّت کے بارے میں عرض کیا تھا کہ اُسے ایک ہی قحط سالی سے صفحہ ہستی سے نہ مٹا دیا جائے اور یہ کہ میری اُمّت پر مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسرا خارجی دشمن مسلط نہ کیا جائے جو مسلمانوں کے بلاد و اسباب کو مُباح سمجھے۔

"کنزین سے قیصر و کسریٰ کے خزانے اور اُن کی بادشاہت مراد ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوْزَهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مجھے اُس ذاتِ باری کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کے راستہ میں لٹاؤ گے۔

احمر سے آپ کی مراد قیصر کے خزانے تھے کیونکہ اُن کا سکّہ سونے کا تھا اور ابیض سے مُراد کسریٰ کے خزانے کیونکہ اُن کا سِکّہ جواہرات اور چاندی کا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پُوری ہوئی، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مجاہدینِ اسلام نے قیصر و کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا اور دونوں مملکتوں کے شاہی تاج اور اُن کے سارے خزانے خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قدموں میں ڈھیر کر دیے گئے تھے۔"

وَ إِنَّ رَبِّي قَالَ : يَا مُحَمَّدُ!
إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَ إِنِّي
أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ
بِسَنَةٍ عَامَّةٍ ، وَ أَنْ لَا أُسَلِّطَ
عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ
فَيَسْتَبِيحُ بَيْضَتَهُمْ وَ لَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ
بِأَقْطَارِهَا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ اے محمدؐ! جب میں کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو اُسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں نے تیری اُمت کے بارے میں تمھیں وعدہ دے دیا ہے کہ اُسے ایک ہی قحط سالی سے تباہ نہیں کیا جائے گا۔ اور دُوسرے یہ کہ اُن کے اپنے افراد کے علاوہ کسی دوسرے کو اُن پر مسلط نہیں کیا جائے گا کہ اُن کے مملوکہ مال و اسباب کو مُباح سمجھ لے اگرچہ کفر کی ساری طاقتیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جمع کیوں نہ ہو جائیں۔

"وَالْأَبْيَضَ وَالْأَحْمَرَ" لفظ "اَلْكَنْزَيْنِ" کا بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

قولہ : وَإِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ :

صحیح مسلم میں بھی بسنۃٍ بعامۃٍ کے الفاظ سے روایت منقول ہے لیکن بعض روایات میں بعامّۃ میں حرف ب نہیں ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" ب زائدہ ہے کیونکہ عامّۃ ، لفظ سَنَۃٌ کی صفت ہے یعنی ہمہ گیر قحط

حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا، وَيَسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

ہاں مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے اور قیدی بناتے رہیں گے

قحط۔ اور سَنَةٌ سخت قحط سالی کو کہا جاتا ہے جس میں جانی نقصان حد سے زیادہ ہو۔ سَنَةٌ کی جمع سِنِین آتی ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے

وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ (الاعراف۔۱۳۰) ہم نے آل فرعون کو مسلسل اور متواتر قحط سالیوں میں مبتلا کر کے پکڑا۔

قولہٗ: وَاِنَّ رَبِّيْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ ﷺ اِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً:

مطلب یہ ہے کہ جب میں حتمی اور آخری فیصلہ کر دیتا ہوں تو اُسے کوئی چیز نہیں روک سکتی اور نہ کسی شخص میں اُسے روکنے کی طاقت ہے۔

اسی مفہوم کو آنحضرت ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ

وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ اے اللہ! جو تو فیصلہ کر دے اُسے کوئی نہیں رد کر سکتا۔

قولہٗ: مِنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ

یعنی مسلمانوں کے علاوہ دوسرے کافران کو ہلاک نہ کریں گے البتہ ان میں سے بعض کو ہلاک کرے گا اور بعض بعض کو قید میں ڈالے گا جیسا کہ مسلمانوں کی حالت کتب تاریخ میں تفصیل سے لکھی ہوئی ہے پہلے زمانے کی تاریخ بھی ہمارے سامنے ہے اور موجودہ دور کی تاریخ بھی ہمارے پیش نگاہ ہے۔ ہم اللہ سے معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔

قولہٗ: فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ:

جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بیضہ ہر چیز کا مرکز ہے اور بیضۃ القوم کے معنیٰ ہیں قوم کا میدان۔ تو حدیث کے معنیٰ اس طرح ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ تمام کے تمام مسلمانوں پر دشمن کو مسلط نہیں کرے گا کہ وہ مسلمانوں کے ممالک اور ملکیت پر قبضہ کر لیں اگرچہ تمام روئے زمین کے دشمن اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں۔

و رواه البرقاني في صحيحه و زاد :

وَ إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ۔

حافظ برقانی رحمہ اللہ نے اِس حدیث کو اپنی صحیح میں لکھا ہے اور اِس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

مَیں اپنی اُمّت کے بارے میں گمراہ کُن لیڈروں سے ڈرتا ہُوں۔

قولہٗ : حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا :

یہاں حتیٰ عاطفہ ہے یا پھر انتہاء غایت کے لیے ہے۔ یعنی اُمّت کا معاملہ یہاں تک پہنچے گا کہ بعض بعض کو ہلاک کریں گے اور یہ امر واقعہ ہے کہ بعض بعض پر مسلّط ہوتے رہے ہیں اور اس کی وجہ اُن کا آپس میں کثرتِ اختلاف اور فرقہ بازی ہے۔

قولہٗ : رَوَاهُ الْبَرْقَانِيُّ :

یہ احادیث کے حافظِ کبیر تھے ان کا پورا نام یہ ہے۔

ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب الخوارزمی الشافعی۔

۳۳۶ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴۲۵ ہجری میں وفات پائی۔

علّامہ الخطیب بغدادی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"بہت بڑے ثقہ اور پرہیزگار تھے۔ ہم نے اپنے شیوخ میں ان سے زیادہ ثقہ اور کوئی نہیں دیکھا فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے جن میں "مسند الخوارزمی" سرفہرست ہے۔ اس میں انہوں نے صحیحین کی متفق علیہ روایات کو جمع کیا ہے۔ انہوں نے امام ثوری اور شعبہ اور ایک جماعت کی احادیث کو جمع کیا ہے"

زیرِ بحث حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی اپنی سند سے نقل فرمایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی قلابۃ عن ابی اسماء عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّ اللّٰهَ اَوْ قَالَ اِنَّ رَبِّيْ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ

زُوِیَ لِیَ الْاَرْضَ فَأُرِیْتُ	دیا جس کی وجہ سے میں نے مشرق و
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا	مغرب کو دیکھا۔ لہٰذا جتنا رقبہ مجھے دکھایا
وَاِنَّ مُلْكَ اُمَّتِیْ سَيَبْلُغُ	گیا ہے میری اُمت کی حدودِ مملکت
مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا	وہاں تک پہنچ جائیں گی، مجھے دو خزانے
وَاُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ	عطا کیے گئے ہیں۔ ایک سُرخ اور دوسرا
وَالْاَبْيَضَ وَاِنِّیْ سَاَلْتُ	سفید۔ (یعنی سونا چاندی) میں نے
رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ اَنْ لَّا يُهْلِكَهَا	اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری اُمت
بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَلَا يُسَلِّطَ	کو بیک وقت قحط سالی سے ہلاک نہ
عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی	کیا جائے اور دوسرا سوال یہ کیا کہ مسلماں
اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ	پر ان کے اپنے سوا کوئی خارجی دشمن مسلط نہ کیا جائے جو ان کے ملکیتی مال و اسباب کو مباح سمجھ لے۔
وَاِنَّ رَبِّیْ قَالَ لِیْ : يَا مُحَمَّدُ	چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
اِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ	نے یہ فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
لَا يُرَدُّ وَلَا اُهْلِكُهُمْ	میں جب کسی چیز کا فیصلہ کرلیتا ہوں تو
بِسَنَةٍ عَامَّةٍ	وہ رد نہیں ہو سکتا۔ میں تم سے وعدہ
وَلَا اُسَلِّطُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا	کرتا ہوں کہ تیری اُمّت کو بیک وقت
مِّنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ	قحط سالی سے تباہ نہ کروں گا اور ان کے
بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ	اپنے سوا کوئی خارجی دشمن بھی ان پر
عَلَيْهِمْ مَنْ بَيْنِ اَقْطَارِهَا	مجموعی طور پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا۔
اَوْ قَالَ بِاَقْطَارِهَا حَتّٰی	اگرچہ ساری کائنات کے دشمنانِ اسلام
يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ	جمع ہو جائیں۔ وہ مسلمانوں کے مال و
بَعْضًا	اسباب کو مباح نہ کر سکیں گے۔
وَحَتّٰی يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ	ہاں! مسلمان آپس میں ایک دوسرے
يَسْبِیْ بَعْضًا	و ہلاک کرتے رہیں گے۔ ایک دوسرے کو قیدی بھی بناتے رہیں گے۔

(آپؐ نے فرمایا)

وَاِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّیْنَ وَاِذَا وُضِعَ السَّیْفُ فِیْ اُمَّتِیْ لَمْ یُرْفَعْ عَنْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ	البتہ مجھے گمراہ ائمہ سے شدید خطرہ ہے۔ میری اُمت میں جب تلوار میان سے نکل آئی تو پھر قیامت تک واپس میان میں نہ جائے گی۔
وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ	اور قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ میری اُمت کے کچھ قبائل مشرکین سے نہ جا ملیں۔
وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِی الْاَوْثَانَ	اور کچھ قبائل بتوں کی پوجا نہ کر لیں میری
وَاِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ	اُمت میں تیس کذاب پیدا ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ خبردار! میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہ ہوگا۔
وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ	اور میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر قائم رہیگا (حدیث کے ایک راوی)
قَالَ ابْنُ عِیْسٰی ظَاهِرِیْنَ ثُمَّ اتَّفَقَا لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی	ابن عیسیٰ علی الحق کے بعد ظاہرین کا اضافہ کرتے ہیں، یعنی حق پر غالب رہے گا۔ باقی حدیث میں دونوں راوی متفق ہیں اُنکی مخالفت کرنے والا، ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ (قیامت) آجائے۔

❀

امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَدُوْرُ رُحَى الْإِسْلَامِ	پینتیس، چھتیس یا سینتیس سال تک
لِخَمْسٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ أَوْ	اسلام کا خوب بول بالا رہے گا۔ پھر اگر
سِتٍّ وَّ ثَلَاثِيْنَ أَوْ سَبْعٍ	وہ ہلاک ہوجائیں گے تو ہلاک ہونے
وَّ ثَلَاثِيْنَ فَإِنْ يَهْلِكُوْا	والوں کا راستہ ہوگا اور اگر دین ان کا
فَسَبِيْلُ مَنْ هَلَكَ وَإِنْ	قائم رہے تو پھر ستر سال تک چلے گا،
يَّقُمْ لَهُمْ دِيْنُهُمْ يَقُمْ	راوی نے کہا کہ میں نے پوچھا یہ مدت
سَبْعِيْنَ عَامًا	آج کے بعد سے شروع ہوگی یا پہلے
قَالَ، قُلْتُ: أَمِمَّا بَقِيَ أَوْ	سالوں سمیت۔؟
مِمَّا مَضٰى؟	آپ نے فرمایا پہلے سالوں
قَالَ، مِمَّا مَضٰى	سمیت !

سنن ابی داؤد میں مندرجہ ذیل حدیث بھی منقول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ	زمانہ مختصر ہوتا چلا
الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ	جائے گا، علم میں کمی واقع ہوتی رہے
وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ	گی فتنوں کا عام دور دورہ ہوگا بخل
الْهَرَجُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ	عام ہوجائے گا اور قتل و غارت گری
اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِيْهٖ هُوَ؟	کا بازار گرم ہوجائے گا۔ سوال کیا گیا
قَالَ: اَلْقَتْلُ اَلْقَتْلُ	یارسول اللہ ہرج کا کیا معنی؟ آپ نے

فرمایا قتل اور خونریزی۔

قولہ : وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ ،

ائمہ مضلین سے جاہل امراء، علمائے سوٗ اور بے علم عبادت گزار مراد ہیں، جو بغیر علم کے لوگوں کی رہنمائی کریں گے اور کتاب و سنّت کے خلاف لوگوں کے فیصلے نمٹائیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور مخلوقِ خدا کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن کہیں گے کہ

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ (الاحزاب ـ ٦٧)	اے رب ہمارے! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کر دیا۔

اور بعض اس قسم کے گمراہ اور مضل بھی گزرے ہیں جو اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ

میرے مرنے کے بعد بھی اگر تم کو کسی قسم کی ضرورت اور مشکل پیش آجائے تو میری قبر پہ آجانا ہم تمہاری مشکل دُور کر دیں گے۔

اور یاد رکھیے اس آدمی سے کسی بھلائی کی توقع نہیں ہے جس کو ایک گز بھر مٹی اپنے ساتھیوں سے جدا کر دیتی ہے اور یہ صاف گمراہی ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں کو دعوت دے کہ آؤ اللہ کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کریں اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کریں، حالاں کہ ان پر وہ قادر نہیں ہے اور نہ اُن کی مشکلات کو دُور کر سکتا ہے۔

ان ہی جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۚ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ○ (الحج ـ ١٢، ١٣)	پھر وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن کو پکارتا ہے جو نہ اُس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ یہ ہے گمراہی کی انتہا۔ وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان اُن کے نفع سے قریب تر ہے۔ بدترین ہے اس کا مولیٰ اور بدترین ہے اس کا رفیق۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ	لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو خود اپنے لیے

لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا	بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے،
نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا	جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں نہ مرے
وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○	ہوئے کو پھر اُٹھا سکتے ہیں۔

(الفرقان - ۳)

لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں فرماتا ہے :

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ	اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو اور اسی کی
وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ	بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ اُسی
تُرْجَعُوْنَ ○ (العنکبوت - ۱۷)	کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

قرآن کریم میں اس موضوع کی بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ہدایت اور صراطِ مستقیم کو واضح الفاظ میں گمراہی سے ممتاز اور ممیز کرتا ہے۔

اور بعض لوگوں کی گمراہی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ علی الاعلان اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام اور عزت حاصل ہے کہ جہاں پہنچ کر تمام احکام الٰہی اُن سے ساقط ہو چکے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی استغاثہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کو نفع پہنچانے اور تکلیف دینے پر قدرت حاصل ہے اور بعض مواقع پر وہ تدبیر امر بھی کرتے ہیں۔ یہ سب ان کی کرامات ہیں۔ ان کو لوح محفوظ کے اسرار کا بھی علم ہے اور لوگوں کے دلوں کے بھید بھی ان پر واضح ہیں۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کی قبروں پر مساجد تعمیر کرنا اور پھر ان پر چراغاں کرنا جائز اور مستحب سمجھتے ہیں۔

اس قسم کے اور بھی باطل اور خلاف شریعت دعوے، افراط و تفریط، غلو اور عبادت غیر اللہ جیسے اقوال و افعال اور عقائد باطلہ کے وہ قائل ہیں۔

اس نوع کی ہفوات کفر اور ارتداد اور اس کی کتاب اور اس کے رسُول کی خلاف ورزی اب کتنی عام ہو چکی ہے؟

قولہ وَاِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىَ الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ :

آنحضرت ﷺ نے لفظ اِنَّمَا استعمال فرمایا جو حصر کے لیے بولا جاتا ہے اور جس میں اُمت کو ائمہ ضلال کی گمراہیوں سے سخت الفاظ میں متنبہ کیا گیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت

ﷺ کو گمراہ اور بے دین امراء، حکماء اور ائمہ سے شدید ترین خطرہ تھا کہ یہ لوگ عوام کو گمراہ کرنے اور پھسلانے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

یہ خطرہ آنحضرت ﷺ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے القاء اور اطلاع سے پیدا ہوا، جیسا کہ گزشتہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ	تم پہلی اُمتوں کی پوری نقالی کروگے۔ جیسے تمام پروں کے بال برابر ہوتے ہیں۔

اسی مضمون پر مشتمل حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِي الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ (ابوداؤد وطیالسی)	میں اپنی اُمت کے متعلق گمراہ ائمہ سے شدید ترین خطرہ محسوس کرتا ہوں۔

ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ

اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِي الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ (رواہ الدارمی)	میں اپنی اُمت کے بارے میں گمراہ ائمہ سے ڈرتا ہوں

اللہ کریم نے اپنی کتاب مبین میں صراطِ مستقیم اور اُس سیدھے راستے کی، جو تمام مومنوں اور صحابہ کرام کا راستہ تھا، بار بار وضاحت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں شک و شبہ کا کوئی معمولی غبار بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ اور اب جو شخص دین میں کوئی ایسی بدعت پیدا کرتا ہے جس کا کتاب و سنت میں کوئی وجود نہیں ملتا تو وہ شخص عند اللہ ملعون ہے اور اس کی بدعت مردود ہے۔ اس کی وضاحت آنحضرت ﷺ نے خود فرمائی ہے آپؐ ارشاد فرماتے ہیں

مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا، اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ	جو شخص بدعت پیدا کرے یا بدعتی کو پناہ دے اُس پر اللہ تعالیٰ کی تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو

اَجۡمَعِیۡنَ لَا یَقۡبَلُ اللّٰہُ مِنۡہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ صَرۡفاً وَّ لَا عَدۡلاً ۔ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ نہ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل۔

ایک جگہ پر ارشادِ نبویؐ مروی ہے۔

مَنۡ اَحۡدَثَ فِیۡ اَمۡرِنَا مَا لَیۡسَ مِنۡہُ فَھُوَ رَدٌّ ۔ جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز جاری کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے، وہ مردود اور ناقابلِ عمل ہے۔

اور ایک موقع پر یہ الفاظ بیان فرمائے گئے ہیں،

کُلُّ مُحۡدَثَۃٍ بِدۡعَۃٌ وَ کُلُّ بِدۡعَۃٍ ضَلَالَۃٌ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ مندرجہ بالا صحیح احادیث ہیں، جن پر اصولِ دین اور احکامِ شریعت کا دار و مدار ہے اور ان احادیث کے مفہوم کو قرآن کریم نے بار بار اور کئی مواقع پر وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اِتَّبِعُوۡا مَا اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۝ (الاعراف۔ ۳) لوگو! جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے ربّ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے

ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡہَا وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (الجاثیہ ۔ ۱۸) اس کے بعد اے نبی ﷺ ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں

خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ جو انہوں نے حضرت زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ کو فرمائے، سُنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ ؟	کیا تمہیں اس چیز کا علم ہے جو اسلام کے گرنے کا باعث بنتی ہے ؟
قُلْتُ ، لَا :	میں نے عرض کی، نہیں۔
قَالَ : يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ (دارمی)	عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم شخص کا پھسل جانا اور منافق کا کتاب اللہ کے ساتھ جھگڑا کرنا اور گمراہ ائمہ کا فیصلہ، اسلام کے منہدم ہونے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔

یزید بن عمیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جس وقت بھی وعظ و ارشاد کے لیے کھڑے ہوتے، یہ جملہ ضرور ارشاد فرماتے

اَللّٰهُ حَكَمٌ قِسْطٌ	اللہ تعالیٰ حق و انصاف سے فیصلہ کرتا ہے۔
هَلَكَ الْمُرْتَابُوْنَ	(اس میں) شک کرنے والے ہی ہلاک ہوتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک مجلس وعظ و ارشاد کے مندرجہ ذیل حکیمانہ کلمات آج تک کتب حدیث میں پڑھے اور سُنے جاتے ہیں

فَاحْذَرُوْا زَيْغَةَ الْحَكِيْمِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُوْلُ الضَّلَالَةَ عَلٰى لِسَانِ الْحَكِيْمِ	حکیم کے ٹیڑھا پن سے بچو، کیونکہ شیطان حکیم کی زبان سے گمراہی پھیلاتا ہے۔
وَقَدْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ	اور بعض اوقات منافق بھی صحیح بات کہہ دیتا ہے۔

وَ إِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ حَيٌّ مِّنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ۔

اور جب اِن میں تلوار چل پڑے گی تو قیامت تک نہ رُک سکے گی اور اُس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ میری اُمت کی ایک جماعت مشرکوں سے نہ جا ملے۔

قُلْتُ لِمُعَاذٍ	میں نے معاذ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ
وَ مَا يُدْرِيْنِيْ رَحِمَكَ	اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا رحم وکرم فرمائے
اللّٰهُ اَنَّ الْحَكِيْمَ قَدْ	مجھے اس بات کا کیسے علم ہوگا کہ حکیم
يَقُوْلُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ ؟	کی یہ بات گمراہی ہے ؟
وَالْمُنَافِقَ قَدْ يَقُوْلُ	اور منافق بھی کبھی کبھی ٹھیک بات کہہ
كَلِمَةَ الْحَقِّ ؟	دیتا ہے ؟
فَقَالَ ،	معاذ رضی اللہ عنہ بولے۔
اِجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيْمِ	حکیم کی مشتبہ باتوں سے پرہیز کرنا جس
الْمُشْتَبِهَاتِ الَّتِيْ يُقَالُ	میں یہ کہا جائے کہ یہ کیا ہے ؟ اور
مَا هٰذِهٖ ؟ وَ لَا يُثْنِيَنَّكَ	اس کے شکوک وشبہات سے اپنا
ذٰلِكَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ لَعَلَّهٗ	عقیدہ نہ چھوڑنا شاید وہ حق کی طرف
اَنْ يُّرَاجِعَ الْحَقَّ وَ	لوٹ آئے۔ اور جب تو حق بات
تَلَقَّ الْحَقَّ اِذَا سَمِعْتَهٗ	سُنے گا تو تیرا دل اُسے قبول کرے گا کیونکہ
فَاِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُوْرًا (ابوداؤد)	حق کے ساتھ نور ہوتا ہے۔

وَحَتّٰی تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ اُمَّتِی الْأَوْثَانَ۔

اور حتی کہ میری اُمت کے بہت سے لوگ بُت پرستی نہ کرلیں۔

قولہ ؛ وَاِذَا وَقَعَ عَلَیْہِمُ السَّیْفُ لَمْ یُرْفَعْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی حرف بحرف ثابت ہوا۔ کیونکہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک مسلمانوں میں قتل وخون ریزی کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی اس کا زور زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم۔

قولہ ؛ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَلْحَقَ حَیٌّ مِّنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ

حیّ بمعنی قبیلہ۔ اس کی جمع احیاء آتی ہے۔

ابوداؤد میں بایں الفاظ روایت ہے

حَتّٰی یَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ	میری اُمت کے بعض قبائل مشرکین سے جا ملیں گے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عادات واطوار میں مشرکانہ کردار ادا کریں گے اور مشرکین سے جا ملیں گے۔

قولہ ؛ حَتّٰی تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ اُمَّتِی الْاَوْثَانَ ؛

ابوالسعادات رحمہ اللہ صاحب "النہایۃ فی غریب الحدیث" فرماتے ہیں کہ "فِئَامٌ" بکسر الفاء ہے۔ اس کا اطلاق بہت سی جماعتوں پر ہوتا ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِی الْاَوْثَانَ	یہاں تک کہ میری اُمت کے بعض قبائل بتوں کی پوجا شروع کر دیں گے

حدیثِ مذکور کے یہ لفظ اس عنوانِ باب کی تصدیق کر رہے ہیں، جس میں یہ ذکر ہے کہ اس اُمت کے بعض افراد بُت پوجنے لگیں گے۔

زیرِ بحث حدیث میں قبور کے ان پجاریوں کی زبردست تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کر کے شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔ یہ الفاظ وہ حقیقتِ توحید سے ناواقفیت کی بنا پر کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کا عمل شرک پر مبنی ہے اور توحید کے سراسر خلاف ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید تمام اعمال سے زیادہ اہم اور مطلوب و مقصود ہے اور شرک تمام اعمال سیئہ سے زیادہ قابلِ نفرین ہے۔

زیرِ بحث حدیث کی مزید وضاحت صحیح بخاری و مسلم کی روایت سے ہوتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى	اُس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی
تَضْطَرِبَ اَلْيَاتُ نِسَاءِ	جب تک کہ بنو دوس کی عورتوں کے
دَوْسٍ عَلٰى ذِى الْخَلَصَةِ	چوتڑ ذوالخلصۃ بُت کے گرد حرکت
قَالَ وَذُوالْخَلَصَةِ طَاغِيَةُ	نہ کریں گے پھر فرمایا ذوالخلصۃ بنو دوس
دَوْسٍ الَّتِىْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ	کا بُت تھا جس کی وہ جاہلیت کے
فِى الْجَاهِلِيَّةِ	زمانے میں پوجا کیا کرتے تھے۔

ابن حبان حضرت معمر سے روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ ، اِنَّ عَلَيْهِ الْاٰنَ	اب وہ ایسی جگہ ہے جہاں ایک مکان
بَيْتًا مَبْنِيًّا مُغْلَقًا	تعمیر ہے اور اس کا دروازہ بند ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ بنو ثقیف کے اسلام اور لات کے گرائے جانے کا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہر اُس جگہ کو جہاں شرک اور کسی بھی طاغوتی طاقت کی پرستش ہو رہی ہو جہاں تک ممکن ہو، اُسے منہدم کر دینا ضروری ہے۔ ایک دن بھی اسے باقی نہ رکھا جائے۔

پھر اُن بڑے بڑے قبوں اور ہر قسم کی تعمیرات کو جو قبروں پر بنائی گئی ہیں اور جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت ہو رہی ہے گرا دینا ضروری ہے۔

اسی طرح ان حجر و شجر کو، جن کو لوگ متبرک سمجھتے ہیں اور جن پر نذر و نیاز دیتے ہیں طاقت و قدرت ہوتے ہوئے فوراً ختم کر دینا چاہیے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کو لات، مناۃ اور عزّیٰ کا سا مقام دے دیا گیا ہے یا ان سے بھی بڑھ کر ان کی تکریم ہوتی ہے۔ ان کے پجاری اپنے سے پہلے یہود و نصاریٰ

وَ إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ ، كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ

اور میری اُمت میں تیس جھوٹے دجّال پیدا ہوں گے جو سب کے سب نبوت کا دعویٰ کریں گے۔

کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں اور قدم بقدم اُن کی تقلید میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کم علمی اور جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں۔
سب سے بڑا ظلم تو یہ ہو رہا ہے۔ کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھا جا رہا ہے۔ اسی طرح سُنّت کو بدعت سمجھ کر رّد کر دیا گیا اور بدعت کو سُنّت سمجھ کر اپنا لیا گیا ہے۔ شریعت مطہرہ کے نشانات ختم ہو کر رہ گئے ہیں اور اسلام کی بیچارگی کا یہ عالم ہے کہ اس پر غور و فکر کرنے کی کوئی شخص بھی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ علمائے حق اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور سفہاء اور احمق لوگوں کا دور دورہ ہے، کوئی کام بھی تو ٹھیک سے نہیں ہو رہا ہے۔ مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگوں کی بد عملی اور گناہوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد برپا ہو چکا ہے۔
لیکن ان ناموافق حالات کے باوجود مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق و انصاف پر قائم رہے گی، جو مشرکین اور مبتدعین سے برسرِ پیکار ہو گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کرۂ ارضی کا وارث ہو جائے کیونکہ وہی بہتر اور اعلیٰ وارث ہے"
شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
ساتویں صدی اور اس سے پہلے کا جب یہ حال ہے تو اس کے بعد تو بالاولیٰ فساد کی توقع ہے جیسا کہ واقع میں موجود ہے۔

قولہ : وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي :

علّامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک معیّن تعداد کا بھی ذکر ہے جیساکہ آپؐ نے فرمایا

يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ — میری اُمّت میں ستائیس جھوٹے

دَجَّالُوْنَ سَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ — دجّال پیدا ہوں گے، جن میں سے چار

مِنْهُمْ اَرْبَعُ نِسْوَةٍ — عورتیں ہوں گی۔

اِس روایت کو ابو نعیم نے اپنی کتاب "حلیہ" میں نقل کیا ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

حضرت حذیفہ والی مذکورہ بالا حدیث سے حضرت ثوبان والی زیرِ بحث حدیث زیادہ صحیح ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے لے کر آج تک جتنے لوگوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے اس مذموم دعویٰ کی بنا پر انہیں کچھ شہرت بھی حاصل ہوئی اور ان کی گمراہ کن دعوت کو لوگوں نے قبول بھی کیا ہے، ان کی تعداد تیس ۳۰ تک پہنچ چکی ہے۔ جس شخص کا مطالعہ وسیع ہے اور اس کی نظر کتبِ تاریخ پر ہے اس کو اس حدیثِ مقدّسہ کی صحت کا یقین ہو جائے گا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"زیرِ بحث حدیث کی صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں دو شخصوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔

۱ —— ایک مسیلمہ کذّاب نے یمامہ میں۔

۲ —— اور دوسرے اسود عنسی نے یمن میں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی دو افراد نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔

۳ —— ایک طلیحہ بن خویلد نے جو قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔

۴ــــــ اور دوسرے سجاح بنت حارث نامی عورت نے جو قبیلہ بنی تمیم سے تھی۔

چنانچہ اسود عنسی کو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ البتہ مسیلمہ کذّاب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے جہنّم رسید کیا تھا۔ اس کے قتل میں ایک انصاری نوجوان بھی شریک تھا۔

لیکن طلیحہ بن خویلد حضرت عُمر کی خلافت میں مسلمان ہوگیا تھا اور اسلام پر ہی اُس کی موت واقع ہوئی۔

سجاح کے متعلق بھی منقول ہے کہ اُس نے توبہ کر لی تھی۔

۵ــــــ ان کے بعد مختار بن ابی عبید ثقفی نے بھی نبوّت کا دعویٰ کیا۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واقعہ ہے۔ شروع شروع میں اُس نے اہلِ بیت کی محبت کا دعویٰ کیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو تلاش کرنے کی مہم شروع کی۔ اس سلسلے میں جس شخص کو بھی شریک پایا یا اس نے اس کی مدد کی اسے قتل کر دیا۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس شبہ میں مارے گئے اور لوگوں نے بھی اس سے تعاون کیا۔ اسی محبتِ اہلِ بیت کی وجہ سے لوگ اس سے محبّت کرنے لگے۔ جب لوگوں میں خوب مقبول ہوگیا تو نبوّت کا دعویٰ کر دیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔

ــــــ اس کے بعد عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں حارث نامی ایک شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا جس کو فوراً قتل کر دیا گیا۔

لیکن بنو عباس کے دورِ سلطنت میں بہت سے احمقوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔

زیرِ بحث حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مطلق نبوّت کا دعویٰ کرنے والوں کی یہ تعداد ہوگی۔ مطلق دعویٰ کرنے والوں کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہے۔ کیونکہ بعض اوقات پاگل پن اور سوداوی مادہ کے غالب آنے سے بھی انسان اس قسم کی خرافات بکنا شروع کر دیتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے

وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

حالانکہ مَیں آخری نبی ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔

مدعی نبوّت کو کچھ شہرت حاصل ہوجائے اور اُس کے ماننے والے بھی پیدا ہوجائیں۔

چنانچہ بعض متنبیّوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہلاک اور جہنّم رسید کردیا ہے اور باقی بھی ان کے پیچھے پیچھے جالیں گے سب سے آخر میں دجّال اکبر کا چرچا ہوگا"

قولہٗ : وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِىْ :

حسن کہتے ہیں

"جس پر کوئی چیز ختم ہوجائے اُسے الخاتم کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء سے آخر میں تشریف لائے۔"

اِس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ	(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے
اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ	کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ	کے رسول اور خاتم النبیّین ہیں۔
النَّبِيّٖنَ ؕ	(الاحزاب۔ ۴۰)

البتہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السّلام آخر زمانے میں آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور شریعتِ محمدؐیہ کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اُمت محمدؐیہ کے قبلے کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھیں گے۔ گویا وہ ایک اُمتی ہوں گے۔ بلکہ اس اُمّتِ محمّدیہ میں سب سے افضل ہوں گے۔

اِن کے بارے میں آپؐ ارشاد فرماتے ہیں

وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ	مجھے اُس ذاتِ کبریا کی قسم جس کے
لَيَنْزِلَنَّ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ	ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں ابن
حَكَمًا مُّقْسِطًا	مریمؑ ضرور اتریں گے حق وانصاف

وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةٌ۔ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ۔

میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور فتح یاب ہو گا۔ اُن کی مدد چھوڑنے والے اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، سے فیصلہ کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَ خنزیر کو قتل کر دیں گے اور لَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ جزیہ ختم کر دیں گے۔

قوله : وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي :

یزید بن ہارون اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اس گروہ اور جماعت سے اگر اہلحدیث مراد نہیں ہیں تو پھر اور کون ہو سکتے ہیں؟"

ابن المبارک، علی بن مدینی، احمد بن سنان اور امام بخاری وغیرہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس جماعت سے اہل حدیث ہی مراد ہیں۔

ابن المدینیؒ کے ایک قول کے مطابق اس جماعتِ حقہ سے مُراد عرب ہیں کیونکہ ایک روایت میں اس گروہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "یہ اہل غرب ہیں" اور وجہ استدلال یہ بیان کی ہے کہ غرب سے مراد بہت بڑا ڈول ہے اور عرب لوگ ہی ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر پلاتے ہیں۔ لہٰذا اہل غرب سے مراد عرب ہوئے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اس جماعت سے مؤمنین کے مختلف افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسے بہادر فوجی، کمانڈر، فقیہ، محدّث، مفسر، زاہد، عابد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے، وغیرہ ـــــ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ

حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى -

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے

یہ لوگ ایک ہی شہر میں اکٹھے ہوں، بلکہ مختلف ممالک میں اپنا اپنا فریضہ انجام دے رہے ہوں اور کسی وقت کسی بھی ایک مُلک میں جمع ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک شہر میں ہوں۔ لیکن متفرق مقامات پر کام کر رہے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان بزرگ اور صالح افراد کے وجود سے، یکے بعد دیگرے ایک ایک شہر خالی ہوتا رہے اور پھر ایک ہی شہر اور بستی میں ان کا وجود مسعود باقی رہے اور جب اللہ کو پیارے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجاتے "

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت کی موافقت کی ہے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"اس سے معلوم ہوا کہ اجماعِ اُمّت حجّت ہے کیونکہ جب اُمّت ایک جگہ اکٹھی ہو جائے تو اس میں جماعتِ حقہ اور گروہ منصورہ بھی یقیناً موجود ہوگا۔"

مصنّف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

زیرِ بحث حدیث میں سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ایک مقدّس گروہ ہے، اگرچہ ان کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ ان کی مخالفت کرنے والے اور ان کو ذلیل و رُسوا کرنے والے خود ذلیل ہو جائیں گے، لیکن ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے —— اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حق اور سچائی ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔ اس کا بالکلیہ ختم ہو جانا ناممکن ہے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسی سے دلیل اخذ کی ہے کہ جب تک یہ مقدّس جماعت زمین پر قائم رہے گی اُس وقت تک اجتہاد منقطع نہیں ہو سکتا۔

قولہٗ : حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللهِ

امر اللہ سے مراد وہی امر ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ صرف چند مومن کرۂ ارض پر باقی رہ جائیں گے۔ اس موقع پر اچانک ایک خوشبودار ہوا چلے گی جس سے وہ بھی فوت ہو جائیں گے اور پھر بڑے بڑے آثارِ قیامت نمودار ہونے شروع ہو جائیں گے اور کرۂ ارض پر صرف شریر اور بدبخت لوگ باقی رہ جائیں گے۔

حاکم ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ هُمْ شَرٌّ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ	صرف شریر لوگوں پر ہی قیامت قائم ہوگی۔ یہ لوگ جاہلیت کے شریروں سے بھی کئی گنا زیادہ شریر ہوں گے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بولے۔

اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر آپ نے غور کیا ہے؟ کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى اَمْرِ اللّٰهِ ظَاهِرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ	میری اُمت میں سے ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے ہمیشہ جنگ میں غلبہ حاصل کرتی رہے گی۔ ان کی مخالفت کرنے والے ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا

وَيَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا رِيْحُهَا الْمِسْكُ وَمَسُّهَا مَسُّ الْحَرِيْرِ فَلَا تَتْرُكُ اَحَدًا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ ثُمَّ يَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ	اللہ تعالیٰ کستوری کی سی خوشبو والی ہوا چلا دے گا۔ وہ ایسے معلوم ہوگی جیسے ریشم۔ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ اس ہوا سے فوت ہو جائے گا اور صرف شریر افراد باقی رہ جائیں گے۔ ان ہی شریر لوگوں پر

فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ	قیامت قائم ہوگی۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى	روئے زمین پر جب تک ایک شخص
لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ	بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی رہے گا،
اَللّٰهُ اَللّٰهُ	اُس وقت تک قیامت برپا نہ ہوسکے گی

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث اور دوسری روایات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ" کا مطلب یہ ہے کہ اچھی ہوا چلنے سے ان صلحاء کی موت واقع ہوجائے گی اور ساعت سے مراد مطلق قیامت نہیں بلکہ مومنین کی قیامت (یعنی موت) مراد ہے۔

اہل اللہ اور حزب اللہ کے محل وقوع کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔

ابن بطال کا کہنا ہے کہ

"ان کا مرکز بیت المقدس ہوگا کیونکہ طبرانی نے حضرت ابی امہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال
صلی اللہ علیہ وسلم اَيْنَ هُمْ ؟	کیا گیا کہ یہ نفوسِ قدسیہ کہاں ہوں گے؟
قَالَ : بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ	آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

" یہ حزب اللہ شام میں ہوگی"

علامہ طبری رحمہ اللہ نے اس پر جو سیر حاصل بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جماعت کا کسی ایک ملک میں، جیسے شام یا بیت المقدس میں ہمیشہ پایا جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں اس کا وجود ضروری ہے کبھی ایک ملک میں اور کبھی کسی دوسرے ملک میں

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

علامہ طبری کی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ شام اور بیت المقدس میں ساتویں صدی سے لے کر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بعد، آج تک، کوئی شخص نہیں دیکھا گیا، جس نے شریعت اسلامیہ کے دفاع کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہو۔ شیخ الاسلام اور ان کے ساتھی اپنے زمانے میں حق وانصاف کے داعی اور مبلغ تھے۔ اہل بدعت سے مناظرے اور جہاد کرنا ان کا نصب العین تھا

اِن نفوسِ قدسیہ کے بعد شام اور بیت المقدّس میں ایسے افراد کا، جو دعوتِ حق کا بول بالا کریں اور کتاب وسنّت کو مشعل راہ بنائیں، پیدا ہونا کوئی بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اہلِ حق اور کتاب وسنّت پر جان نچھاور کرنے والے لوگ ائمہ اربعہ کے دور میں بھی تھے۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی ایسے افراد کی کمی نہ تھی لیکن یہ لوگ مختلف ممالک اور بلاد میں بٹے ہوئے تھے۔ جیسے شام، حجاز، مصر، عراق اور یمن وغیرہ میں ایسے افراد گزرے ہیں جن کا نام آج تک شمس وقمر کی طرح روشن اور تاباں ہے۔ یہ تمام بزرگ حق کے حامی تھے اور اہل باطل اور اہلِ بدعت سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے ان کی تصانیف اہلِ سُنّت کے لیے مشعلِ راہ اور مبتدعین کے لیے تلوار بے نیام کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ اہلِ حق کبھی ایک ملک اور شہر میں اکٹھے بھی پائے جا سکتے ہیں اور متفرق مقامات میں بھی بٹ سکتے ہیں۔ کبھی شام اور حجاز میں۔ کبھی عراق میں اور کبھی یمن میں۔ کیونکہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے کلام سے حصر مراد نہیں ہے۔

اس طویل حدیث کا ایک ایک جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے پُر ہے۔

اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

قولہ : تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی :

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"برکت کی دو قسمیں ہیں:

۱ ـــــ پہلی قسم یہ ہے کہ بَرَكَةٌ فَعَلَةٌ کے وزن پر ہے۔ اس کا فعل بَارَكَ ہوگا۔ یہ فعل کبھی عَلٰی سے اور کبھی فِیْ سے متعدّی ہوتا ہے اور کبھی بغیر حرف کے بھی متعدّی ہوتا ہے۔ مُبارک اس کا مفعول ہے۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ مبارک بنائے فقط وہی بابرکت ہوگا۔

۲ ـــــ دوسری قسم یہ ہے کہ برکت کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جیسے رحمت اور عزّت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

اس کے ماضی کا صیغہ تبارک ہے۔ اس صورت میں یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہی استعمال ہوگا اور بس۔ پس اللہ تعالیٰ متبارک ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مُبارک کیونکہ برکت عطا کرنے والا اللہ ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بابرکت ہے جیسے حضرت

مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ (مریم - ۳۱) میں جہاں ہوں (اور جس حال میں بھی ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے۔

جس شخص پر اللہ تعالیٰ اپنی برکتیں نازل فرمادے بس وہی بابرکت ہے۔

تبارک کی صفت صرف رب ذوالجلال والاکرام کے لیے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس نے خود اپنے لیے فرمایا ہے کہ

تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ (الاعراف - ۵۴) خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے!

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (الملک - ۱) وہ خدا جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی بار بار استعمال ہوا ہے اور صرف اسی کے لیے خاص ہے کسی دوسرے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

یہ لفظ وسعت اور مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے تعالیٰ وتعاظم وغیرہ الفاظ فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مستعمل ہوتے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بلندی مقام کا اظہار ہوتا ہے۔ لفظ تبارک کمالِ برکت اور اس کی عظمت اور وسعت پر دلالت کرتا ہے جن علمائے سلف نے لفظ تبارک کو تعاظم کے معنیٰ میں لکھا ہے ان کا مطلب بھی یہی تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

" یہ لفظ ہر قسم کی برکات کو شامل ہے۔"

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولی: تَفْسِيرُ أٰيَةِ النِّسَآءِ

① سورۂ نساء کی آیت کی تفسیر۔

الثانیۃ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْمَآئِدَةِ۔

② سورۂ مائدہ کی ایک آیت کی تشریح۔

الثالثۃ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْكَهْفِ۔

③ سورۂ کہف کی ایک آیت کی وضاحت۔

الرابعۃ: وَ هِيَ أَهَمُّهَا مَا مَعْنَى الْإِيْمَانِ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ؟ هَلْ هُوَ إِعْتِقَادُ قَلْبٍ؟ أَوْ هُوَ مُوَافَقَةُ أَصْحَابِهَا۔ مَعَ بُغْضِهَا وَ مَعْرِفَةِ بُطْلَانِهَا؟

④ سب سے اہم مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ جبت اور طاغوت پر ایمان کا مطلب اور معنی کیا ہے؟ کیا یہ قلبی کیفیت اور اعتقاد کا نام ہے یا جبت اور طاغوت کو باطل سمجھتے ہوئے طاغوت کی عبادت کرنے والوں کی موافقت کا نام ہے؟

الخامسۃ قَوْلُهُمْ : أَنَّ الْكُفَّارَ الَّذِيْنَ يَعْرِفُوْنَ كُفْرَهُمْ أَهْدٰى سَبِيْلًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

⑤ یہود کا یہ کہنا کہ وہ کافر جو اپنے کفر کو پہچانتے ہیں وہ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

السادسۃ وَ هِيَ الْمَقْصُوْدَةُ بِالتَّرْجَمَةِ : أَنَّ هٰذَا لَا بُدَّ أَنْ يُّوْجَدَ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ كَمَا تَقَرَّرَ فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ

⑥ چھٹا مسئلہ جو اصل میں باب سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اس جماعت کا اُمتِ محمدیہ میں ہر وقت پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

السابعۃ اَلتَّصْرِيْحُ بِوُقُوْعِهَا : أَعْنِيْ عِبَادَةَ الْأَوْثَانِ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِيْ جُمُوْعٍ كَثِيْرَةٍ۔

⑦ اِس بات کی وضاحت کہ اُمّتِ محمدیہ میں بہت سے لوگ غیراللہ کی عبادت میں مُبتلا ہوں گے۔

الثامنۃ: اَلْعَجَبُ الْعُجَابُ : خُرُوْجُ مَنْ
يَدَّعِي النُّبُوَّةَ مِثْلَ الْمُخْتَارِ۔
مَعْ تَكَلُّمِهٖ بِالشَّهَادَتَيْنِ وَ تَصْرِيْحِهٖ
بِأَنَّهٗ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔
وَ أَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ۔
وَ أَنَّ الْقُرْاٰنَ حَقٌّ۔
وَ فِيْهِ ! أَنَّ مُحَمَّدًا
خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔ وَ مَعَ هٰذَا
يُصَدَّقُ فِيْ هٰذَا كُلِّهٖ
مَعَ التَّضَادِ الْوَاضِحِ۔ وَ قَدْ
خَرَجَ الْمُخْتَارُ فِيْ اٰخِرِ عَصْرِ
الصَّحَابَةِ۔ وَ تَبِعَهٗ فِئَامٌ كَثِيْرَةٌ۔

⑧ نہایت تعجب خیز بات ہے کہ مختار جیسا شخص نبوّت کا دعوے دار ہوتا ہے حالانکہ وہ شہادتِ توحید و رسالت دونوں کا اقراری اور اپنے آپ کو اس امت کا فرد شمار کرتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو برحق ماننا، قرآن مجید کو سچا گردانتا، حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں، اس تضادِ واضح کے باوجود مختار ثقفی کی تصدیق بھی ہوتی رہی جبکہ مختار صحابہؓ کے آخری دور میں ظاہر ہو گیا تھا اور بہت سے گروہ اس کی اتباع میں شامل ہو گئے تھے۔

التاسعۃ أَلْبَشَارَةُ بِأَنَّ الْحَقَّ لَا يَزُوْلُ بِالْكُلِّيَّةِ۔ كَمَا زَالَ فِيمَا مَضٰى۔ بَلْ لَا تَزَالُ عَلَيْهِ طَائِفَةٌ۔

⑨ اِس بات کی بشارت کہ حق و انصاف دنیا سے بالکلیہ ختم نہیں ہوگا جیسا کہ باقی اُمم کے دَور میں ہُوا، بلکہ قیامت تک ایک جماعت حق و صداقت کا عَلَم بلند رکھے گی۔

العاشرۃ أَلْآيَةُ الْعُظْمٰى: أَنَّهُمْ مَعَ قِلَّتِهِمْ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ۔

⑩ حزبُ اللہ کی سب سے بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ تعداد کی قِلّت کے باوجود جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے یا اُنھیں ذلیل ورُسوا کرنے کی کوشش کریں گے، وہ اس جماعت کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

الحادیۃ عشرۃ أَنَّ ذٰلِكَ الشَّرْطُ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ۔

⑪ حزبُ اللہ کے وجود کی شرط قیامت تک کے لیے ہے۔

الثانیۃ عشرۃ مَا فِيهِنَّ مِنَ الْآيَاتِ الْعَظِيمَةِ۔

⑫ زیرِ بحث احادیث میں سے مندرجہ ذیل علامات کی وضاحت ہوتی ہے:

مِنْهَا۔ إِخْبَارُهُ بِأَنَّ اللّٰهَ زَوٰى لَهُ الْمَشَارِقَ وَ الْمَغَارِبَ وَ أَخْبَرَ بِمَعْنٰى ذٰلِكَ فَوَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ بِخِلَافِ الْجُنُوْبِ وَ الشِّمَالِ۔

○ رسُول اللہ ﷺ کا یہ بتانا کہ آپؐ پر مشرق و مغرب کی طرف سے زمین سمیٹ کر دکھلائی گئی اور جو کچھ آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ حرف بحرف ثابت ہوا بخلاف جنُوب و شمال کے۔

وَ إِخْبَارُهُ بِأَنَّهُ أُعْطِيَ الْكَنْزَيْنِ۔

○ رسُول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمانا کہ مجھے دو خزانے عطا کیے گئے ہیں۔

وَ إِخْبَارُهُ بِإِجَابَةِ دَعْوَتِهٖ لِأُمَّتِهٖ فِي الْإِثْنَتَيْنِ۔

○ آپؐ کا یہ بتانا کہ اُمت کے بارے میں میری پہلی دُو دعائیں قبُول ہوئی ہیں۔

وَ إِخْبَارُهُ بِأَنَّهُ مُنِعَ الثَّالِثَةَ۔

○ آپؐ کا یہ بھی واضح کرنا کہ میری تیسری دُعا قبول نہیں ہوئی۔

وَ إِخبَارُهٗ بِوَقُوْعِ السَّيفِ وَ أَنَّهٗ لَا يُرْفَعُ إِذَا وَقَعَ۔

○ آنحضرت ﷺ کا یہ بتانا کہ میری اُمت میں آپس میں تلوار چل جائے گی تو پھر رُکنے کا نام نہیں لے گی۔

وَ إِخبَارُهٗ بِظُهُوْرِ الْمُتَنَبِّيِيْنَ فِيْ هٰذِهِ الأُمَّةِ۔

○ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیش گوئی کرنا کہ میری اُمت میں جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

وَ إِخبَارُهٗ بِبَقَآءِ الطَّآئِفَةِ الْمَنْصُوْرَةِ۔

وكُلُّ هٰذَا وَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ مَعَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا مِنْ أَبْعَدِ مَا يَكُوْنُ فِي الْعُقُوْلِ

○ آپ کا یہ بھی فرمانا کہ ایک گروہ حق وانصاف کی حمایت کرتا رہے گا۔
مندرجہ بالا اُمور اگرچہ بعید از قیاس ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ جو فرما گئے وہ حرف بحرف ثابت ہو کر رہا۔

الثالثۃ عشرۃ حَصْرُ الْخَوْفِ عَلٰی أُمَّتِهٖ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔

(۱۳) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے گمراہ پیشواؤں سے خطرہ محسوس فرمانا۔ بلکہ اس بات کو حصر اور مقیّد کر دینا کہ صرف ان سے ہی خطرہ ہے۔

الرابعۃ عشرۃ أَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى مَعْنٰى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ۔

(۱۴) اوثان کی عبادت کی خود تشریح فرمادینا

باب ما جاء
فی السِّحر
اِس باب میں
جادُو
کا بیان ہے!

قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرۃ: ۱۰۲)

اور اُنھیں خُوب معلوم تھا کہ جو اِس چیز کا خریدار بنا اُس کے لیے آخرت میں کوئی حِصّہ نہیں۔

جس کے وجوہ اور اسباب پوشیدہ اور انتہائی دقیق ہوں اسے لُغتِ عرب میں "السحر" کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا

اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا [1] فصاحتِ بیان میں بھی جادُو کا سا اثر ہوتا ہے

سَحر (جادُو) کو السحر اِس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا اثر آخرِ شب میں مخفی طور پر پایا جاتا ہے۔

ابنِ قدامہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "الکافی" میں فرماتے ہیں:

"السحر اُن تعویذ گنڈوں اور دھاگوں کی گرہوں کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن اور خصوصاً دِل پر اثر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے اِنسان بیمار ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی اس کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات میاں بیوی میں پُھوٹ پڑ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (البقرۃ - ۱۰۲) یہ لوگ اُن سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جُدائی ڈال دیں

ایک مقام پر یوں ارشادِ باری ہے:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق - ۴) اور گرہوں میں پھونکنے والوں (والیوں) کے شر سے۔

یعنی وہ جادُوگرنیاں جو بوقتِ جادُو دھاگے وغیرہ میں گرہ باندھتی ہیں اور ہر گرہ میں پھونکتی ہیں۔ اگر جادُو میں کوئی مؤثرانہ حقیقت کارفرما نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اِس سے پناہ مانگنے کی تلقین نہ کرتا۔

---

[1] مؤطا امام مالک، مسند احمد، صحیح بخاری، ابو داؤد اور ترمذی عن ابن عمر

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم سُحِرَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا اثر
حَتّٰی اِنَّہٗ لَیُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّہٗ	ہو گیا تھا، یہاں تک کہ بعض اوقات آپؐ
یَفْعَلُ الشَّیْءَ وَمَا یَفْعَلُہٗ	یہ خیال کرتے کہ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہ ہوتا۔
وَاَنَّہٗ قَالَ لَھَا ذَاتَ یَوْمٍ:	اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی
اَتَانِیْ مَلَکَانِ فَجَلَسَ اَحَدُھُمَا	ہیں کہ مجھے ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا میرے
عِنْدَ رَأْسِیْ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ	پاس دو فرشتے آئے۔ ایک میرے سر کے
رِجْلِیْ	پاس اور دُوسرا میرے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
فَقَالَ: مَا وَجْعُ الرَّجُلِ؟	ایک نے کہا "اسے کیا تکلیف ہے؟"
قَالَ: مَطْبُوْبٌ	دوسرے نے جواب دیا "اس کو جادُو کر دیا گیا ہے۔"
قَالَ: وَمَنْ طَبَّہٗ؟	پہلے نے پھر پوچھا "اس کو کس نے جادُو کیا"
قَالَ: لَبِیْدُ بْنُ الْاَعْصَمِ	جواب ملا "لبید بن اعصم نے!"
فِیْ مُشْطٍ وَمُشَاطَۃٍ وَ	کنگھی میں دھاگے کی گرہیں لگائی ہیں
فِیْ جُفِّ طَلْعَۃٍ ذَکَرٍ	اور اسے کھجور کے خوشہ کے خول میں بند
فِیْ بِئْرِ ذَرْوَانَ (صحیح بخاری)	کر کے بئرِ ذروان میں ڈال دیا ہے۔

قولہٗ: وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاہُ

- حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے خلاق کا ترجمہ نصیب اور حصّہ کیا ہے۔
- حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اہلِ کتاب کو یہ علم تھا اور اُن سے عہد لیا گیا تھا کہ آخرت میں جادُوگر کا کوئی حصّہ نہیں۔

- حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا جادُوگر کا کوئی دین اور مذہب نہیں ہوتا۔

زیرِ بحث آیتِ کریمہ سے پتا چلا کہ جادُو حرام ہے اور سابقہ تمام مذاہب میں بھی انبیائے کرام

نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ○ (طٰهٰ - ٦٩)
جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے نزدیک جادو سیکھنا اور سکھلانا دونوں کفر ہیں۔

عبدالرزاق، صفوان بن سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ تَعَلَّمَ شَيْئًا مِّنَ السِّحْرِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا كَانَ آخِرُ عَهْدِهِ مِنَ اللهِ
جس شخص نے تھوڑا یا زیادہ جادو سیکھا اُس کا معاملہ اللہ سے ختم ہُوا۔

یہ حدیث مرسل ہے۔

جادوگر کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت کے نزدیک جادوگر کافر ہے۔ امام مالک، امام ابُوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ اس کے کفر کے قائل ہیں۔

البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر جادو، ادویات، دھوآں یا پینے والی شے سے ہو اور تکلیف دہ ہو تو ایسا جادوگر کافر نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"ہم جادوگر سے پوچھیں گے کہ اپنے جادو کے بارے میں ہمیں آگاہ کرو۔ اگر جادوگر کا بیان کفر کی حد تک پہنچ گیا تو ہم اُسے کافر قرار دیں گے۔ جیسے اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ وہ اس جادو سے کواکب سبعہ تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ اگر یہی عقیدہ رکھے تو ایسا جادوگر یقیناً کافر ہوگا اور اگر جادوگر کی باتیں کفر تک نہیں لے جائیں تو ہم دیکھیں گے کہ آیا یہ شخص جادو کو مُباح سمجھتا ہے یا نہیں؟
اگر مُباح سمجھے تو اس پر کفر کا اطلاق ہوگا۔"

البتہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو کفر ہی قرار دیا ہے جیسے:

إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط (البقرة - ١٠٢)
ہم تو آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑو۔

وقوله : يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ-
(النّساء: ۵۱)

قال عمر رضی اللہ عنہ اَلْجِبْتُ السِّحْرُ
وَ الطَّاغُوْتُ الشَّيْطٰنُ -

ان کا حال یہ ہے کہ وہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں۔
حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الجبت جادو اور الطاغوت شیطان ہے۔

وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا
(البقرۃ - ۱۰۲)

سلیمانؑ نے مطلق کُفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کُفر کرتے تھے۔

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ کے بارے میں حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"اُن دونوں کو خیر وشر، کُفر اور ایمان کا علم تھا جس کی وجہ سے ان کو اِس بات کا بھی علم تھا کہ جادُو کفر ہے۔"

جبت اور طاغوت کیا ہے؟

قولہٗ : يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ
الجبت اور الطاغوت پر گزشتہ باب میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔
مصنف رحمہ اللہ نے اِس کی وضاحت کی ہے کہ الجبت بھی جادُو میں سے ہے۔

قولہٗ : قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ
یہ اثر ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے کہا جبت جادُو ہے اور طاغوت شیطان ہے۔

وقال جابر : "الطواغيت كهان كان ينزل عليهم الشيطن في كل حي واحد"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اُترتا تھا اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔

قولہ : وَقَالَ جَابِرٌ رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

" طواغیت سے کاہن مراد ہیں اور ان کاہنوں کے پاس شیطان آیا کرتے تھے اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابنِ ابی حاتمؒ نے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

" وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ان طواغیت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ، جن کے پاس یہ لوگ اپنے فیصلے لے جاتے ہیں ؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے

"جہینہ کا ایک الگ کاہن ہے ، بنو اسلم کا علیحدہ کاہن ہے قبیلہ ہلال کا جُدا کاہن تھا۔ غرض یہ کہ ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن تھا اور یہ وہی کاہن تھے جن کے پاس شیاطین آیا کرتے تھے اور ان کو مختلف خبریں بتایا کرتے تھے۔"[1]

---

[1] سلفِ اُمت کے اقوال وارشادات کے مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہر وُہ چیز جو انسان کو اللہ کی عبادت سے روکے ، اللہ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے سدِّراہ ثابت ہو خواہ وہ اِنسان کی صورت میں ہو یا جن کی ، شجر و حجر کی صورت میں ہو یا قوانینِ اسلامیہ کے علاوہ اجنبی دستور کی صورت میں۔ غرض کسی بھی شکل میں ہو ، طاغوت کہلائے گی اور اِن پر عمل کرنے والے اور نافذ کرنے والے بھی طاغوت کہلائیں گے۔

طاغوت میں وہ کتب بھی شامل ہیں جو عقلِ انسانی کی ایجاد ہیں ، جن سے شریعتِ اسلامیہ سے دُوری پیدا ہونے کا اِمکان ہو۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مہلک امور سے اجتناب کرو۔

قولہ : قَالَ جَابِرٌ رضی اللہ عنہ

اس سے جابر[1] بن عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

قولہ : اَلطَّوَاغِيتُ كُهَّانٌ

طاغوت اور کاہن معنًا ایک ہی ہیں۔ کاہن بھی طواغیت کی قسم میں سے ہیں۔

قولہ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ

اس سے خاص ابلیس مراد نہیں بلکہ شیاطین کی عام جنس مراد ہے۔ ان شیاطین کا کام ہی یہ تھا کہ مختلف خبریں لے کر ان کاہنوں کے پاس آتے اور ان کو بتاتے تھے۔ ایک سچی بات کہہ دی تو اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیے۔

قولہ : فِي كُلِّ حَيٍّ وَاحِدٌ

حی بمعنی قبیلہ۔ یعنی ہر قبیلہ کا الگ الگ کاہن تھا جس سے یہ لوگ اپنے فیصلے کرلتے تا مختلف دور و دراز اور غیب کی باتیں پوچھا کرتے تھے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اسی طرح ہوتا تھا لیکن شریعتِ اسلامیہ نے اسے باطل قرار دیا اور یہ شیاطین جو آسمان سے باتیں سنا کرتے تھے، انگاروں کی کثرت سے ان کو روک دیا گیا اور ان کی اڑان آسمان تک مشکل ترین بنا دی گئی۔

(مصنف نے اس حدیث کو بغیر حوالے کے ذکر کیا ہے، جب کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں ہے)

قولہ : اِجْتَنِبُوا ۔ یعنی بالکل دور رہو۔

لفظ اِجْتَنِبُوا، دَعُوا اور اُتْرُكُوا سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اِجْتَنِبُوا میں اس کے

---

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ چورانوے سال کی عمر پا کر ۷۴ھ میں فوت ہوئے، بعض کے نزدیک ۷۸ھ میں فوت ہوئے

قریب جانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جیسے قرآنِ کریم میں ہے

وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ — بے حیائی کے کام، ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔

(الانعام - ۱۵۱)

مہلک اُمور

قولہٗ : اَلْمُوْبِقَاتِ

یعنی انتہائی مُہلک - اِن اُمور کو خاص طور پر مہلک اِس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہونے والا شخص نہ تو دُنیا میں سزا سے بچ سکتا ہے اور نہ آخرت کے عذاب سے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ کی کتاب "الادب المفرد"، تفسیر طبری اور عبدالرزاق میں ایک روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے مروی ہے، جس میں بڑے بڑے نو امور کا ذکر ہے، ان میں سے سات تو یہی ہیں اور باقی دو یہ ہیں کہ:

وَالْاِلْحَادُ فِي الْحَرَمِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ — مسجد الحرام میں الحاد اور ماں باپ کی نافرمانی۔

ابنِ ابی حاتمؒ نے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے سات تو یہی گنوائے ہیں لیکن ان میں مالِ یتیم کا ذکر نہیں بلکہ مندرجہ ذیل چار اُمور کا اضافہ کیا ہے، وہ یہ ہیں

- اَلْعُقُوْقُ — ۱- ماں باپ کی نافرمانی۔
- وَالتَّعَرُّبُ بَعْدَ الْهِجْرَةِ — ۲- ہجرت کے بعد اپنے گاؤں کو چلے جانا۔
- وَفِرَاقُ الْجَمَاعَةِ — ۳- جماعت سے علیحدگی اختیار کرنا
- وَنَكْثُ الصَّفْقَةِ — ۴- اور بیعت کو توڑنا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مہلک اُمور کو صرف سات میں محصور کرنے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حد بندی میں حکمت کیا ہے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ تعداد کا مفہوم حجت نہیں ہے لیکن یہ جواب ضعیف ہے یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سات کا علم تھا، بعد میں اضافہ فرما دیا۔

قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ -

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ مُہلک امور کون کون سے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔

دُوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سائل کو ان ہی اُمور کی اطلاع دی کہ جن کی اس کو ضرورت تھی۔"

طبرانی اور قاضی اسمٰعیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا مہلک اور کبیرہ گناہ سات ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ تو دو مرتبہ سات (چودہ) سے بھی زیادہ ہیں۔"

بلکہ ایک روایت میں ہے کہ سترّ کے قریب ہیں دوسری روایت میں سات سو تک بھی مروی ہیں

قولہ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ

شرک یہ ہے کہ انسان کسی غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دے، اس سے اپنی اُمیدیں وابستہ کرلے، اِس سے اِس طرح خوف کھائے جس طرح اللہ تعالیٰ سے خوف کھایا جاتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں سب سے پہلے شرک ہی کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے کہ یہ ان تمام گناہوں سے بڑا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ — تُو اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ صفوان بن عسّال سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

"ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں اور اس سے چند سوال کریں۔ دوسرا یہودی بولا اسے نبی نہ کہو کیونکہ وہ چوکنا ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ دونوں یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے تورات کے مشہور نو احکام کے بارے میں سوال کیا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ سُنو:

۱۔ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا	اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔
۲۔ وَلَا تَسْرِقُوْا	چوری نہ کرنا۔
۳۔ وَلَا تَزْنُوْا	زنا نہ کرنا۔
۴۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ	کسی کو بلا جرم قتل نہ کرنا۔
۵۔ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِیْءٍ اِلٰی ذِیْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَهٗ	بے گناہ کو بادشاہ کے پاس نہ لے جانا کہ وہ اسے ناحق قتل کر دے۔
۶۔ وَلَا تَسْحَرُوْا	جادو نہ کرنا۔
۷۔ وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبَا	سود نہ کھانا۔
۸۔ وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً	پاکباز عورت پر تہمت نہ لگانا۔
۹۔ وَلَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ یَوْمَ الزَّحْفِ	میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگنا۔
وَعَلَیْكُمْ خَاصَّةً الْیَهُوْدِ ! اَنْ لَّا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ	اور آخر میں فرمایا کہ اے یہود! ایک بات تمہارے لیے خاص ہے۔ وہ یہ کہ تم ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرنا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ جواب سُن کر ان دونوں نے آپ کے ہاتھ اور قدم چوم لیے اور کہنے لگے

نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِیٌّ	ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ سچے رسول ہیں

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

وَ السِّحْرُ ۔

وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اِلَّا بِالْحَقِّ ۔

۲۔۔جادو کرنا۔ ۳۔۔بلا جُرم کسی کو قتل کرنا۔

قولہٗ : اَلسِّحْرُ

اِس کا مطلب گزر چکا ہے اور لفظِ سحر ہی سے زیرِ بحث حدیث کا باب سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔

قولہٗ : اِلَّا بِالْحَقِّ

مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا قتل جائز اور مُباح ہے جو اس قسم کا قبیح عمل کرے جس سے اُس کا قتل کرنا ضروری ہو جائے، جیسے اِسلام کے بعد مرتد ہو کر مُشرک ہو جانا کسی کو قتل کرنا یا شادی شدہ شخص کا زنا کرنا یا جن لوگوں سے معاہدہ ہے اُن کا کوئی فرد قتل کر دینا۔ اِس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ

جو شخص ذمّی کو قتل کرے گا وہ جنّت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔

جو شخص کسی مومن کو جان بُوجھ کر قتل کر دے اور پھر تائب ہو جائے تو کیا اس کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ اِس میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسے شخص کی توبہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (النساء - ۹۳)

اور جو شخص کسی مُسلمان کو قصدًا مار ڈالے تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس آیت کو کسی دوسری آیت نے منسوخ بھی نہیں کیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں :

" یہ آیتِ کریمہ تمام آیات سے آخر میں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی وفات تک اسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔ نہ اس کے بعد وحی نازل ہوئی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تائید میں بہت سے آثار منقول ہیں جیسا کہ امام احمد، نسائی اور ابن المُنذر رحمہم اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہُوئے سنا ہے

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ	ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف
يَّغْفِرَهٗ إِلَّا الرَّجُلَ يَمُوْتُ	فرمادے مگر اُس شخص کو ہرگز معاف نہیں
كَافِرًا أَوِ الرَّجُلَ يَقْتُلُ	کرے گا جو کفر کی حالت میں مَرا۔
مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا	اور اُس شخص کو بھی معاف نہ کریگا جو کسی
	مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔

اُمّتِ مسلمہ میں جمہور علماء، سلفاً و خلفاً اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کی توبہ قبول ہے جو وُہ جرم کرے جس کا تعلق اللہ سے ہے۔ اگر توبہ کر کے عمل صالح کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی برائیوں کو اعمالِ حسنہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ	جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں
اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا	پکارتے، اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کسی
يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ	جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا
اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا	کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی
يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ	کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا قیامت
ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ	کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور
لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اِسی میں وہ ہمیشہ ذِلّت کے ساتھ
وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝	پڑا رہے گا۔
إِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ	اِلّا یہ کہ کوئی ان گناہوں کے بعد توبہ
عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ	کر چکا ہو اور ایمان لا کر عملِ صالح کرنے

وَ اَكَلُ الرِّبَا۔

۴۔ سُود کھانا۔

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ○ (الفرقان۔ ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱)

لگا ہو، ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے، وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔

(وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا) کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے تو قتل کی یہی سزا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اثر منقول ہے جس سے جمہور علماء کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور نحاس سعید بن عبادہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے

لِمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا تَوْبَةٌ

جو شخص کسی مومن کو قتل کرے اس کی توبہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی طرح ایک مرفوع روایت منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَنَّ جَزَآءَهٗ جَهَنَّمُ اِنْ جَازَاهُ

اگر اللہ تعالیٰ اُسے سزا دینا چاہے تو اس کی سزا صرف جہنم ہے۔

قولہ: اَكَلُ الرِّبَا

کسی بھی طریقے اور حیلے سے ہر بہر حال سُود حرام ہے۔ سُود کے بارے میں اللہ فرماتا ہے

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا

جو لوگ سُود کھاتے ہیں اُن کا حال

۵ ـــ یتیم کا مال ہڑپ کر جانا۔ ۶ ـــ میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ط	اُس شخص کا سا ہوتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔

(البقرۃ - ۲۷۵، ۲۸۰)

ابنِ دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ سُود خور کا خاتمہ بالخیر نہیں ہوتا۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس لعنت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

قولہٗ : وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ :

یعنی یتیم کے مال میں زیادتی اور ظلم نہ کرنا۔ اِس کو اکل یعنی کھانے سے اِس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا اصل مصرف یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا	جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنّم کی بھڑکتی ہُوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

(النساء - ۱۰)

قولہٗ : وَ التَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ

یعنی میدانِ کارزار میں جب کہ کفر و اسلام کی ٹکر ہو، کفار سے ڈر کر بھاگ جانا۔
اگر دشمن کو دھوکہ دینے یا کوئی جنگی چال چلنے کے لیے بھاگا جائے تو گناہ نہ ہوگا جیسا کہ اس کی

وَ قَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ۔

وعن جندب مرفوعا: "حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبُهُ بِالسَّيْفِ"۔

(رواہ الترمذی وقال: الصحیح انہ موقوف)

۷۔ پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔

تصریح قرآن کریم میں کر دی گئی ہے[1]

قولہ: وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ

اگر اَلْمُحْصَنٰتِ (صاد کی زبر سے) پڑھیں تو معنی یہ ہونگے کہ جو عورتیں زنا سے محفوظ ہوں۔

اگر اَلْمُحْصِنٰتِ (صاد کی زیر سے) پڑھیں تو معنی یہ ہونگے کہ جو عورتیں اپنی عصمت کی محافظ ہوں۔

دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی ہوگا کہ پاک دامن اور آزاد عورتوں پر زنا وغیرہ کی تہمت لگانا اور غافلات کے معنٰی یہ ہوں گے کہ وہ بُری عادات و اطوار سے قطعًا ناواقف ہیں یعنی جو ان پر الزام لگایا گیا ہے اس سے وہ بالکل ناواقف ہیں۔

المؤمنات سے وہ مسلمان عورتیں مُراد ہیں جن کا اللہ پر ایمان کامل ہے۔

لفظ المؤمنات سے کافر عورتیں خارج ہیں۔ یعنی ان پر الزام لگانا مومن عورت پر الزام لگانے کے برابر نہیں ہے۔

جادوگر کی سزا

قولہ: عَنْ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ امام طبرانی کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جندب بن عبداللہ البجلی مُراد ہیں۔ جندب بن الخیر الازدی مُراد نہیں ہیں، جنھوں

[1] دیکھئے سورہ انفال آیت نمبر ۱۵، ۱۶ (مترجم)

نے جادوگر کو قتل کیا تھا۔ کیونکہ طبرانی نے اسے جندب البجلی کے سوانح میں خالد العبد عن الحسن عن جندب عن النبی ﷺ لکھا ہے اور خالد العبد ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"صحیح یہی ہے کہ یہ اور جندب ہے۔ ابن قانع اور حسن بن سفیان نے دو سندوں سے حسن عن جندب الخیر روایت کی ہے کہ وہ ایک جادوگر کے پاس آئے اور اسے تلوار مار دی، یہاں تک کہ وہ مر گیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔ پھر یہ حدیث بیان کی اور جندب الخیر، جندب بن کعب یا جندب بن زہیر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ ابن حبان کا خیال ہے کہ وہ ابو عبداللہ الازدی غامدی صحابی ہیں۔ ابن سکن نے بریدہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جادوگر کو ایک ہی وار سے ختم کر دیا جائے تاکہ اُعنت متفق لیے ہے۔"

قولہ: حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ

ضربۃ اور ضربہ دونوں طرح روایات میں آیا ہے اور دونوں صورتیں درست ہیں۔ معنیٰ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

امام مالک، امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے اسی حدیث کو سامنے رکھ کر جادوگر کے بارے میں فیصلہ دیا ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔

حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حفصہ، جندب بن عبداللہ، جندب بن کعب، قیس بن سعد، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی یہی ہے کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلق جادو کی وجہ سے اسے قتل کرنا صحیح نہیں۔ ہاں! اگر اُس سے اِس قسم کے کفریہ الفاظ سرزد ہوں جس سے اس کا قتل کر دینا ضروری ہو تو قتل کیا جائے گا۔ ابن المنذر رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ پہلا مسلک کہ جادوگر کو قتل کر دیا جائے، حدیثِ نبوی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کے مطابق زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بعض جادوگروں کو قتل کر دیا گیا تھا اور کسی نے مخالفت نہیں کی تھی۔

وفي صحيح البخاري عن بجالة بن عبدة رحمه الله قَالَ كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه أَنِ اقْتُلُوا كُلَّ سَاحِرٍ وَّ سَاحِرَةٍ قَالَ فَقَتَلْنَا ثَلَاثَ سَوَاحِرَ -

---

صحیح بخاری میں بجالہ بن عبدہ رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ
ہر جادوگر کو خواہ مرد ہو یا عورت قتل کر دو۔ حضرت بجالہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام سُن کر ہم نے تین جادوگروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قولہ : وَ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زیرِ بحث اثر نقل کیا ہے لیکن اس میں جادوگروں کے قتل کا ذکر نہیں ہے۔

قولہ : عَنْ بَجَالَةَ بْنِ عَبْدَةَ

اِن کا پُورا نام یہ ہے :

بَجالہ بن عَبَدہ التمیمی العنبری۔

ثِقہ راویوں میں سے ہیں۔ ان کا تعلق بَصرَہ سے تھا۔

قولہ : كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جادُوگر کو توبہ کی مُہلت دیے بغیر قتل کر دینا چاہیے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے کیونکہ جادُوگر کی توبہ سے جادُو کا علم زائل نہیں ہو سکتا۔

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مُطابق جادُوگر اگر توبہ کرلے تو اُس کی توبہ قبول کر کے اُسے چھوڑ دینا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ جادُوگر کی توبہ قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جادُو

وَ صَحَّ عَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا أَمَرَتْ بِقَتْلِ جَارِيَةٍ لَّهَا سَحَرَتْهَا فَقُتِلَتْ۔ وَ كَذٰلِكَ صَحَّ عَنْ جُنْدُبٍ۔

اُمُّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ اُنھوں نے اپنی ایک لونڈی کو جس نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر جادُو کا وار کیا تھا، قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُس لونڈی کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے بھی اِسی قسم کا ایک واقعہ منقول ہے۔

شِرک سے زیادہ گھناؤنا فعل نہیں ہے۔ جب مُشرک کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے تو جادُوگر کی توبہ کیوں نہ قبول کی جائے؟ یہی وجہ ہے کہ فرعون کے جادُوگروں کی توبہ اور اُن کا ایمان قبول کر لیا گیا تھا

قولہ: وَصَحَّ عَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا

یہ اثر مؤطا امام مالک میں موجود ہے۔

حفصہ سے اُمّ المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا بنتِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مُراد ہیں۔ خنیس بن حذافہ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نِکاح میں آئیں اور ۴۵ھ میں فوت ہُوئیں۔

قولہ: وَكَذٰلِكَ صَحَّ عَنْ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ

مصنّف رحمہ اللہ نے جادُوگر کے قتل کی طرف اشارہ کیا ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں ابی عثمان النہدی سے روایت کرتے ہیں کہ ابی عثمان نے کہا:

"ولید کے پاس ایک جادُوگر آیا اور اِس نے ایک شخص کو ذبح کر کے اُس کا سَر تن سے جُدا کر دیا۔ ہم بہت حیران ہوئے اور ہمارے تعجّب کی کوئی اِنتہا نہ رہی چند لمحوں کے بعد جادُوگر نے اُس شخص کا سَر دوبارہ مِلا دیا اور وہ صحیح سالم

قَالَ أَحْمَدُ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادوگروں کو قتل کرنا رسول اللہ ﷺ کے تین صحابہؓ سے ثابت ہے۔

ہوگیا۔ اتفاق سے جندبؓ الازدی وہاں آگئے، انھوں نے آگے بڑھ کر جادوگر کو قتل کر دیا۔"

امام بیہقیؒ نے یہ واقعہ "دلائل النبوۃ" میں تفصیل سے لکھا ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ولید نے اس جادوگر کو قید کر دیا تھا۔

یہ واقعہ کئی طرق سے منقول ہے۔

قولہ : قَالَ أَحْمَدُ، عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ

اس سے امام احمد[1] بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ مراد ہیں۔

قولہ : عَنْ ثَلَاثَةٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ

یعنی جادوگر کا قتل کرنا تین صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں :

---

[1] الامام الجلیل، ناصر السنۃ، قامع البدعۃ الصابر المحتسب فی اللہ العلم الحافظ الحجۃ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ۔

امام موصوف نے کتاب و سنت کی حمایت و نصرت میں جس قسم کی تکالیف کو برداشت کیا حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ مظالم پہاڑوں پر گرا دیے جاتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

امام مغفور ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

امام شافعی رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

خَرَجْتُ مِنْ بَغْدَادَ وَ مَا خَلَّفْتُ فِيهَا أَفْقَهَ وَلَا أَوْرَعَ وَ لَا أَزْهَدَ مِنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رحمہ اللہ	میں جب بغداد سے نکلا تو میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ فقیہ، اُن سے زیادہ پرہیزگار، اُن سے زیادہ تارک الدنیا بغداد میں نہیں چھوڑا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْبَقَرَةِ۔

① سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر۔

الثانیۃ تَفْسِيرُ أٰيَةِ النِّسَآءِ۔

② سورۂ نساء کی آیت کی تفسیر۔

الثالثۃ تَفْسِيرُ الْجِبْتِ وَ الطَّاغُوتِ وَ الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا۔

③ جبت اور طاغوت کے معنی اور ان میں فرق واضح کرنا۔

الرابعۃ أَنَّ الطَّاغُوتَ قَدْ يَكُونُ مِنَ الْجِنِّ وَ قَدْ يَكُونُ مِنَ الْإِنْسِ۔

④ طاغوت کبھی جنوں اور کبھی انسانوں میں سے بھی ہوتا ہے۔

۱۔۔۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

۲۔۔۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

۳۔۔۔ حضرت جندب الازدی رضی اللہ عنہ

واللہ اعلم

الخامسة: مَعْرِفَةُ السَّبْعِ الْمُوبِقَاتِ الْمَخْصُوصَاتِ بِالنَّهْيِ۔

⑤ خصوصاً اُن سات اُمور، جو انتہائی مہلک اور جن سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم دیا گیا ہے، کی معرفت۔

السادسة: أَنَّ السَّاحِرَ يُكَفَّرُ۔

⑥ جادوگر کو کافر قرار دیا گیا ہے۔

السابعة: أَنَّهُ يُقْتَلُ وَ لَا يُسْتَتَابُ۔

⑦ جادوگر کو بلا توبہ کرائے قتل کر دیا جائے۔

الثامنة: وُجُودُ هٰذَا فِي الْمُسْلِمِينَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَكَيْفَ بَعْدَهُ؟

⑧ جادوگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی تھے، ان کے بعد ان کا وجود کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے؟

باب

بیان شیء من انواع السحر
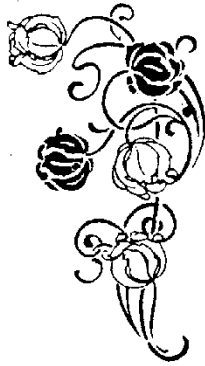
اِس باب میں

جادو

کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں

قال احمد حدثنا محمد بن جعفر حدثنا عوف بن حیان ابن العلاء حدثنا قطن بن قبیصۃ عن ابیہ أَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

شارح کتاب رحمہ اللہ نے اس مقام پر کراماتِ اولیاء اللہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ان شیطانی شعبدہ بازیوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جن سے عوام اور جاہل لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہے کہ جس شخص سے اس قسم کی شعبدہ بازی ظاہر ہو وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

پھر کہا ہے کہ اس موضوع پر مفصل احکام سے باخبر ہونا مقصود ہو تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان" کا مطالعہ کیجیے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام احمد نے اپنی سند سے قطن بن قبیصہ عن ابیہ سے حدیث ذکر کی ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:- ان العیافۃ والطرق والطیرۃ من الجبت یعنی عیافہ۔ طرق۔ طیرہ جبت سے ہیں۔ عوف راوی نے کہا عیافہ پرندے کو اڑانا ہے اور طرق زمین پر لکیریں کھینچنا ہے اور جبت شیطانی آواز (نوحہ) ہے۔ اس حدیث کی سند جیّد ہے ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔

قولہٗ : قَالَ اَحْمَدُ :

امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ مراد ہیں۔

محمد بن جعفر: یہ غندر الہذلی البصری کے نام سے مشہور تھے، قابلِ اعتماد اور ثقہ رواۃ میں سے تھے ۲۰۶ ہجری میں فوت ہوئے۔

قولہٗ حَدَّثَنَا عَوْفٌ :

عوف بن ابی جمیلہ العبدی البصری (بفتح الجیم) عوف الاعرابی کے نام سے معروف تھے،

إِنَّ الْعِيَافَةَ وَ الطَّرْقَ وَ الطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ۔

پرندوں کو اڑانا، زمین پر خطوط کھینچنا اور کسی کو دیکھ کر فالِ بد لینا سب جادُو کی اقسام ہیں۔

ثقہ راویوں میں سے تھے۔ چھیاسی برس کی عمر پاکر ۴۶ ہجری یا ۴۷ ہجری میں فوت ہوئے۔

حیان بن العلاء یا حیان بن مخارق دونوں طرح درست ہے۔ ان کی کنیت ابوالعلاء تھی۔ بصری تھے اور محدثین کے نزدیک مقبول کے درجے میں تھے۔

اور قطن (بفتح القاف والطاء) بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابوسہل تھی۔ نقلِ روایت میں صدوق تھے۔

قولہ: عَنْ اَبِیْہِ:

ان سے مراد قبیصہ بن مخارق ہے قبیصہ بفتح القاف ہے اور مخارق بضم المیم (قبیصہ) کی کنیت ابوعبداللہ ہلالی ہے۔ صحابی ہیں۔ بصرہ میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔

قولہ: اِنَّ الْعِیَافَۃَ:

کسی پرندے کو اڑا کر، اُس کے نام سے، یا اُس کی آواز سے، یا اُس کے اُڑنے کی سمت سے فال لینے کو عیافہ کہتے ہیں۔ اِس قسم کی فال لینا باشندگان عرب کی عادت میں داخل تھا۔ ان کے اشعار میں بھی اِس کا ذکر موجود ہے۔

کہا جاتا ہے، عَافَ یَعِیْفُ عِیْفاً اس کے معنی ہیں ڈانٹا، خیال کیا، گمان کیا۔

قولہ: وَالطَّرْقَ:

زمین پر خطوط کھینچ کر فال لینے کو الطرق[1] کہتے ہیں۔ عوف نے بھی یہی معنیٰ بیان کیے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

صاحب النہایہ علامہ ابوالسعادات رحمہ اللہ لکھتے ہیں

---

[1] آج کل اِس کو "علمِ رمل" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قَالَ عَوفٌ : اَلْعِيَافَةُ زَجْرُ الطَّيرِ وَ الطَّرْقُ : اَلْخَطُّ يُخَطُّ بِالْأَرْضِ وَ الْجِبْتُ : قَالَ الْحَسَنُ : رَنَّةُ الشَّيطٰنِ - (اسنادہ جید)

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پرندوں کو اُڑانا عیافہ اور زمین پر خطوط وغیرہ کھینچنا طَرق کہلاتا ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک شیطان کی چیخ و پکار اور آہ و بکا کو الجبت کہتے ہیں۔ اِس حدیث کی سند جید ہے۔

"عورتوں کا کنکریاں پھینک کر فال نکالنا الطَّرق کہلاتا ہے۔"

الطیرہ کی پوری تفصیل ایک علیحدہ اور الگ باب میں آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ

قولہ : مِنَ الْجِبْتِ :

یعنی مندرجہ بالا سب باتیں جادو کی قسمیں ہیں۔

علّامہ قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبت اصل میں وہ ناکامی ہے۔

جس میں کسی قسم کی کوئی خیر اور بھلائی نہ ہو۔

اور پھر ہر اس چیز کو جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے الجبت کہا جانے لگا

حتیٰ کہ اب جادو اور جادوگر کو بھی الجبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

قولہ قَالَ الْحَسَنُ : رَنَّةُ الشَّيطَانِ :

یعنی حسن نے شیطان کی چیخ و پکار اور آہ و بکا (نوحہ وغیرہ) کو الجبت سے تعبیر کیا ہے۔ شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ براہیم بن محمد بن مفلح کا کہنا ہے بقی بن مخلد کی تفسیر میں منقول ہے۔

اَنَّ اِبْلِيسَ رَنَّ اَرْبَعَ رَنَّاتٍ ابلیس چار مرتبہ چیخا ہے۔

رَنَّةً حِيْنَ لُعِنَ ۱۔ جب اس کو ملعون قرار دیا گیا۔

وَرَنَّةً حِيْنَ اُهْبِطَ ۲۔ جب اسے آسمان سے زمین پر اتارا گیا

و لابي داؤد و النسائي و ابن حبان في صحيحه اَلْمُسْنَدُ مِنْهُ۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُوْمِ

فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ

زَادَ مَا زَادَ - (رواہ ابوداؤد و اسنادہ صحیح)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے علمِ نجوم کا کچھ حصہ حاصل کیا۔
تو گویا اُس نے اتنا جادو سیکھ لیا اور جس قدر زیادہ سیکھتا جائے گا اتنا ہی اِس کی وجہ سے گناہ میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

وَرَنَّةٌ حِيْنَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَرَنَّةٌ حِيْنَ نَزَلَتْ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ

۳۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔
۴۔ جب سورۃ فاتحہ نازل کی گئی۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"لَمَّا لَعَنَ اللّٰہُ اِبْلِيْسَ تَغَيَّرَتْ صُوْرَتُهٗ عَنْ صُوْرَةِ الْمَلَائِكَةِ وَرَنَّ رَنَّةً فَكُلُّ رَنَّةٍ مِّنْهَا فِي الدُّنْيَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ"

جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ملعون قرار دے دیا تو اس کی فرشتوں والی صورت تبدیل ہوگئی اور اس نے چیخ ماری اور دنیا کی ہر چیخ جو قیامت تک ہوگی وہ اسی شیطانی چیخ کا اتباع ہے۔

حضرت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَكَّةَ رَنَّ اِبْلِيْسُ رَنَّةً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکۃ المکرمہ فتح کیا تو ابلیس نے ایک ایسی

اِجْتَمَعَتْ اِلَيْهِ جُنُوْدُهٗ — چیخ ماری کہ جس کو سن کر اس کا سارا لشکر جمع ہو گیا حافظ الضیاء نے اس کو "المختارۃ" میں روایت کیا ہے۔

(رواہ الحافظ الضیاء فی المختارۃ)

الرنین، آواز کو کہتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے جو مفہوم ادا کیا ہے اس کی صحت اس سے ظاہر ہے۔

قولہٗ : ولابی داؤد

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عوفؓ کے بیان کردہ معنی کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ ابوداود نے امام حسن بصری کا نام لیے بغیر مذکورہ بالا تفسیر لکھی ہے۔

قولہٗ : مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُوْمِ :

ابوالسعادات رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"انسان جب کسی چیز کا علم حاصل کرلے تو کہتے اِقْتَبَسْتُ الْعِلْمَ : میں نے علم سیکھ لیا"

قولہٗ : شُعْبَةً :

یعنی علم نجوم کا کچھ حصہ۔ یا کوئی جزء۔ شعبہ حصے اور جزء کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ — حیاء ایمان کا جزء اور حصہ ہے۔

قولہٗ : فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ : اس نے جادو کی قسم حاصل کی ہے۔ جس کا علم حاصل کرنا حرام ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ علم نجوم جادو میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ○ — جادوگر کہیں بھی نجات نہ پا سکے گا۔ (طٰہٰ - ۶۹)

قولہٗ : زَادَ مَا زَادَ :

یعنی جس قدر علم نجوم زیادہ حاصل کرتا جائے گا اسی قدر گناہ بڑھتا جائے گا کیوں کہ علم نجوم کو مؤثر سمجھنا گناہ ہے جیسے جادو کو مؤثر خیال کرنا باطل ہے۔

وللنسائي من حديث ابي هريرة رضی اللہ عنہ مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص گرہ دیتے وقت اُس میں پھونک مارے اُس نے جادو کیا ہے۔

قولہ : رواه ابو داؤد :

امام نووی رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے امام احمد اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

قولہ : وللنسائي :

مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور اس کی نسبت امام نسائی کی طرف کی ہے۔ امام نسائی نے اسے مرفوعًا روایت کیا ہے۔ ابن مفلح نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

امام نسائی کا پورا نام یہ ہے۔

امام احمد، بن شعیب، بن علی، بن سنان، بن بحر، بن دینار۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمان تھی۔ سنن نسائی ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے ـــــ امام نسائی نے محمد بن المثنی، ابن بشار، قتیبہ اور بہت سے لوگوں سے روایت کی ہے۔

علل الحدیث میں امام نسائی کو ید طولیٰ حاصل تھا اور اس فن میں امام مانے جاتے تھے اس سلسلے میں بڑے بڑے علماء ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

علم حدیث کا یہ بحر بیکراں اٹھاسی سال کی عمر پاکر ۳۰۳ ہجری میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ

قولہ : مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً :

جادوگر جب کسی شخص کو جادو کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں تو دھاگہ لے کر اسے گرہ دیتے جاتے ہیں اور ہر گرہ پر کچھ پڑھ کر پھونک مارتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے اس قبیح عمل میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کے اس گرہ دینے کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے

وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ
وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ

اور جو شخص جادو کرے اُس نے شرک کیا اور جو اپنے جسم پر تعویذ دھاگہ لٹکائے اُسے اُسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (الفلق ـ ۴) گنڈوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے۔

یعنی وہ جادوگرنیاں جو جادو کرتی ہیں۔

نفث: اُس پھونک کو کہتے ہیں جس میں آبِ دہن کی آمیزش بھی ہو۔ یہ خاص جادوگر کا عمل ہے جب کوئی جادوگر کسی پر جادو سے حملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ ارواح خبیثہ اور شیاطین سے بھی مدد لیتا ہے اور اس دھاگے کو گرہ دیتے وقت اس میں ایسی پھونک مارتا ہے جس میں لعابِ دہن کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس پھونک سے زہریلا مادہ خارج ہوتا ہے۔ اس پھونک میں خبیث روحیں اور شیطان اس جادوگر کی مدد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس گرہ میں پھونک مارتے ہیں چنانچہ جس پر جادو کرنا مقصود ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے جسے اہلِ علم کی اصطلاح میں اذن کونی قدری کہتے ہیں، نہ کہ اذنِ شرعی، اثر ہو جاتا ہے۔

یہ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

قولہٗ: وَمَنْ سَحَرَ:

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جادوگر مشرک ہے۔ کیونکہ جادو کا اثر بغیر شرک کے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بعض لوگوں سے اس کی حکایات بیان کی ہیں۔

قولہٗ: وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ:

یعنی جس شخص کا قلبی تعلق کسی غیر اللہ سے ہو جائے، وہ اس کو معتمد علیہ اور قابلِ بھروسہ قرار دے لے اور اس سے اپنی امیدیں وابستہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اسی چیز کے سپرد

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَلَاهَلْ أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ ؟ هِيَ النَّمِيْمَةُ أَلْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ

(رواہ مسلم)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں تمھیں العضہ کے بارے میں بتاؤں کہ وُہ کیا ہے۔
پھر خود ہی فرمایا کہ وہ چُغلی کھانا ہے۔ یعنی دو شخصوں میں ایسی بات بنانا جس سے وہ آپس میں لڑائی جھگڑے پر اُتر آئیں۔

کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے ربّ، اپنے مولا، اپنے اللہ اور اس ربّ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے جو ہر چیز کا مالک و مختار ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اس کی حفاظت اپنے ذمّہ لے لیتا ہے، اسے ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے اپنی محبّت و مودّت کا سلوک کرتا ہے، کیونکہ وہی

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر۔ ۳۶) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے ؟

اور جو شخص جادوگر، شیاطین، یا ان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالےٰ اسے اسی کی تحویل میں دے دیتا ہے اور پھر انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دل کی آنکھ سے اس قسم کے لوگوں کے حالات پر غور کرے جو غیر اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کر لیتے ہیں تو اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ وہ لوگ کس قدر گمراہ، بے بس اور مایوس نظر آتے ہیں۔
اس حدیث کو جوامع الکلم میں شمار کیا گیا ہے۔

قوله أَلَاهَلْ أُنَبِّئُكُمْ

هل انبئكم اس کے معنی ہیں" اخبرکم" یعنی میں تمہیں بتاؤں۔ لفظ العضہ بفتح المهملة و سکون المعجمة ہے۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ کتب حدیث میں یہ اسی طرح مروی ہے۔ مگر کتب غریب میں" الا انبئکم ما العضۃ" ہے بکسر العین وفتح الضاد۔

علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں، یہ دراصل العضھۃ ہے اور فعلة کے وزن پر ہے۔ جو العضہ سے ہے اور بہتان کے معنی میں آتا ہے۔ بعدازاں السنۃ اور الشفۃ کی طرح اس کی ھا حذف کردی گئی العضۃ کی جمع عضن ہے۔

پھر اس کی "ھی النمیمۃ القالۃ بین الناس" سے تفسیر کی ہے اور اس پر"العضۃ" کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ اس لیئے کہ یہ اکثر کذب اور بہتان سے منفک نہیں ہوتا۔ یہ قرطبیؒ نے ذکر کیا ہے:

ابن عبدالبر رحمہ اللہ یحییٰ بن ابی کثیر سے ذکر کرتے ہیں کہ

يُفْسِدُ النَّمَّامُ وَالْكَذَّابُ	جھوٹا اور چغل خور ایک ساعت میں
فِي سَاعَةٍ مَا لَا يُفْسِدُ	جو فساد برپا کر دیتا ہے، جادوگر ایک
السَّاحِرُ فِي سَنَةٍ	سال میں بھی اتنا فساد برپا نہیں کر سکتا

ابوالخطاب اپنی کتاب عیون المسائل میں لکھتے ہیں

وَمِنَ السِّحْرِ السَّعْيُ	چغلی کھانا اور لوگوں میں فساد برپا
بِالنَّمِيمَةِ وَالْإِفْسَادُ بَيْنَ	کرنا جادو ہی کی ایک قسم ہے۔
النَّاسِ	

وہ اپنی کتاب فروع میں مزید فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"چغلی کو سحر اور جادو اس لیے کہا گیا ہے کہ چغل خور بھی اپنی باتوں اور عمل سے مکر و حیلہ کر کے دوسرے کو اسی طرح اذیت اور تکلیف پہنچانا چاہتا ہے جس طرح کہ جادوگر اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ چغلی کھانا انتہائی اذیت رساں فعل ہے اور اس کا وہی اثر مرتب ہوتا ہے جو جادو کا ہوتا ہے بعض اوقات چغلی جادو سے بھی زیادہ سنگین اور اذیت رساں ثابت ہوتی ہے قریب قریب دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ البتہ جادوگر کو جادو کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا

ولہما عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فصاحت وبلاغت میں بھی جادو کا اثر ہوتا ہے

کیونکہ یہ خاص فعل ہے اور اس کی وجہ بھی خاص ہے۔ لیکن چغل خور جادوگر نہیں ہے البتہ دونوں کے فعل سے نتیجہ ایک ہی جیسا نکلتا ہے۔ لہٰذا ساحر اور جادوگر کافر قرار دیا جائے گا بخلاف چغل خور کے کیونکہ اس کے لیے وہی حکم لگایا جائے گا جو کہ اس عمل یا اس کے اثر کے مطابق ہوگا، مگر ایسے عمل میں جو کہ موجب کفر یا عدم قبول توبہ ہو۔

مندرجہ بالا گفتگو سے زیر بحث حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہے۔ جو چغلی کی حرمت پر دال ہے اور چغلی کی حرمت پر علمائے اُمت کا اتفاق ہے۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

غیبت اور چغلی کی حرمت پر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے البتہ خیر خواہی کے لیے غیبت جائز ہے اور ان کے کبائر میں سے ہونے پر بھی حجت اور دلیل پائی گئی ہے۔

قولہٗ: اَلْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ:

ابو السعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"اتنی کثرت سے باتیں بنانا جس سے لوگوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے

جیسا کہ حدیث میں منقول ہے کہ

فَشَتِ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ — بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا لوگوں کی عام عادت ہو گئی ہے۔"

قولہٗ: اَلْبَيَانُ:

یعنی فصاحت وبلاغت اور پوری وضاحت سے اپنی بات بیان کرنا۔

صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات مدّعا علیہ اصل حق دار کی نسبت، تیز کلام اور چرب زبان ہونے کی وجہ سے، سامعین کو مسحور اور قائل کر کے دوسرے کا حق چھین لیتا ہے"

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں

بعض اہلِ علم نے لفظ جادُو سے فصاحت کی مذمت مراد لی ہے۔ کیونکہ جادو مذموم ہے لیکن اکثر اہلِ علم اور اہلِ ادب کی ایک جماعت نے فصاحت کی تاویل مدح سے کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی تعریف فرمائی ہے ـــــ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک سائل آیا اور اس نے اپنے سوال کو انتہائی فصاحت وبلاغت سے پیش کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا

هٰذَا وَاللّٰهِ السِّحْرُ الْحَلَالُ بخدا یہ جادُو ہے۔ لیکن حلال ہے"

پہلی صورت یعنی بیان کو مذمت پر محمول کرنا زیادہ درست ہے مگر اس بیان سے وہ بیان مراد ہے جس سے سُننے والے پر بات خلط ملط ہو جائے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے

فی زخرف القول تزيين لباطله والحق قد يعتريه سوء تعبير

ملمع کی بات میں کبھی باطل مزین ہو جاتا ہے اور کبھی حق کو بھی غلط انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔

یہ بھی شاعر کے ان شعروں سے ماخوذ ہے۔

تقول: هٰذا مجاج النحل تمدحه وان تشاء قلت ذا قئ الزنابير

مدحا وذما وما جاوزت وصفهما والحق قد يعتريه سوء تعبير

آپ تعریف کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہد کی مکھیوں کا لعاب دہن ہے اور اگر مذمت کرنے پہ آئیں تو اسے بھڑوں کی قے کہہ دیں۔ دونوں صورتوں میں آپ نے اس کا صحیح وصف ذکر کیا ہے۔ بعض اوقات حق غلط تعبیر کا شکار ہو جاتا ہے۔

قولہٗ: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا :

فصاحت و بلاغت اور بیان کو سحر سے تعبیر کرنا تشبیہ بلیغ ہے۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت سے وہی اثر ہوتا ہے جو سحر اور جادو سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان اپنی فصاحت کی وجہ سے حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کر دیتا ہے، جس سے جاہل اور کم علم والے دھوکا کھا جاتے ہیں اور باطل کو حق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔

اللہ ہم سب کو حق و انصاف کی راہ دکھائے اور ہدایت پر استقامت بخشے۔ آمین

البتہ وہ فصاحت و بلاغت جس سے حق و انصاف کی وضاحت ہوتی ہو اور باطل کی بیخ کنی کی جائے تو ایسی فصاحت ممدوح اور قابلِ صد تحسین ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی صفت نمایاں تھی کہ وہ احکامِ الٰہی کو انتہائی خوش اسلوبی اور فصاحت و بلاغت سے پیش فرماتے تھے۔ جس قدر کوئی پیغمبر زیادہ فصیح و بلیغ ہوتا تھا اتنا ہی اس کا مرتبہ بلند تھا۔ اور اسی بنا پر اُن کے اعمال میں عظمت و بلندی کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔

یہاں یہ بات ہرگز نہ بھولنی چاہیے کہ فصاحت و بلاغت اسی وقت تک قابلِ ستائش ہوگی جب کہ اس میں بے جا طوالت نہ ہو اور حق کی شکل و صورت اپنی جگہ پر قائم رہے، حق پر کوئی غبار نہ آنے پائے اور باطل کی تعریف نہ کی جائے۔ کیونکہ جب فصاحت و بلاغت ان حدود سے تجاوز کر جائے گی تو مذموم قرار پائے گی۔ زیرِ بحث حدیث یہی شہادت دیتی ہے اور اسی کی وضاحت کرتی ہے۔

ایک مقام پر آپؐ فرماتے ہیں

إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ بِلِسَانِهَا (مسند احمد۔ ابوداؤد)	جو شخص حق کو پامال کرنے میں فصاحت و بلاغت سے کام لے وہ عنداللہ انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ وہ اس طرح زبان کی کمائی کھاتا ہے جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے۔

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولی: أَنَّ الْعِيَافَةَ وَ الطَّرْقَ وَ الطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ ۔

① عیافہ، طرق اور الطّیرہ جادو ہی کی اقسام ہیں۔

الثانیۃ: تَفْسِيْرُ الْعِيَافَةِ وَ الطَّرْقِ

② عیافہ اور طرق کی مکمل وضاحت اور تفصیل بیان کی گئی ہے۔

الثالثۃ: أَنَّ عِلْمَ النُّجُوْمِ نَوْعٌ مِّنَ السِّحْرِ

③ علمِ نجوم بھی جادو کی ایک قسم ہے۔

الرابعۃ: أَلْعَقْدُ مَعَ النَّفْثِ مِنْ ذٰلِكَ ۔

④ پھونک مار کر گرہ دینا جادو ہے۔

الخامسۃ: أَنَّ النَّمِيْمَةَ مِنْ ذٰلِكَ ۔

⑤ چغلی کھانا جادو کی ایک شکل ہے۔

السادسۃ: أَنَّ مِنْ ذٰلِكَ بَعْضَ الْفَصَاحَةِ ۔

⑥ بعض اوقات فصاحت و بلاغت سے بات کرنا بھی جادو کہلاتا ہے

باب ما جاء
في
الكهان ونحوهم
اس باب میں
کہانت اور غیب دانی
کے بارے میں احکام شریعت کی وضاحت کی گئی ہے

روی مسلم في صحيحه عن بعض ازواج النبيّ ﷺ عن النبي ﷺ قال :

مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواجِ مطہرات سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جاکر کچھ پوچھا اور اس کی تصدیق بھی کی تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہو گی۔

شیاطین فرشتوں کی جو باتیں چوری کر کے ان لوگوں کو بتاتے ہیں انہیں کاہن کہا جاتا ہے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کثیر تعداد میں تھے۔

لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان پر کڑی نگرانی کر دی گئی لہٰذا اب وہ بہت ہی مشکل سے کوئی بات سن پاتے ہیں۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ یہ شیاطین بعض علاقوں کی خبریں دوسرے علاقوں کے کاہنوں کو بتا دیتے ہیں جس سے جاہل لوگ ان کاہنوں کی کرامت اور کشف کے قائل ہو جاتے ہیں اور اکثر لوگ

۱؎ کتاب وسنت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ کوئی نہ کوئی شیطان ضرور رہتا ہے۔ بعض اوقات خبیث النفس انسان کی خواہش پر اس کا شیطان کسی دوسرے انسان کے شیطان سے اس کے گھریلو، نجی اور خصوصی حالات معلوم کر کے اپنے خبیث النفس انسان کو بتا دیتا ہے، اس کے بتانے سے یہ شخص سادہ لوح جاہل عوام کو جب بتاتے ہیں تو جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص بڑا متقی، پرہیزگار اور صاحبِ کشف کرامت ولی ہے، حالانکہ یہ شخص بڑا دھوکے باز ہے، خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں بھی پیش پیش ہے۔ ایسے شعبدہ باز بہت سے عوام کو پھسلا چکے ہیں، اس لیے ہر شخص کو ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ ان کو بتانے والے اولیاء اللہ ہیں جو بعض اوقات غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ شیاطین کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ اس کی وضاحت قرآنِ کریم میں کی گئی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلْإِنسِ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا ٱلَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ ٱلنَّارُ مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ (الانعام - ۱۲۸)	اور جس دن وُہ سب (جنّ و انس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہِ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔ جو انسانوں میں اُن کے دوست دار ہوں گے وُہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تُو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ خُدا فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہوگے۔ مگر جو خُدا چاہے۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔

قولہٗ : عَنْ بَعْضِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ

اس سے امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ کیونکہ ابومسعود الثقفی نے اپنی مسند کے اطرافِ حدیث میں حفصہ کی سند سے یہی روایت بیان کی ہے۔

قولہٗ : مَنْ اَتٰى عَرَّافًا :

عرّاف کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ مذکورہ وعید ہر اس شخص کے لیے ہے جو کاہن اور نجومی سے آکر سوالات کرتا ہے۔ خواہ اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے کیونکہ بعض روایات میں صرف یہ الفاظ ہیں:۔

مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهٗ عَنْ شَيْئٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا	جو شخص نجومی کے پاس جا کر اس سے کسی قسم کا سوال کرتا ہے اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

قولہٗ : لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةٌ :

سوال کرنے والے کا جب یہ عالم ہے تو کاہن اور منجم کا کیا حشر ہو گا۔؟

امام نووی رحمہ اللہ اور بعض دُوسرے علماء کا کہنا ہے۔

"کاہن سے سوال کرنیوالا نماز پڑھلے تو فرض ادا ہو جائیگا۔لیکن اس کو نماز کا ثواب اور اجر نہیں ملیگا اس تاویل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کسی نجومی کے پاس جاتا ہے اس پر چالیس روز کی نماز کی قضا ضروری نہیں ہے"

زیرِ نظر حدیث میں کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ان کاہنوں اور منجموں کو جو بازاروں میں سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے اور فریب دے کر ان کی جیبیں صاف کرتے ہیں، جو شخص روکنے کی طاقت رکھتا ہو روکے، ان پر سخت گرفت کرے اور ان کے پاس آنے والے لوگوں کو بھی منع کرے اور سمجھائے۔ ان کاہنوں کی چند ایک باتوں کے صحیح ہو جانے سے ان کے جال میں نہ پھنسنا چاہیے اور نہ اس فریب میں آنا چاہیے کہ ان کے پاس لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور اس سے بھی دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ ان کے پاس علم والے لوگ آتے ہیں - کیونکہ ان کے پاس اہل علم نہیں بلکہ بالکل جاہل لوگ آتے ہیں۔ اگر ان کے پاس علم کی دولت ہوتی تو خلافِ شریعت اُمور کا ارتکاب نہ کرتے ان کا حال یہ ہے کہ رات دن محرمات کے ارتکاب میں مبتلا اور مشرکانہ تعویذ گنڈوں میں مصروف رہتے ہیں"

ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں

اَوْ اَتَى امْرَأَةً قَالَ مُسَدَّدٌ : اِمْرَأَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتَى اِمْرَأَةً قَالَ مُسَدَّدٌ اِمْرَأَتَهٗ فِيْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ	جو شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے یا اسکی دبر میں اپنی نفسانی خواہش کا مرتکب ہو۔ تو یوں سمجھیے کہ یہ شخص اس دین سے جو محمد ﷺ پر اتارا گیا بے زار ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا الفاظ کو عمداً نقل نہیں کیا، صرف اتنے الفاظ نقل کیے جن کا تعلق باب سے تھا۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَآ أُنْزِلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم (رواه ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن اور نجومی کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لیے گیا اور پھر اُس کے جواب کی تصدیق بھی کی تو اُس نے شریعتِ اسلامیہ کا انکار کیا۔

ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں مندرجہ ذیل الفاظ سے حدیث مروی ہے۔ مزید برآں حاکم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم کی شروط پر پُوری اُترتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم

جو شخص کاہن اور نجومی کی بات کی تصدیق کرے۔ تو گویا اُس نے اُس دینِ اسلام کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارا گیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے تو راوی کے نام کی جگہ خالی چھوڑ دی تھی لیکن اس روایت کو امام احمد، امام بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

قولہٗ : مَنْ أَتَى كَاهِنًا :
جن علماء کے نزدیک کفر کے مختلف درجات ہیں، ان کا کہنا ہے کہ پیشِ نظر حدیث اور سابقہ حدیث یعنی۔

مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ جو شخص نجومی کے پاس آکر سوالات

و للاربعة و الحاكم. وقال صحيح على شرطهما عن لہ

مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ ولابي يعلى بسند جيّد

عن ابن مسعود مثلهٗ موقوفًا ۔

چاروں کُتبِ سُنن اور مُسند حاکم میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی نجومی اور کاہن کے پاس جائے اور اُس کی بات کی تصدیق کرے تو اُس نے شریعتِ محمّدیہ کا انکار کر دیا۔

یہ روایت مُسندِ ابی یعلیٰ میں سندِ جیّد سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اِسی طرح موقُوفًا مروی ہے۔

شَيْئٌ لَمْ يُقْبَلْ لَهٗ صَلوٰةٌ ... کرتا اور پُوچھتا ہے، اس کی چالیس روز

أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ... کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

لیکن وُہ علما، جو ظاہر حدیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کاہن یا نجومی کے سچا ہونے کا اعتقاد کرلے خواہ کسی بھی وجہ سے ہو تو اس پر کفر کا اطلاق ہو گا۔

اکثر کاہن آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین و جنّات سے سُن کر لوگوں کو بتایا کرتے تھے۔

قولهٗ : فَقَدْ كَفَرَ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

لہ بیاض بالاصل

"یہاں کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ ﷺ مراد ہے"

اس حدیث میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

(۱) پہلی یہ کہ آیا یہاں کفر دون کفر مراد ہے۔ ؟ ——— یا ———

(۲) توقف اختیار کیا جائے گا ؟

اس سلسلے میں نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وُہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وُہ مِلّتِ اسلامیہ سے نہیں خارج ہُوا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں دونوں روایتوں میں سے اسی توقف کی صُورت کو ترجیح حاصل ہے۔

قولہٗ : وَلِاَبِیْ یَعْلٰی بِسَنَدٍ جَیِّدٍ

ابو یعلیٰ کا نام یہ ہے۔

احمد ، بن علی ، بن المثنیٰ الموصلی ، رحمہ اللہ

امام ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے بہت سی کتب تصنیف کی ہیں "مسند ابی یعلیٰ" ان کی مشہور کتاب ہے۔ ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے یحییٰ بن معین ، ابی خیثمہ ، ابی بکر بن ابی شیبہ اور بہت سے ائمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ ابو یعلیٰ بہت بڑے امام اور حافظ الحدیث تھے ؛ ۳۰۷ھ میں فوت ہُوئے۔

یہ اثر مسند البزار میں بھی ہے ، جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

مَنْ اَتٰی کَاھِنًا اَوْ سَاحِرًا	جو شخص کسی کاہن یا جادُوگر کی بات
فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ	کی تصدیق کرتا ہے ، گویا اُس نے
کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی	رسُول اللہ ﷺ پر نازل شُدہ
مُحَمَّدٍ ﷺ	دینِ اسلام کا انکار کر دیا۔

اس حدیث میں کاہن اور جادُوگر کے کُفر پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ علم غیب کا دعوےٰ کرتے ہیں جو سراسر کفر ہے اور ان کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ٹھہرا۔[۱]

---

[۱] اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا علم غیب کا دعوےٰ کرنا یا کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ علم غیب جانتا ہے کفر ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اس پر شاہد ہے :

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اُس گھڑی (قیامت) کا علم اللہ ہی کے

وعن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مرفوعًا : لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطِيِّرَلَهُ ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَلَهُ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خُود فال نکالے یا اُس کے لیے فال نکالی جائے یا خود کاہن بنے یا اُس کے لیے کوئی دُوسرا شخص کہانت کرے یا جو شخص خود جادُوگر ہو یا اُس کے لیے کوئی دُوسرا شخص جادُو ... کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

قولہ : لَيْسَ مِنَّا

اس حدیث میں سخت ترین وعید بیان کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہُوا کہ یہ تمام امور کبائر میں سے ہیں اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ جادُو اور کہانت کفر ہیں۔

وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمٰن - ۳۴)	پاس ہے۔ وُہی بارش برساتا ہے وُہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی مُتنفّس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

سورۃ الانعام میں ارشادِ ربّانی ہے :

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام - ۵۹)	اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سورۃ جن میں ارشاد فرمایا گیا کہ :

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن - ۲۶ - ۲۷)	وہ عالم الغیب ہے' اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اُس رسُول کے جسے اُس نے پسند کر لیا ہو۔

پس جو شخص عرّاف یا کاہن کی تصدیق کرتا ہے وہ مندرجہ بالا آیات سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے اور جو آیات سے کُفر کرے وُہ کافر ہو جاتا ہے۔

وَ مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ رواه البزار بسند جيد

اور جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اُس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اُس نے شریعتِ محمدیہ سے کفر کا ارتکاب کیا۔

قولهٗ : مَنْ تَطَيَّرَ

یعنی جو شخص خُود بدفال لے یا کسی شخص کے لیے کوئی دُوسرا فال لے اور وُہ شخص جو خُود کاہن ہو یا کسی کاہن کے کہنے پر چلے، اسی طرح وُہ شخص جو خُود جادُو کرے یا اس کے لیے کوئی دُوسرا شخص جادُو کرے۔

پس جو شخص بھی ان امور میں مبتلا ہُوا، اُس سے رحمتِ دو عالم ﷺ بے زار ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو شرک ہیں۔ جیسے کسی چیز سے بدفال لینا اور بعض کفر ہیں جیسے کہانت اور جادُو۔ اور جو شخص ان پر رضا مندی ظاہر کرے اور ان کی باتوں پر عمل کرے وُہ ان کا ساتھی ہے۔ اس لیے اس نے باطل اور کفر کو قبول کر کے اس پر عمل کیا ہے۔

قولهٗ : رَوَاهُ الْبَزَّارُ

ان کا پُورا نام یہ ہے۔

احمد بن عمرو بن عبدالخالق ابوبکر البزار البصری رحمہ اللہ

یہ صاحبِ مسند کبیر ہیں۔ ان کی یہ تصنیف شہرۂ آفاق ہے۔ ابن بشار، ابن المثنیٰ اور بہت سے محدثین سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ۲۹۲ھ میں فوت ہُوئے۔

ورواه الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن من حدیث ابن عباس دون قوله: " وَ مَنْ أَتَی إلیٰ اٰخرہٖ" قال البغوی: أَلْعَرَّافُ الَّذِي يَدَّعِي مَعْرِفَةَ الْأُمُورِ بِمُقَدَّمَاتٍ يَسْتَدِلُّ بِهَا عَلَى الْمَسْرُوقِ وَ مَكَانِ الضَّالَّةِ وَ نَحْوِ ذٰلِكَ -

---

طبرانی نے "اوسط" میں سندِ حسن سے یہی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ البتہ اس میں وَمَنْ اَتیٰ کَاھِنًا سے آگے تک کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے عراف کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ جو شخص چند باتیں ملا کر مسروقہ چیز اور جائے سرقہ کی نشان دہی کر دے اُس کو عرّاف یعنی نجومی کہتے ہیں۔

قولہ: قَالَ الْبَغَوِيُّ رحمہ اللہ

بفتح الباء وفتح الغین - ان کا پورا نام یہ ہے۔

حسین بن مسعود الفراء الشافعی رحمہ اللہ

امام بغوی رحمہ اللہ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ خراسان کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ زاہد، متقی، فقیہ اور ثقہ تھے۔ انہوں نے ماہ شوال ۵۱۶ھ میں وفات پائی۔

قولہ: قَالَ الْبَغَوِيُّ رحمہ اللہ اَلْعَرَّافُ الَّذِي يَدَّعِي مَعْرِفَةَ الْأُمُورِ

جو شخص پیش آمدہ حوادث کا عالم ہونے کا مدعی ہو جیسے چوری کرنے والا، گم شدہ چیز اور جہاں گم ہوئی ہو ان سب کی اطلاع دے، اسے عراف کہتے ہیں۔

وَ قِيلَ : هُوَ الْكَاهِنُ ، وَ الْكَاهِنُ هُوَ الَّذِيْ يُخْبِرُ عَنِ الْمُغَيْبَاتِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ ۔

وَ قِيلَ : أَلَّذِيْ يُخْبِرُ عَمَّا فِي الضَّمِيرِ ۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص آئندہ آنے والی خبریں بتائے اُس کو کاہن کہا جاتا ہے۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ جو شخص کسی کے دِل کی بات بتائے وہ کاہن ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کاہن، نجومی اور علمِ رمل جاننے والے کو عراف کہا جاتا ہے۔ جیسے وہ شخص جو اٹکل پچو سے کام لے کر غیب دانی اور کشف وغیرہ کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہو۔

امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ نجومی اور عراف دونوں ایک ہی ہیں اور ہم معنیٰ ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ایک جگہ پر فرمایا ہے کہ خطابی اور دُوسرے علماء کے نزدیک عراف اور کاہن ہم معنیٰ ہیں۔

عربوں کے نزدیک یہ دونوں نام ایک دُوسرے کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں مگر کچھ اہل علم نے نجومی کو کاہن کی جنس سے تعبیر کیا ہے اور اس کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا یہ دونوں معنیٰ ایک دُوسرے سے قریب ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وقال ابو العباس ابن تیمیۃ رحمہ اللہ : اَلْعَرَّافُ اِسْمٌ لِلْکَاهِنِ، وَالْمُنَجِّمِ وَالرَّمَّالِ وَنَحْوِهِمْ مِمَّنْ یَتَکَلَّمُ فِي مَعْرِفَةِ الْأُمُوْرِ بِهٰذِهِ الطُّرُقِ -

---

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہانت، تنجیم اور علمِ رمل وغیرہ کی مدد سے بعض امور کی اطلاع دے اُس کو عرّاف کہتے ہیں۔

"عراف جادُو کا ایک حصّہ ہے۔ لیکن جادُو گر عراف سے زیادہ بدتر ہے"

صاحبِ نہایہ علامہ ابو السعادات رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"عرّاف نجومی ہی کو کہا جاتا ہے اور حازر اُس شخص کو کہتے ہیں جو علمِ غیب کا دعویٰ کرے۔ حالانکہ علمِ غیب کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص کیا ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"جو شخص پرندوں کو اُڑا کر کامیاب فال نکالنے میں شہرت حاصل کر لے عرب اُسے عرّاف اور عائف سے تعبیر کرتے تھے۔"

مندرجہ بالا بحث کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ جو شخص مخفی امور کے جاننے کا دعویٰ کرے یا تو وُہ کاہن ہے اور یا کاہن کے ساتھ معنیً مشترک ہے ان لوگوں کی بعض باتیں صحیح اس لیے ہوتی ہیں کہ ان کو کشف کے ذریعہ سے

یا ــــ شیاطین کی وساطت سے

یا ــــ پرندوں کو ڈرا، دھمکا کر فال نکالنے کی وجہ سے

یا ــــ رمل کی وجہ سے

وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: فِي قَوْمٍ يَكْتُبُونَ أَبَا جَادٍ، وَ يَنْظُرُونَ فِي النُّجُومِ "مَا أَرٰى مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ لَهُ عِنْدَ اللهِ مِنْ خَلَاقٍ".

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اُن لوگوں کے بارے میں جو حروفِ ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتے اور نجوم سیکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرے اُس کا آخرت میں کوئی حصّہ اور اجر نہیں ہے۔

یا ــــ کہانت اور جادو کی وجہ سے پتا چلتا ہے۔

جو سب کے سب جاہلیّت کے علوم محرّمہ ہیں جاہلیّت سے ہماری مراد وُہ لوگ ہیں جو پیغمبروں کی اتباع نہیں کرتے۔ جیسے فلاسفہ، کہان اور منجمین وغیرہ کا گروہ اور جاہلیّتِ عرب سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے لوگ ہیں، جو اس قسم کے افعال کے مرتکب ہوتے تھے[1]

---

[1] جاہلیّت سے اُن احکام سے اعراض کرنا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُولوں پر نازل فرمائے اور شخصی تقلید، عادات اور ان ظن وتخمین پر، جو شیاطین دِلوں میں ڈالتے ہیں، اِعتماد کرنا ہے۔

اِس کی وضاحت قرآنِ کریم ان الفاظ سے کرتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا	اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں
شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ	اور شیطان جنّوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے
بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ	جو ایک دُوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور
الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط (الانعام - ۱۱۲)	فریب کے طور پر القا کرتے رہے ہیں۔

افسوس کہ لوگوں میں جو موجودہ جاہلیّت پائی جاتی ہے وہ سابقہ دورِ جاہلیّت سے بھی بدترین ہے، جسے قرآن وحدیث بھی دُور نہیں کر سکتے کیونکہ اُنہوں نے قرآن وحدیث کو پسِ پُشت ڈال رکھا ہے اور یہی قرآن وحدیث ان کے خلاف بطور حُجّت پیش ہوگا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان لوگوں کی خوشنما پگڑیوں، لمبی لمبی داڑھیوں اور خوب صورت چہروں کے جال میں نہ آنا چاہیے کیونکہ اِس کے پسِ پردہ جہالت اور کورپن کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔

کیونکہ یہ ایسے لوگوں کے علوم ہیں جن کو انبیاء کی تعلیم کا کوئی علم نہیں ہے۔ لہٰذا ان علوم کے حاملین کو عرّاف، کاہن، نجومی وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جو شخص ان کی تصدیق کرے وُہ بھی اسی وعید میں شامل ہوگا۔ بعض قومیں ان علوم کی وارث ہوئی ہیں اور انہوں نے علمِ غیب کا دعویٰ کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے لیے مخصوص کیا ہے۔

اس دعویٰ کی بنا پر یہ لوگ اپنے آپ کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وُہ کرامات ہیں جو ہماری طرف سے ظاہر ہوتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ولایت کا دعویٰ کرتا ہے اور بعض پوشیدہ امور کی اطلاع دینے کو بطور دلیل پیش کرتا ہے وُہ اولیاء الشیطان میں سے ہے۔ نہ کہ اولیاء الرحمان میں سے! کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن اور متقی بندے کے ہاتھ سے کرامت ظاہر کرتا ہے۔ جیسے دُعا کا قبول ہو جانا۔ یا کوئی اچھا عمل سرزد ہو جانا۔ جس میں اس مؤمن و متقی کو نہ کوئی دخل ہوتا ہے، نہ طاقت ہوتی ہے اور نہ وُہ اپنے ارادے سے یہ کام کرتا ہے۔ برعکس ان شیاطین کے جو مغیبات اور پوشیدہ امور کی خبر دینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو بعض اوقات مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر بعض امور کا پتا چل جاتا ہے اور ان تمام اسباب کو برتتے عمل لانا حرام اور مبنی بر کذب ہے یہی وجہ ہے کہ کاہنوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

فَيَكْذِبُونَ مَعَهُ مِائَةَ كِذْبَةٍ — ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی ایک بات سچی اور سو جھوٹی ہوتی ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ولایت کے مدعی ہیں اور لوگوں کے دلوں کے بھید اور پوشیدہ امور کے متعلق بتانے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ دعوےٰ ہی ان کے کذب و افترا کی سب سے بڑی دلیل ہے جو کہ خود ان کے دعوےٰ ولایت اور ادعائے تزکیہ نفس میں موجود ہے۔ جس کی قرآنِ مجید نے مخالفت فرمائی ہے۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ — خود اپنی پاکیزگی کا اظہار نہ کرو۔ (النجم - ۳۲)

اولیاء اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وُہ اپنے زہد و تقویٰ کا ڈھنڈورا پیٹتے پھریں۔ اس کے برعکس اولیاء اللہ کی شان تو یہ ہے کہ

ان کو اپنے ہی عیوب کا شمار کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔ ان پر ہر وقت خوفِ خدا طاری رہتا ہے جب معاملہ یہ ہے تو یہ کس طرح لوگوں کے پاس جاکر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ دیکھو! ہم اولیاء اللہ ہیں اور ہم غیب دانی میں ماہر ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان دعوؤں میں تو یہ خواہش پوشیدہ ہے کہ یہ شخص اس حرکت سے مخلوق خدا کے دلوں میں کوئی مقام حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس نوع کی باتوں سے دولتِ دُنیا کو سمیٹنے کا متمنی ہے۔

ہر شخص کو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو تمام اولیا کے سردار اور پیشوا تھے۔ کیا ان میں سے کسی نے بھی اس قسم کا غلط دعوے کیا ؟ اور کیا کوئی خلافِ شریعت بات زبان سے نکالی ؟ بخدا! کبھی نہیں۔ بلکہ ان کی حالت تو یہ ہوتی تھی کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بند نہ ہوتے تھے اور ان کو اس بات کی طاقت نہ تھی کہ اپنے آپ پر ضبط کر سکیں۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھیے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے وقت اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور سلسلہ تلاوت رُک جاتا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ نماز میں قرأت شروع کرتے تو پچھلی صفوں میں رونے کی آواز سنائی دیتی اور اکثر ایسا ہُوا کہ رات کے وقت اپنے اوراد میں اتنا روئے کہ بیمار پڑ گئے اور کئی روز تک صحابہ کرام بیمار پرسی کے لیے تشریف لاتے رہے۔

حضرت تمیم داری کا یہ حال تھا کہ رات کو سونے کے لیے بستر پر تشریف لاتے تو جہنم کی آگ کا نقشہ سامنے آجاتا اور ساری ساری رات کروٹ بدلتے رہتے۔ آخر نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

اگر آپ اولیاء اللہ کی صفات دیکھنا اور پڑھنا چاہتے ہیں تو سورۃ الرعد، سورۃ المؤمنون، سورۃ الفرقان، سورۃ الذاریات اور سورۃ الطور کی تلاوت کیجیے۔ آپ کو اولیاء اللہ کی صفات کا علم ہو جائے گا۔[1]

---

[1] قرآنِ کریم میں مومنوں کی صفات کا جابجا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں سے چند صفات یہ ہیں:
۱۔ اللہ کے وعدوں کو پُورا کرتے ہیں۔ ۲۔ اپنے عہد و پیمان کو نہیں توڑتے۔ ۳۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ ۵۔ بُرے حساب کے تصور سے کپکپا جاتے ہیں۔ ۶۔ اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔ ۷۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ ۸۔ اپنا مال اللہ کی راہ میں رات دن خرچ کرتے ہیں۔ ۹۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں۔ ۱۰۔ اللہ کے ذکر سے ان کے

یہ اولیاء اللہ نہیں ہیں جو جھوٹے دعوے کرتے پھرتے ہیں اور اللہ کی اُن صفات کے خود مدعی ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کی ہوئی ہیں۔ جیسے کبریائی، عظمت اور علم غیب وغیرہ۔ ان کا دعوائے غیب دانی ہی کفر ہے۔ یہ ولی اللہ کیسے بن سکتے ہیں؟ ان جھوٹوں اور افتراء پرداز شیطانوں کی وجہ سے عوام الناس کی مصیبتوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ جو نسلاً بعد نسلٍ اپنے مشرک آباؤ اجداد سے یہ علوم محرّمہ سیکھ رہے ہیں اور سادہ لوح عوام کے دلوں پر چھاتے ہوئے ہیں۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ دین حنیف پر ثابت قدم رہنے اور ان باطل امور سے مجتنب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قولہٗ: فِیْ قَوْمٍ یَکْتُبُوْنَ اَبَا جَادٍ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اسی اثر کو طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

رُبَّ مُعَلِّمٍ حُرُوْفِ اَبِیْ جَادٍ — بہت سے معلم حروف ابجد ہیں جو پڑھ

دَارِسٍ فِی النُّجُوْمِ لَیْسَ لَهٗ عِنْدَ — کر ستاروں کو دیکھتے ہیں قیامت کے دن اللہ

دل مطمئن رہتے ہیں۔ ۱۱ — اچھے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ ۱۲ — زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ ۱۳ — جب جُہلا سے ملتے ہیں تو سلام کہہ کر نکل جاتے ہیں۔ ۱۴ — رات کو قیام کرتے ہیں ۱۵۔ — عذابِ دوزخ سے ہمیشہ پناہ مانگتے ہیں۔ ۱۶ — خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے۔ ۱۷ — بخیلی سے بھی کام نہیں لیتے۔ ۱۸ — اللہ کے ساتھ کسی کو نہیں پکارتے۔ ۱۹ — کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے ۲۰ — جھوٹ نہیں بولتے۔ ۲۱ — لغویات میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ ۲۲ — سحری کے وقت توبہ و استغفار میں گزارتے ہیں۔ ۲۳ — کسی سائل کو محروم نہیں کرتے۔ اور ۲۴ — زنا نہیں کرتے۔

ایسی صفات کے حاملین ہی اصل میں اولیاء اللہ ہیں جن کو کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں مومنوں کی بیشمار صفات مرقوم ہیں، بلکہ قرآن کریم کی اکثر آیات ایمان اور اہل ایمان کے بارے میں مذکور ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ جہالت اور گمراہی نے عوام کے دلوں پر ایسی گرفت کر لی ہے کہ یہ لوگ ایسے عظیم اوصاف اور اس بلند مرتبہ کو جو صرف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا حصہ ہی ہے، ایسے افراد میں بھی سمجھ لیا ہے جنھیں پاکیزگی اور گندگی کی بھی تمیز نہیں بلکہ وہ اپنے کپڑوں میں ہی پیشاب کر لیتے ہیں۔ انتہائی گندے اور میلے کچیلے رہتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں نہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں۔ ان سے ہر نعمت چھن چکی ہے، ان کے اندر اگر کوئی چیز باقی ہے تو وہ صرف حیوانیت ہے۔

بعض اوقات شیطان ان کی زبان سے کوئی ایسا جملہ نکلوا دیتا ہے جس سے جاہل لوگ مزید فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اللّٰہِ خَلَاقٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ — تعالیٰ کے دربار میں ان کا کوئی حصّہ نہ ہوگا۔

حمید بن زنجویہ نے مندرجہ ذیل الفاظ سے یہ اثر نقل کیا ہے۔

رُبَّ نَاظِرٍ فِی النُّجُوْمِ وَمُتَعَلِّمِ حُرُوْفِ اَبِیْ جَادٍ لَیْسَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ خَلَاقٌ	بعض نجومی اور حروف ابجدی سیکھنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی حصّہ نہ ہوگا۔

قولہ : مَا اَرٰی :

یعنی میں نہیں جانتا۔ مجھے معلوم نہیں اور مَا اُرٰی : یعنی میرے خیال میں یہ نہیں ہے۔ میں گمان نہیں کرتا ہوں یعنی اریٰ کے ہمزہ کی زبر پڑھنے سے علم مراد ہے اور پیش پڑھنے سے ظن مراد ہے اس شخص کے لیے جو علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے۔ حروف ابجدی وغیرہ لکھنے اور سیکھنے کی سخت ممانعت ہے اس پر شدید وعید اور ڈانٹ آئی ہے البتہ حروفِ تہجی اور حساب وغیرہ کے لیے لکھنا اور سیکھنا منع نہیں ہے۔

قولہ : وَیَنْظُرُوْنَ فِی النُّجُوْمِ :

یعنی ستاروں کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں تاثیر ہے۔ اس کی مفصل بحث آئندہ باب التنجیم میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

مندرجہ بالا بحث میں بہت سے فوائد ہیں۔ اہلِ باطل اپنے علوم سے بعض اوقات جو درست باتیں کہہ دیتے ہیں ان سے انسان کو دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہی کے بارے میں فرماتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (المؤمن ـ ۸۳)	جب اُن کے رسُول اُن کے پاس بیّنات لے کر آئے تو وُہ اسی علم میں مگن رہے جو اُن کے اپنے پاس تھا اور پھر اسی چیز کے پھیر میں آگئے جس کا وُہ مذاق اڑاتے تھے۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: لَا يَجْتَمِعُ تَصْدِيقُ الْكَاهِنِ مَعَ الْإِيمَانِ بِالْقُرْآنِ۔

① قرآنِ کریم پر ایمان اور کاہن کی تصدیق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

الثانیۃ: اَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّهُ كُفْرٌ۔

② اِس بات کی وضاحت کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔

الثالثۃ: ذِكْرُ مَنْ تُكُهِّنَ لَهُ۔

③ جس شخص کے لیے کہانت کی گئی ہو، اُس کا حکم۔

الرابعۃ: ذِكْرُ مَنْ تُطُيِّرَ لَهُ۔

④ جس شخص کے لیے فال لی گئی ہو اُس کی وضاحت۔

الخامسۃ: ذِكْرُ مَنْ سُحِرَ لَهُ۔

⑤ جس شخص کے لیے جادو کیا گیا ہو اُس کا حکم۔

السادسۃ: ذِكْرُ مَنْ تَعَلَّمَ أَبَا جَادٍ۔

⑥ جو شخص حروفِ ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتا ہے اُس کے بارے میں حکم۔

السابعۃ: ذِكْرُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْكَاهِنِ وَالْعَرَّافِ۔

⑦ کاہن اور عرّاف میں جو فرق ہے اُس کی وضاحت۔

بابُ ماجاء
في النشرة

اِس باب میں جادو وغیرہ اور جِنوں کو
نکالنے کے
متعلق اُمور کا ذِکر کیا گیا ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنِ النُّشْرَةِ ؟ فَقَالَ هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ - رواہ احمد بسند جید ، و ابوداؤد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے - وُہ کہتے ہیں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نُشرہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ شیطانی عمل ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نُشرہ بھی جادُو کا ایک جزء اور حصّہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ

فَلَعَلَّ طِبًّا اَصَابَهٗ ثُمَّ نَشَرَهٗ بِقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جادُو کر دیا گیا ہے پھر اس کے بعد سورۃ قُلْ اعوذ برب النّاس پڑھ کر دُور کر دیا

علّامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے جادُو دُور کرنے کو نشرہ کہتے ہیں اور یہ کام وُہی شخص کر سکتا ہے جو جادُو جانتا ہو۔

قولہ : عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام احمد سے امام ابو داؤد نے اپنی "سُنن" میں روایت کیا ہے اور فضل بن زیاد نے "کتاب المسائل" میں اس کو عن عبدالرزاق عن معقل بن معقل بن منبّہ عن جابر نقل کیا ہے - ابن مفلح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند جیّد ہے اور حافظ ابن حجر العسقلانی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

قولہ : سُئِلَ عَنِ النُّشْرَةِ :

النُشرة پر جو الف لام ہے وُہ عہد ذہنی کے لیے ہے القاموس میں ہے کہ یہ بضم النون ہے - اسے شیطانی عمل سے ترتیب دیا گیا نُشرہ مراد ہے جو اہلِ جاہلیّت کیا کرتے تھے۔

وَقَالَ سُئِلَ أَحْمَدُ عَنْهَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَكْرَهُ هٰذَا كُلَّهُ۔

وفي البخاري عن قتادة رحمه الله: قلت لابن المسيب

رَجُلٌ بِهِ طِبٌّ أَوْ يُؤَخَّذُ عَنْ اِمْرَأَتِهِ أَيُحَلُّ عَنْهُ أَوْ يُنَشَّرُ؟ قَالَ لَا بَأْسَ بِهِ إِنَّمَا يُرِيْدُوْنَ بِهِ الْإِصْلَاحَ فَأَمَّا مَا يَنْفَعُ فَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ۔

امام ابُوداؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نُشرہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سارے عمل کو مکرُوہ قرار دیتے تھے۔

صحیح بُخاری میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ کہتے کہ مَیں نے سعید ابنِ مسیّب رضی اللہ عنہ سے پُوچھا کہ اگر کسی شخص پر جادُو یا کوئی ایسا ٹُوٹکا ہو جس سے وُہ اپنی عورت کے پاس نہیں آسکتا۔ آیا اِس کا حل کیا جائے یا نُشرہ کریں؟ آپ نے جواب دیا کہ اِس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اِس سے اِصلاح مقصود ہے اور جو چیز فائدہ مند ہو اُس کے اِستعمال کی ممانعت نہیں۔

قولہٗ: سُئِلَ اَحْمَدُ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر طرح کے نشرہ کو بُرا سمجھتے تھے جیسے مطلقاً تعویذ وغیرہ کو بُرا سمجھتے تھے۔

قولہٗ: عَنْ قَتَادَةَ:

وَ رُوِیَ عَنِ الْحَسَنِ رحمہ اللہ أَنَّہٗ قَالَ
لَا یَحُلُّ السِّحْرَ إِلَّا سَاحِرٌ۔

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ جادو کو جادوگر ہی دُور کر سکتا ہے۔

ابن دعامۃ الدوسی مراد ہیں (ابن دعامہ۔ بکسر الدال) تابعین میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث تھے بہت بڑے فقیہ اور ثقہ راویوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ نابینا ہی پیدا ہوتے تھے ۱۱۸ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔

قولہ : رَجُلٌ بِہٖ طِبٌّ

جس پر جادو کیا گیا ہو یعنی جب کسی پر جادو کیا گیا ہو تو کہتے ہیں۔ طب الرجل، سحر کو طب سے تفاؤل کی بنا پر تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے لدیغ کو سلیم کہتے ہیں۔

محمد بن قاسم الانباری کہتے ہیں۔

"لفظ طب اضداد میں سے ہے یعنی علاج کرنے کو بھی طب کہتے ہیں۔ جادو جو بیماری ہے اس کو بھی طب کہتے ہیں۔

قولہ : یُؤَخَّذُ

بفتح الواو مہموزہ و تشدید الخاء اور اس کے بعد ذال۔ یعنی جادو کیے گئے شخص کو اس کی بیوی سے دُور رکھا جاتے تاکہ اس سے ہم بستری نہ کرے۔ اُخذۃٌ جادوگر کے کلام کو کہتے ہیں۔

قولہ : لَا بَأْسَ بِہٖ

یعنی جادو کے علاج کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ جادو کیے گئے شخص کی اصلاح مراد ہے اور اصلاحی امور کی بجا آوری کے لیے اس قسم کے حفاظتی اقدامات کی ممانعت نہیں ہے یہ سعید بن المسیّبؒ کی رائے ہے جس سے ایسا نُشرہ مراد ہے جو جادو کی اقسام پر مبنی نہ ہو۔

قولہ : لَا یَحُلُّ السِّحْرَ اِلَّا سَاحِرٌ،

حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامع المسانید" میں

قال ابن القیم رحمہ اللہ : اَلنُّشْرَةُ حَلُّ السِّحْرِ عَنِ الْمَسْحُوْرِ ۔ وَ هِيَ نَوْعَانِ ۔

علامہ ابنِ قیمؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادو کیے گئے شخص سے جادو کو دور کرنا نُشرہ کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

نقل فرمایا ہے۔ جادو کو صرف جادوگر ہی دور کر سکتا ہے۔

قولہ : عَنِ الْحَسَنِ ،

حسن بن ابی الحسن یسار مراد ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے تھے انصاریوں کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔

اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ تھے اور ثقہ راویوں میں سے تھے۔ تابعین میں اونچے طبقہ کے امام شمار ہوتے تھے ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً نوّے برس تھی۔

قولہ : قَالَ ابْنُ الْقَیِّمِ :

جادو دور کرنے کے جواز میں جن احادیث کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ، لیث بن ابی سلیم سے روایت کرتے ہیں۔ لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ نسخہ تیر بہدف ملا ہے کہ مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر پانی والے برتن میں پھونک کر مریض کے سر پر ڈال دیا جائے۔ ان شاء اللہ فوراً صحت یاب ہو جائے گا۔ آیات یہ ہیں۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ (یونس - ۸۱-۸۲)	پھر جب انھوں نے اپنے آنچر پھینک دیے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ "یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے مفسدوں کے کام کو اللہ سدھرنے نہیں دیتا اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

احدها : حَلٌّ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ - وَ هُوَ الَّذِيْ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ وَ عَلَيْهِ يُحْمَلُ قَوْلُ الْحَسَنِ رحمہ اللہ فَيَتَقَرَّبُ النَّاشِرُ وَ الْمُنْتَشِرُ إِلَى الشَّيْطٰنِ بِمَا يُحِبُّ فَيُبْطِلُ عَمَلَهٗ عَنِ الْمَسْحُوْرِ -

پہلی یہ ہے کہ جادُو کو جادُو ہی سے دُور کیا جائے - یہ شیطانی عمل ہے جو ناجائز ہے۔

اِس کی صُورت یہ ہے کہ جادُو دُور کرنے والا اور جس پر جادُو کا وار کیا گیا ہے۔ دونوں ایسا فِعل کرتے ہیں جس سے شیطان کا قُرب حاصل ہو چنانچہ شیطان اپنا اثر دُور کر دیتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول کو اِسی پر محمُول کیا جائے گا۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(الاعراف - ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱)

اس طرح جو حق تھا وُہ حق ثابت ہُوا اور جو کچھ انھوں نے کر رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدانِ مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کے بجائے) اُلٹے ذلیل ہو گئے اور جادُوگروں کا حال یہ ہُوا گویا کسی چیز نے اندر سے انھیں سجدے میں گرا دیا بول اُٹھے کہ ہم ربّ العالمین پر ایمان لے آئے

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ

یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادُوگر کا فریب ہے اور جادُوگر کبھی کامیاب

والثاني: اَلنُّشْــرَةُ بِالرُّقْيَــةِ وَ التَّعَوُّذَاتِ وَ الْأَدْوِيَــةِ وَ الدَّعَوَاتِ الْمُبَـاحَةِ فَهٰذَا جَآئِزٌ

نُشرہ کی دُوسری قسم وُہ ہے جو جھاڑ پھونک، تعوّذ، ادویات اور جائز ادعیہ سے علاج کیا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے۔

اَتٰی ○ (طٰہٰ - ۶۹) نہیں ہو سکتا۔

ابن بطال نے کہا کہ وہب بن منبّہ کی کتاب میں ہے کہ

"بیری کے سات سبز اور تازہ پتّے لے کر ان کو دو پتھروں میں پیس کر پانی میں ڈال دو اور اس پانی پر آیۃ الکرسی اور چاروں قُل پڑھ کر دم کر دو اور پھر بیمار کو تین گھونٹ پلا دو اور باقی پانی سے وُہ غسل کرلے۔ یہ نسخہ بیمار کے لیے تیر بہدف ثابت ہوگا۔ جبکہ جادُو کے ذریعے مرد کو بیوی کی مجامعت سے روک دیا گیا ہو۔"

قولہٗ : الثانی : اَلنُّشْرَةُ بِالرُّقْيَةِ :

یہاں وُہ علاج مراد ہے جو جائز ہے۔ جن علمائے کرام نے نُشرہ کی اجازت دی ہے اسی دُوسری قسم کے علاج پہ ان کے کلام کو محمول کیا جائے گا۔

بحث کا خلاصہ یہ ہُوا کہ

○ جو علاج جادُو سے کیا جائے وہ تو حرام ہے۔

○ اور جو علاج قرآنی آیات، ادعیہ مسنونہ اور جائز ادویات سے کیا جائے، وہ جائز اور مباح ہے۔

واللہ اعلم

فیہ مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلنَّهْيُ عَنِ النُّشْرَةِ۔

① جادُو کا علاج جادُو سے کرنے کی ممانعت۔

الثانیۃ: أَلْفَرْقُ بَيْنَ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ وَالْمُرَخَّصِ فِيْهِ عَمَّا يُزِيْلُ الْإِشْكَالَ۔

② ممنوع علاج اور جس علاج کی رُخصت دی گئی ہے اِس میں فرق کی وضاحت جس سے شبہات دُور ہو جاتے ہیں۔

بابُ ما جاءَ فِی الطِّیَرِ

اِس باب میں شگون اور فال کے بارے میں شریعت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس کو کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے کا ذریعہ قرار دینے سے روکا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي التَّطَيُّرِ۔

قولہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۳۱)

درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ تعالیٰ کے پاس تھی، مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔

پرندے یا جانور وغیرہ سے فال لینے کو تطیّر کہتے ہیں۔ زیرِ نظر باب میں اس کی ممانعت پر بحث کی گئی ہے۔

تطیّر یتطیّر کا مصدر ہے "الطیرۃ" جو طاء کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کبھی یا ساکن بھی ہو جاتی ہے۔ تطیر سے طیرۃ، اسم مصدر ہے، جیسا کہ تخیر اور خیرۃ کہا جاتا ہے۔ مصادر میں یہ وزن صرف ان ہی دو جگہوں پر آتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کہیں نہیں آتا یعنی تطیر سے طیرۃ اور تخیر سے خیرۃ!

مشرکین عرب کی یہ عادت تھی کہ کسی کام کو شروع کرنے سے قبل پرندوں اور حیوانات کے اڑنے اور گزر جانے سے فال لیتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور اسے باطل قرار دیا اور اُمت کو بتایا کہ یہ حرکت نہ حصولِ نفع کے لیے مؤثر ثابت ہو سکتی ہے اور نہ دفعِ ضرر کے لیے۔

المدائنی کہتے ہیں کہ میں نے رؤبہ بن العجاج سے سوال کیا کہ السانح کسے کہتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا، پرندہ اگر دائیں جانب کو اُڑے تو اُسے السانح کہا جاتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ البارح کسے کہتے ہیں؟

بولے، پرندہ اگر بائیں جانب اُڑے تو اُسے البارح کہتے ہیں۔

اور جو سیدھا اُڑ جائے اُسے الناطح یا النطیح سے تعبیر کیا جاتا ہے

اور جو پرندہ پچھلی طرف کو اُڑے، اُسے القاعد یا القعید کہتے ہیں۔

تطیّر چونکہ ایک شیطانی اور شرکیہ عمل ہے جو توحید کے سراسر خلاف ہے اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کی تردید فرمائی ہے۔

قولہ : ؎ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ :

پوری آیت کریمہ یہ ہے۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف - ۱۳۱)	جب اچھا دور آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں اور جب بُرا دور آتا تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لیے فالِ بد ٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ کے پاس تھی مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔

مجاہدؒ وغیرہ کی تفسیر کے مطابق جب فرعون اور اس کی قوم کو صحت و عافیت اور کشادگی رزق کی نعمتیں کثرت سے میسّر آئیں تو خوشی سے پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے کہ ہم ہی اس کے صحیح اور حقیقی حقدار ہیں اور اس کے برعکس جب کبھی مصائب اور قحط سالی وغیرہ کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے تو فوراً اپنی اصل بے ہودگی پر اُتر آتے اور کہتے کہ یہ مصائب و آلام (حضرت) موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ماننے والوں کی وجہ سے نازل ہوئے ہیں۔

ان کی اس یاوہ گوئی کی تردید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

کہ یہ مصائب و آلام اور عذابِ خداوندی تمہارے ہی کفر، تکذیبِ آیاتِ الٰہی اور اُس کے رسُول کو جھٹلانے کی پاداش میں نازل ہوئے ہیں۔

قولہ : وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

یعنی ان کی اکثریت احمق اور جاہل ہے، وہ عقل اور غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ اگر ذرا بھی عقل و خرد سے کام لیں تو ان پر یہ بات عیاں ہو جائے کہ ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات میں تو سراسر خیر و برکت، سعادتِ دارین اور کامیابی ہی کامیابی ہے اور ان انعامات سے وہی شخص بہرہ مند ہو سکتا ہے جو سچے دل سے ایمان لائے اور ہمارے پیغمبر کی اطاعت کرے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (یس : ۲۱)

رسولوں نے جواب دیا "تمہاری فالِ بد تو تمہارے اپنے ساتھ لگی ہوئی ہے کیا یہ باتیں تم اِس لیے کرتے ہو کہ تمھیں نصیحت کی گئی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طائرھم ، کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا ان کے لیے فیصلہ کیا گیا اور جو چیز اُن کے لیے مقدر ہو چکی۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کی فال و شوم اللہ کے پاس ہے اور اسی کی طرف سے ہے یعنی ان کو جو شوم پہنچتی ہے، وہ ان کے کفر کی وجہ سے اور اس کی آیات اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کی بنا پر اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔

قولہ : قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَعَكُمْ :

معنی یہ ہے واللہ اعلم کہ جن مشکلات میں تم گھر گئے ہو اور جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ صرف تمہارے ہی بُرے کردار، کفریہ عقائد اور انبیاء و مرسلین کی مخالفت کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ ہماری وجہ سے نہیں۔ تمہاری شقاوت قلبی بغاوت سرکشی تمہارے سامنے آئی ہے کیونکہ باغی اور ظالم کی بدفالی خود اُس کے اپنے اندر موجود ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (القلم - ۳۵، ۳۶)

کیا ہم فرماں برداروں کا حال مجرموں کا سا کردیں ؟ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے۔ تم کیسے حکم لگاتے ہو ؟

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارا فالِ بد لینا تم پر ہی لوٹے گا یعنی تم نے جو فالِ بد لی ہے اس کا عذاب تم ہی پر نازل ہوگا۔ اسے بطور مثال یوں سمجھیے کہ جیسے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ

اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ اہلِ کتاب اگر تم کو سلام کہیں تو اُن کے

وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا عَدْوٰی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہے۔

اَلْکِتٰبِ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ[1] جواب میں صرف یہ کہا کرو کہ وعلیکم۔

مندرجہ بالا مفہوم ابن قیم رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔

قولہ: اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ:

مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو تمہاری خیر خواہی کی بنا پر تمہیں نصیحت کی تھی اور توحید پر کاربند رہنے کے لیے تم کو کہا تھا۔ لیکن تمہاری شومیٔ قسمت اور شقاوتِ قلبی کا یہ عالم ہے کہ تم نے اس قسم کے نازیبا الفاظ سے ہمیں جواب دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ تم بالکل حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ

"ہم نے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کی دعوت دی تھی۔ لیکن تم نے ہم سے فالِ بد لی"

ان آیات کا باب سے تعلق یہ ہے کہ تطیّر دورِ جاہلیت اور مشرکین کی رسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے ان کی مذمت کی ہے اور ان پر اظہارِ خفگی فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے اور اس کو شرک قرار دیا ہے۔

قولہ: لَا عَدْوٰی:

ابوالسعادات رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"جب ایک شخص دوسرے کی وجہ سے اسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اُسے عدوٰی سے تعبیر کرتے ہیں"

---

[1] صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، عن انس رضی اللہ عنہ۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ
کسی بیماری کے ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جانے کو عَدْوٰی کہتے ہیں،
اور جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بیماری میں یہ طاقت نہیں کہ وہ دوسرے میں سرایت
کر جائے یا بیماری کی طرف اس کی اضافت کی ممانعت کی گئی ہے پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔
صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ وہ لا عدوٰی
والی حدیث لوگوں کو سنایا کرتے تھے اور مرویاتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں سے ایک حدیث
یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَا يُوْرِدُ مُمْرِضٌ عَلٰی مُصِحٍّ	کسی بیمار کو تندرست کے پاس نہ لے جایا جائے۔

لیکن آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صرف لا یورد ممرض والی حدیث ہی
بیان کیا کرتے تھے لا عدوٰی والی حدیث بیان کرنا چھوڑ دی تھی۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے
اس کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے کہ میں نے تو کبھی لا عدوٰی والی حدیث بیان نہیں کی۔
حضرت ابو مسلمہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

فَلَا اَدْرِیْ أَنَسِیَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَوْ نَسَخَ اَحَدُ الْقَوْلَيْنِ الْاٰخَرَ	مجھے معلوم نہیں آیا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھول گئے ہیں یا ان دو قولوں میں سے ایک نے دوسرے کو منسوخ کر دیا ہے۔؟

لیکن لَا عدوٰی والی حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بیان کرتی چلی آرہی
ہے، جن میں مندرجہ ذیل جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم قابلِ ذکر ہیں۔
انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، سائب بن یزید اور عبداللہ بن عمرو وغیرہ رضوان اللہ علیہم
اِس حدیث کی بعض روایات میں مندرجہ ذیل ارشادِ نبوی ؐ بھی موجود ہے کہ

وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ	مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

زیرِ بحث حدیث کی تعبیر و تشریح میں علمائے اُمت کے مختلف اقوال ہیں۔ سب سے

صحیح تعبیر وہ ہے جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے کی ہے۔ ابن الصلاح، ابن قیم، ابن رجب اور ابن مفلح وغیرہ نے بھی امام بیہقی کی تائید کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ لاعدوٰی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"اہلِ جاہلیت کا یہ عقیدہ کہ کسی فعل کو بایں معنیٰ غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا کہ ان افعال اور ان امور کی فطرت اور خلقت میں یہ وصف پنہاں ہے کہ یہ ایک سے دوسرے شخص تک بذاتِ خود پہنچ جاتے ہیں، عدوٰی کہلاتا ہے۔ اس عقیدہ کی ممانعت کی گئی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات کسی مریض کے پاس کوئی صحت مند شخص چلا جائے تو مشیت ایزدی سے اس مخالطت کی بنا پر صحت مند شخص اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ — مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ

لَا يُوْرِدُ مُمْرِضٌ عَلٰى مُصِحٍّ — کسی بیمار کو تندرست کے پاس نہ لے جایا جائے۔

جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہو، اس جگہ کے متعلق فرمایا کہ

مَنْ سَمِعَ بِهٖ فِيْ اَرْضٍ فَلَا يَقْدَمْ عَلَيْهِ — اگر کسی علاقے کے بارے میں پتا چلے کہ وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہیں جانا چاہیے۔

اس قسم کے تمام امراض، تقدیر الٰہی سے پہنچتے ہیں فی نفسہ کوئی مرض متعدی نہیں ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے تین بار فرمایا کہ

لَا يُعْدِيْ شَيْءٌ قَالَهَا ثَلَاثًا — کوئی بیماری متعدی نہیں ہے۔

فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ النُّقْبَةَ مِنَ — ایک دیہاتی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خارش کی پھنسی پہلے پہل

الْجَرَبِ تَكُوْنُ بِمِشْفَرِ الْبَعِيْرِ اَوْ بِذَنَبِهٖ فِى الْاِبِلِ الْعَظِيْمَةِ فَتَجْرَبُ كُلُّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ اَجْرَبَ الْاَوَّلَ؟ لَا عَدْوٰى وَ لَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَ لَا صَفَرَ خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ وَكَتَبَ حَيَاتَهَا وَ مَصَائِبَهَا وَ رِزْقَهَا	اونٹ کے ہونٹ یا دُم پر ظاہر ہوتی ہے پھر اتنے بڑے سب کے سب اونٹ خارش کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے باندازِ سوال فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی تھی؟ نہ کوئی بیماری متعدی ہے، نہ کوئی بد فالی ہے، نہ اُلو کا بولنا ہے اور نہ ماہِ صفر کی تبدیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا فرما کر اُس کی زندگی، اُس کی مشکلات اور اُس کا رزق سب کچھ لکھ دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ اس قسم کی تمام مصائب و مشکلات صرف اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ صحت و عافیت کی زندگی بسر کرے اور ان اسباب و علل سے دامن کشاں رہے جن سے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔ جیسا کہ اسے حکم ہے کہ خواہ مخواہ آگ اور پانی میں نہ کود جائے۔ کیونکہ ان کی فطرت اور جبلت میں یہ اثر پایا جاتا ہے کہ وہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ مجذوم کے پاس جانے سے پرہیز کرے اور ایسے شہر میں جانے کی کوشش نہ کرے جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہو۔ کیونکہ وہاں جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دینے کے مترادف ہے اور اس بات کو قطعاً نہ بھولے کہ تمام اسباب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی دوسرے کی کوئی مجال اور طاقت نہیں کہ وہ کسی سبب کو سُود مند یا ضرر رساں بنا دے ہاں! البتہ جب توکل علی اللہ اور قضا و قدر پر ایمان مضبوط تر ہو جائے، اس قسم کے مریضوں کے پاس جانے میں انسان کے لرزش نہ پیدا ہو، اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین کمال کی حد تک پہنچا ہوا ہو اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ ہو چکی ہو کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، تو اس صورت میں بعض اوقات انسان اسباب پر حادی ہو جاتا ہے اور خصوصاً صاحب

وَ لَا طِيَرَةَ -

نہ فالِ بد کوئی چیز ہے -

کوئی خاص یا عام مصلحت ہو تو انسان کو ضرور جانا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کے اس عمل کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا جس میں آپؐ نے ایک مجذوم کو پکڑا اور اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ

كُلْ بِسْمِ اللهِ ثِقَةً بِاللهِ وَ تَوَكُّلاً عَلَيْهِ — اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اُس پر بھروسہ اور توکل کر کے کھانا شروع کرو۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ حدیث حضرت عمر، عبداللہ بن عمر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ جب کہ آپؓ نے زہرِ ہلاہل کے جام کو بسم اللہ پڑھ کر پی لیا اور اُس زہر نے رتی بھر بھی تکلیف نہ پہنچائی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص، اور ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہما کو دیکھیے کہ وہ اپنی فوج سمیت سمندر کی سطح پر ایسے چلے جا رہے ہیں جیسے خشکی پر محوِ سفر ہوں۔

قولہٗ : لَا طِيَرَةَ :

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی اور نہی دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ لیکن نفی کے معنی اپنے اندر زیادہ بلاغت رکھتے ہیں کیونکہ نفی، طیرۃ اور اس کی تاثیر دونوں کا بطلان کرتی ہے۔ اس کے برعکس نہی صرف ممانعت پر دال ہے۔ پوری حدیث یعنی لا عدوٰی ولا طیرۃ ولا ھامۃ سے بھی نفی مراد ہے۔ اس سے ان تمام امور کا بُطلان مقصود ہے، جو اہلِ جاہلیت قبل از بعثت نبوی کیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ معاویہؓ بن الحکم نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ

سے کہا کہ ہم میں سے چند افراد ایسے بھی ہیں جو بد فال لیتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ
یہ ویسے ہی اپنے دل میں وسوسا اور وہم پاتے ہیں اس کی وجہ سے وہ اپنے کام سے نہ رکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس قسم کا تشاؤم اور فال بد لینا انسان کے عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ فی نفسہ کسی پرندے وغیرہ کے اڑانے میں تطیر نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کا وہم، خوف کھانا اور اس کا شرک میں مبتلا ہو جانا اس کے دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو اس امر کی پوری تفصیل سے آگاہ فرمایا اور اس قسم کے تطیر وغیرہ نقصانات اور فساد فی الدین کی وضاحت بیان فرمائی تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی علامت نہیں بیان کی اور نہ اس قسم کے خوف وہراس کی کوئی وجہ جواز ہے۔ تاکہ لوگوں کے دل مطمئن رہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت راسخ ہو جائے اور آنحضرت ﷺ کی تعلیمات ان کے سینوں میں مستحکم اور مضبوط تر ہو جائیں۔ یہی وہ مقصودِ اعظم ہے جس کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی نازل فرمائیں اسی مقصدِ وحید کی خاطر زمین وآسمان کی تخلیق کی، جنت اور دوزخ کے لیے توحید کو میزان قرار دیا اور آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے دلوں سے شرک وبدعت کی جڑوں کو کاٹا تاکہ لوگ اہل جہنم کے سے عمل سے دامن کشاں رہیں۔

پس جو شخص توحید کی مضبوط رسّی کو تھام لے اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کو پختہ کرلے تو طیرہ وغیرہ کے دل میں جاگزین ہونے سے پہلے ہی اس کی جڑیں کٹ جائیں گی اور اس کے تمام تخیلاتِ باطلہ ختم ہو جائیں گے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ہمارے اوپر سے ایک پرندہ چیختا ہوا گزر گیا۔ ایک آدمی کہنے لگا۔

خَيْرٌ، خَيْرٌ
یعنی بھلائی ہے بھلائی ہے۔

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ دیکھو!

لَا خَیْرٌ وَّ لَا شَرٌّ — اس میں خیر ہے نہ شر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سُنتے ہی اس کی تردید اور ممانعت فرمائی کہ کہیں اس کے دل میں خیر و شر کی تاثیر کا عقیدہ نہ پیدا ہو جائے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ سفر کو چلے۔ راستے میں کسی مقام پر کوّا کائیں کائیں کرتا ہوا گذر گیا۔ یہ سُن کر حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا ساتھی بول اُٹھا کہ

خَیْرٌ — بھلائی ہو۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فوراً گویا ہوئے۔ اس کے اختیار میں کونسی بھلائی ہے؟ یہ کہا اور فرمانے لگے

لَا تَصْحَبْنِیْ — جاؤ میرے ساتھ سفر میں شریک نہ رہو۔

چند احادیث اس قسم کی موجود ہیں جن سے بعض علمائے نے فال لینے کا جواز پیش کیا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلشُّؤْمُ فِیْ ثَلَاثٍ فِی — تین چیزوں میں نحوست ہے

الْمَرْأَةِ وَالدَّآبَةِ وَالدَّارِ — (۱) عورت (۲) گھوڑے اور (۳) مکان میں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کا بہترین جواب دیا ہے، فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی میں شئوم وغیرہ کے اثبات کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو منحوس اور بعض کو مبارک پیدا کرتا ہے منحوس کے پاس جانے سے نحوست پیدا ہو جاتی ہے اور مُبارک اجسام والے افراد سے خیر و برکت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ جیسے کسی کے ہاں صالح لڑکا پیدا ہو تو گھر میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور اگر منحوس لڑکا ہو تو اس کے شر سے سارا گھرانا برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔

"لہٰذا اس حدیث میں عورت، گھر اور گھوڑے کی بھی یہی صورت ہے کسی

وَ لَا هَامَّةَ وَ لَا صَفَرَ۔ اخرجاہ

نہ اُلّو کا بولنا کوئی اثر رکھتا ہے اور نہ ہی صفر کچھ ہے۔

کو نیک بخت، منحوس اور صاحبِ خیر پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ دونوں صورتوں میں فقط اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف اسباب و نتائج پیدا کرتا ہے۔ جیسے کستوری سے خوشبو آئے گی۔ جس سے انسان محظوظ ہوتا اور لذّت حاصل کرتا ہے اور گندگی سے بدبُو آئے گی جس سے ہر انسان کو نفرت ہے۔ ان دونوں قسموں میں فرق واضح ہے۔ یہی صورت مذکورہ حدیث کی ہے۔ پس مبارک و منحوس اشیاء اور تطیر میں فرق ہے۔ وہ ایک قسم ہے اور یہ دوسری قسم۔

قولہ: وَ لَا هَامَّةَ ،

فرّاز کے قول کے مطابق ھامۃ اُلّو کو کہتے ہیں۔

ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر اُلّو کسی کے مکان پر بیٹھ جاتا تو وہ اس کو نحوست سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے

نَعَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ اَوْ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ دَارِیْ	اب یا تو میری موت کا وقت آگیا ہے یا میرے گھر والوں میں سے کوئی مرنے والا ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرما دی۔

قولہ: وَ لَا صَفَرَ ،

ابو عبیدہ اپنی کتاب غریب الحدیث میں روبہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"انسان اور چوپائے کے پیٹ میں ایک سانپ نما کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اسے صفر کہتے ہیں"

عربوں کے ہاں اسے خارش وغیرہ سے بھی زیادہ متعدی بیماری سمجھا جاتا تھا۔

زاد مسلم : وَ لَا نَوْءَ وَ لَا غُوْلَ ۔

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نچھتر اور بھتنوں کا بھی کوئی وجود نہیں ہے

سفیان بن عیینہ، امام احمد رحمہ اللہ ابن جریر رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ زیرِ نظر جملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فاسد عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اور بعض دوسرے علمائے کے نزدیک ولاصفر سے ماہِ صفر مراد ہے کیونکہ مشرکین ماہ محرم کو حلال کرنے کے لیے اس کے بدلے میں ماہ صفر کو حرمت والا مہینہ بنالیا کرتے تھے جس کی تردید کی گئی ہے۔

امام ابوداؤد محمد بن راشد سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ

"اہلِ جاہلیت یعنی مشرکین ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں اُن کے اس عقیدہ اور قول کی تردید کی گئی ہے"

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کا قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ماہ صفر کو منحوس سمجھنا تطیر کی اقسام میں سے ہے۔ جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسی طرح مشرکین کا پورے ہفتے میں سے بدھ کے دن کو منحوس خیال کرنا اور ماہ شوال کو منحوس سمجھنا خصوصاً نکاح وغیرہ کے معاملے میں، سب غلط باتیں ہیں۔

قولہٗ : وَ لَا نَوْءَ :

اس لفظ پر مصنف رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ لہٰذا اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ایک الگ باب کی صورت میں آرہی ہے۔ اِنْ شَآءَ اللہ

قولہٗ : وَ لَا غُوْلَ :

بضم الغین۔ اس کی جمع اغوال اور غیلان ہے۔

ابوالسعادات رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"جنوں اور شیطانوں کی ایک قسم ہے، جو مشرکینِ عرب کے عقیدہ کے مطابق جنگلوں میں راہ چلتے لوگوں کو دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف شکلوں میں تبدیل

ہونا ان کا شیوہ ہے مشرکین کے بقول یہ مسافروں کو راہ سے بے راہ کر کے

ہلاک کر دیتے تھے "۔

آنحضرت ﷺ نے لَا غُوْلَ فرما کر مشرکین کے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔

سوال :۔

اِس حدیث میں غُوْل کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر

ارشاد فرمایا تھا کہ

اِذَا تَغَوَّلَتِ الْغِيْلَانُ فَبَادِرُوْا بِالْاَذَانِ [1] جب بھتنے پریشان کریں تو اذان کہو

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے دی جائے گی۔ ؟

جواب :۔

علمائے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

۱۔۔۔۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ آغازِ اسلام میں یہ بات درست تھی لیکن بعد میں اللہ تعالےٰ نے اس مصیبت کو ختم کر دیا۔

۲۔۔۔۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زیرِ نظر حدیث میں غُوْل کے وجود کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ مشرکین کے اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ ان کا فی نفسہٖ تصرفات میں کوئی دخل ہے۔

۳۔۔۔۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور اس کا اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کامل ہو۔ تو پھر یہ غُوْل وغیرہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔

اس مفہوم کی تائید ایک دوسری حدیث بھی کرتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

لَا غُوْلَ وَلٰكِنَّ السَّعَالِىْ سَحَرَةُ الْجِنِّ غیلان کا کوئی وجود نہیں۔ یہ جنوں میں سے جادوگر ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جنات میں بھی جادوگر موجود ہیں جو انسانوں میں مختلف خیالات پیدا

---

[1] الطبرانی فی الاوسط وسندہ ضعیف ملاحظہ ہو جامع الصغیر للسیوطی

ولهما عن انس رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَ یُعْجِبُنِی الْفَأْلُ۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بیماری متعدّی نہیں ہے اور نہ فالِ بَد کوئی چیز ہے اور مجھے فال پسند ہے۔

کرتے ہیں اور معاملات کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔

اس حدیث کا کہ

اِذَا تَغَوَّلَتِ الْغِیْلَانُ فَبَادِرُوْا بِالْاَذَانِ — جب بھتنے پریشان کریں تو اذان کہا کرو۔

بھی یہی مطلب ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کی شرارتوں سے اپنی حفاظت کرو۔

اس مفہوم کو سامنے رکھیے تو معلوم ہوگا کہ نفی سے مراد غُول کے وجود کی نفی نہیں ہے۔

غُول کے وجود پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی حجّت اور دلیل ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ لِیْ تَمْرٌ فِیْ سَهْوٍ فَكَانَتِ الْغُوْلُ تَجِیْءُ فَتَأْخُذُ — میں نے ایک طاقچہ میں کھجوریں بھر کر رکھی ہوئی تھیں کہ بھتنے یکے بعد دیگرے آتے اور کھجوریں اٹھا کر لے جاتے۔

قولہٗ : وَ یُعْجِبُنِی الْفَأْلُ :

ابوالسعادات رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

” فال خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں پر بولا جاتا ہے۔ البتہ طِیَرۃ تکلیف دہ حالت کے لیے خاص ہے۔ بعض اوقات خوشی کی حالت پر بھی

قَالُوْا وَ مَا الْفَأْلُ؟ قَالَ اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ فال کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں۔

اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کو اس لیے پسند فرمایا ہے کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فائدہ کی اُمید کریں گے اور کسی اچھے نتیجے کی توقع رکھیں گے تو ان کے حصول کے لیے خواہ سبب ہلکا پھلکا ہو یا بہت بڑا دونوں صورتوں میں خیر ہی ہوگی اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمیدیں اور آرزوئیں ختم کرلیں گے تو سوائے مصائب کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن تطیّر میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بدگمانی اور مصائب کی توقع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ تفاؤل کی صُورت یہ ہے کہ جب مریض کسی کو یہ کہتا ہوا سُنے کہ یا سالم! تو مریض کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب میں بہت جلد صحت یاب ہوجاؤں گا۔

یا کوئی شخص اپنی کسی گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہو اور وہ کسی کو یہ کہتا ہوا سُنے کہ یا واجد! تو اس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ میری چیز مجھے ضرور مل جائے گی۔

مندرجہ ذیل حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ
مَا الْفَأْلُ؟ قَالَ: اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ	فال کیا ہے۔؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں۔

قولہ، قَالُوْا وَمَا الْفَأْلُ؟ قَالَ، اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مجھے فال بہت اچھی لگتی

ہے جس سے ثابت ہوا کہ فال اور چیز ہے اور طیرہ جس کی ممانعت کی گئی ہے اور چیز ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"فال کو پسند کرنے یا اس سے خوش ہونے میں شرک کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بلکہ یہ انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ فطرت انسانی ہر اس چیز کو اچھا سمجھتی ہے جو اس کے ذوق کے مطابق ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کو دنیا میں دو چیزیں پسند ہیں ایک خوشبو اور دوسری عورت۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد کو محبوب گردانتے تھے۔ اسی طرح آپ کو اچھی آواز سے اذان اور تلاوتِ قرآن کریم کو سننا بہت محبوب تھا۔ آپ اچھے اخلاق اور عمدہ خصلتوں اور عادتوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر اچھی چیز کو اور جو اس کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہو اسے پسند فرماتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت اور فطرت میں یہ صفت ودیعت فرما دی ہے کہ وہ ہر اچھے نام کو چاہتا اور اس سے محبت کا خواہاں ہے۔ جس کی وجہ سے انسان طبعی طور پر ان کی طرف میلان رکھتا ہے۔ جیسے انسان کی طبیعت ہے، اسی طرح ان اشیاء کے ناموں میں بھی یہ تاثیر رکھ دی ہے جس سے انسان ان کا نام سنتے ہی خوشی اور مسرت محسوس کرنے لگتا ہے۔ جیسے

کامیابی وکامرانی، تندرستی اور سرخروئی اور مبارکبادی وغیرہ الفاظ سنتے ہی انسان کی طبیعت کھلکھلا اٹھتی ہے۔ دِل مضبوط ہو جاتا اور سینہ کھل جاتا ہے اور انسان کا جسم ایک تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔

لیکن مذکورہ اوصاف کے خلاف اگر کوئی چیز انسان کے کان میں پڑے تو غم اور خوف کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور انسان کا جسم ایک گھٹن سی محسوس کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ چیز دنیا میں مصائب ومشکلات کا پیش خیمہ بنتی ہے اور قوتِ ایمانی میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے بعض اوقات تو یہ چیز انسان کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔"

ولأبي داؤد بسند صحيح عن عقبة بن عامر قال : ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحْسَنُهَا الْفَأْلُ ۔

سُنن ابوداؤد میں صحیح سند سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس فالِ بد کا تذکرہ ہُوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اِس سے فال بہتر ہے۔

حلیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ نے فال کو اس لیے پسند فرمایا کہ نحوست بُری چیز تھی، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کے متعلق بغیر کسی سبب کے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ فال سے حسنِ ظن پیدا ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حسنِ ظن رکھے"

قولہٗ : عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ :

کتاب التوحید کے عام نسخوں میں یہ روایت عقبہ بن عامر ہی سے مروی ہے یہ درست نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت عروہ بن عامر سے منقول ہے۔ جیسا کہ مُسند امام احمد اور ابوداؤد وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت عروہ بن عامر مکۃ المکرمہ کے رہنے والے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ان کو قرشی اور بعض علماء نے جہنی لکھا ہے۔ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ماوردیؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے لیکن المزیؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ابن حبان نے عروہ بن عامر کو ثقات تابعین میں شمار کیا ہے۔

قولہٗ : اَحْسَنُهَا الْفَأْلُ :

فال کے بارے میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ فال کو پسند کرتے تھے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح روایت نقل کی ہے کہ

وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ : أَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنٰتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّأٰتِ إِلَّا أَنْتَ

اور یہ کسی مسلمان کو کسی مقصد سے باز نہیں رکھتی۔ تم میں سے کوئی شخص ناپسند چیز دیکھے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی بھلائی نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی دُور نہیں کرسکتا

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ یُحِبُّ اَنْ یَسْمَعَ یَا نَجِیْحُ، یَا رَاشِدُ

رسول اللہ ﷺ جب کسی مقصد کے لیے باہر تشریف لاتے تو آپؐ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ آپؐ یہ آواز سنیں۔ اے کامیاب اے بھلائی پانیوالے

سنن ابی داؤد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ لَا یَتَطَیَّرُ مِنْ شَیْءٍ وَکَانَ اِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَأَلَهٗ عَنِ اسْمِهٖ فَاِذَا اَعْجَبَهٗ فَرِحَ بِهٖ وَاِنْ کَرِهَ اسْمَهٗ رُئِیَ کَرَاهِیَةُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ (سندہ حسن)

رسول اکرم ﷺ کسی چیز سے فال نہیں لیتے تھے جب کسی شخص کو کسی خاص مہم پر روانہ کرتے تو اُس سے پوچھتے تمہارا نام کیا ہے؟ اگر نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور اگر اس کا نام اچھا نہ ہوتا تو آپؐ کے چہرے پر کراہت کے آثار نظر آنے لگتے۔

اس حدیث میں فال لینے کا ذکر اس کی صحت کو ثابت کرتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کو تطیر میں شمار کیا اور پھر فال کے بارے میں فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔ تطیر کی ممانعت فرمادی نیز فال اور تطیر میں جو فرق تھا اُس کی وضاحت بیان فرمائی۔ کیونکہ اِن دونوں میں فرق اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ فال نفع مند اور تطیر نقصان دہ ہے۔ دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکیہ الفاظ سے جھاڑ پھونک کرنے سے منع فرمایا اور اُس جھاڑ پھونک کی اجازت دے دی جس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں۔ کیونکہ قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کی رُو سے جھاڑ پھونک فوائد سے خالی نہیں ہے۔"

قولہ : وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا :

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافر طیرہ کی بنا پر اپنے کام سے رُک جاتا ہے لیکن مومن اپنے ارادے میں اس کی پروا نہیں کرتا۔

قولہ : اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ :

معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میرا یہ عقیدہ ہے کہ تطیر وغیرہ سے کوئی نعمت اور بھلائی حاصل نہیں ہوتی اور نہ کوئی مشکل دُور ہو سکتی ہے۔ بلکہ تو ہی ایسا مالک اور مربی ہے جس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ کسی کو بھلائی اور نعمت سے مالامال کرنا صرف تیرا ہی کام ہے اور کسی کی مشکلات کو دُور کرنا بھی صرف تیرے ہی اختیار میں ہے۔

ان دعائیہ جملوں میں الحسنات سے نعمت اور السیئات سے مصائب و مشکلات مراد ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ○	اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے۔ کہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان

وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ ۔

اور تیری مدد کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت، نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (النساء ۴: ۷۹)

کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے۔

پیشِ نظر دعا میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو تمام دنیا سے قطع تعلق کر کے صرف اللہ تعالیٰ سے جوڑ لے، کیونکہ نفع و ضرر دینا، یا کسی نعمت سے مالا مال کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' دوسرے لفظوں میں اِس کا اصل نام توحید ہے۔

جس شخص کے دِل میں تطیر وغیرہ کا کبھی احساس اور خیال پیدا ہو، تو یہ دعاء پڑھنا بہت ہی مناسب ہے۔ جس سے دِل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوگا اور شیطانی وساوس ھباء منثورا ہو جائیں گے۔ اس دعاء کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز میں بھلائی یا تکلیف پہنچانے کی طاقت نہیں ہے اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ نفع و ضرر پہنچانے میں کسی کو دخل ہے تو وہ احمق اور مشرک ہے

قولہ: وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ:

اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کامل رکھتے ہوئے اور تطیر وغیرہ سے جو لبسا اوقات مصائب و مشکلات میں گھر جانے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنا اور مدد چاہنا توحید کا اصل الاصول اور مغز ہے، جو اس دعائیہ جملہ میں پنہاں ہے۔ حقیقی توکل ہی وہ سب سے بڑا اور عظیم سبب ہے جس سے تمام بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

ایک حالت سے دُوسری حالت میں تبدیل ہونے کو الحول کہتے ہیں اور اس پر قوت صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی توفیق سے حاصل ہو سکتی ہے، تو اس جملہ میں (از خود) تبدیل کرنے کی سکت، (ذاتی) قوت اور اپنے ارادے (کی تنفیذ) سے بیزاری کا اظہار ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی امداد، قوت اور مشیتِ الٰہی کے

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعًا : اَلطِّیَرَةُ شِرْكٌ اَلطِّیَرَةُ شِرْكٌ -

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "الطیرۃ" کو دوبار شرک سے تعبیر فرمایا۔

بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں، یہی توحید ربوبیت کہلاتی ہے، جو توحید الوہیت کی دلیل ہے جس سے مراد ہر قسم کی عبادت کو صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا ہے، یہی توحید قصد اور ارادہ کہلاتی ہے اور اس کا بیان بحمد اللہ گزر چکا ہے۔
توحید ربوبیت اور توحید الوہیت پر مفصل بحث کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے

قولہ، عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ :
اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد میں "الطیرۃ شرک" تین بار کہنا منقول ہے۔
اس حدیث میں صاف الفاظ میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ الطیرۃ (بدفالی لینا) حرام اور شرک ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ سے دل کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔
ابن حمدان اور امام احمد کے بعض اصحاب کے ہاں الطّیَرَۃ مکروہ ہے۔
ابن مفلح رحمہ اللہ ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے اسے شرک قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو چیز شرک ہو، اسے مکروہ کہنا خواہ اصطلاحًا ہی ہو، قرین صحت کیوں کر ہو سکتا ہے؟
شرح السنن میں ہے کہ
الطِّیَرَۃ کو شرک اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ نفع اور تکلیف پہنچاتا ہے۔
اور یہ عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ سے شرک کرنے کے مترادف ہے۔

وَ مَا مِنَّا إِلاَّ وَ لٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ۔

رواه ابو داؤد، والترمذی وصححه وَ جَعَلَ أٰخِرَهُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

اور ہم میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے بتقاضائے بشریّت ایسا وہم نہ گزرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اِس کو دفع کرتا ہے۔

اِسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کر کے صحیح کہا اور آخری جملہ یعنی "وَمَا مِنَّا اِلاَّ وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ" کو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔

قولہ: وَمَا مِنَّا اِلاَّ :

ابوالقاسم اصبہانی اور علامہ المنذری فرماتے ہیں کہ زیرِ نظر حدیث کے جملے میں عبارت محذوف ہے۔ پُوری عبارت یہ ہے۔

وَمَا مِنَّا اِلاَّ وَقَدْ وَقَعَ اس سلسلے میں ہم میں سے ہر شخص

فِيْ قَلْبِهٖ شَيْئٌ مِنْ ذٰلِكَ کے دل میں خدشات پیدا ہوتے ہیں

علامہ الخلخالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرف اِلاَّ کے بعد مستثنیٰ کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ مکروہ حالت کو متضمن تھا اور لطافت کلام کی بنا پر اس قسم کے جملوں کو حذف کرنا بہترین ادب ہے۔

قولہ: وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ :

جب ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقینِ کامل کر لیا کہ نفع دینے والا اور مصائب کو رفع کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو ہمارے اس توکل اور یقین کی وجہ سے تطیّر وغیرہ کی نحوستیں از خود ہی ختم ہو کر رہ گئیں۔

وَ لِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ أَشْرَكَ قَالُوْا فَمَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ ؟

مُسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو فالِ بد اپنے کام سے روک دے اس نے شرک کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اس کا کفارہ کیا ہے؟

قولہ: وَجَعَلَ اٰخِرَهٗ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ :

امام ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے آخری جملہ یعنی مَامِنَّا الا سے بالتوکل تک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول سمجھنا زیادہ صحیح ہے کیونکہ الطیرۃ شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

قولہ: وَ لِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَمْرٍو :

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے اور اس سند میں ابن لہیعہ کے علاوہ سب راوی ثقہ ہیں۔

عبداللہ بن عمرو کی کنیت ابو محمد تھی بعض علمائے ان کی کنیت ابو عبدالرحمان بیان کی ہے۔ یہ سابقین الاولین میں سے ہیں، زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے صحابہ سے ہیں، فقہاء عبادلہ میں سے ایک ہیں اور صحیح روایت کے مطابق ان کی وفات طائف میں ذی الحجہ ۶۵ ہجری کو حرہ کی راتوں میں ہوئی۔

قولہ: مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ أَشْرَكَ :

کسی چیز کو دیکھ کر یا سُن کر اس کو منحوس سمجھتے ہوئے اپنے کام یا سفر سے رک جانا شرک ہے۔ لہٰذا جو شخص ایسا خلافِ شریعت عمل کرے گا وہ مشرک ہوگا۔

اور اس لحاظ سے کہ ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد نہیں کیا بلکہ غیر اللہ پر اعتماد کر لیا ہے اس لیے اس کے اس فعل میں شیطان کا عمل دخل اور اس کا حصہ پایا جائے گا۔

قَالَ أَنْ تَقُوْلَ : اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَ لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ وَ لَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ ۔

آپؐ نے فرمایا اِس کا کفارہ یہ دُعا ہے : "اے اللہ! تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں اور تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں اور تیرے سوا کوئی معبُود نہیں"

قولہ : فَمَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ ؟

جب کسی شخص کے دِل میں اس قسم کے تطیرا ور تشاؤم کا خیال پیدا ہو، وہ فوراً مذکورہ دعا پڑھ لے اور دِل میں جو وسوسہ نمایاں ہوا تھا اس سے اپنے دِل کو صاف کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس معمولی وسوسے کو معاف کر دے گا۔ کیوں کہ اس دعا کے پڑھنے سے اللہ پر توکل اور اعتماد پیدا ہو گیا ہے اور غیر اللہ سے اعراض کی فضا بحال ہو گئی ہے ۔

یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ جو شخص الطیرہ وغیرہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہے تو اسے کسی قسم کا نقصان ہرگز نہ ہوگا اور نہ تکلیف پہنچے گی۔ ہاں! وہ شخص جس کا توکل علی اللہ خالص نہ ہو اور شیطانی وساوس کے مطابق عمل کرنے کا مرتکب ہو۔ اسے اس کی سزا ضرور ملے گی اور وہ اس مصیبت میں مبتلا ہوگا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے اعراض کا مرتکب ہوا ہے ہر قسم کی بھلائی اور خیر و برکت صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنی کمال مہربانی و لطف و کرم سے مصائب و مشکلات کو دُور فرماتا ہے۔ پس جو شخص کسی مصیبت اور مشکل میں گرفتار ہو جائے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مصیبت میرے اپنے کرتوت کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۗ (النساء - ۷۹)	(اے انسان!) تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے

وله من حديث الفضل ابن عباس رضی اللہ عنہما إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ أَوْ رَدَّكَ۔

مسند احمد میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدشگونی یہ ہے کہ وہ تجھے کسی کام میں لگا دے یا روک دے۔

قولہٗ وَلَهٗ مِنْ حَدِيْثِ الْفَضْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ:

یہ حدیث مسند امام احمد میں فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا فَبَرِحَ ظَبْيٌ فَمَالَ فِيْ شِقِّهٖ فَاحْتَضَنْتُهٗ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ تَطَيَّرْتُ فَقَالَ: إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ أَوْ رَدَّكَ	ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا تو دیکھا ایک ہرن نمودار ہوا اور ایک طرف کو دوڑا میں نے اسے گھیر لیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے اس سے شگون لیا ہے۔ آپ نے فرمایا شگون یہ ہوتا ہے کہ تجھے کسی کام پر چلائے یا روک دے

اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے، یعنی اس حدیث کے راوی مسلمہ اور فضل بن عباسؓ کے درمیان (انقطاع ہے) فضل رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔

ابن معین نے لکھا ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ واقعہ مرج الصفر کے دن شہید ہوئے، جو ۱۳ ہجری میں پیش آیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر صرف بائیس سال تھی۔

ابوداود کے قول کے مطابق حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ دمشق کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس وقت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درع پہنے ہوئے داد شجاعت دے رہے تھے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى قَوْلِهٖ " اَلَا إِنَّمَا طَآئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ " مَعَ قَوْلِهٖ " طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ "۔

① اللہ تعالیٰ کے قول " اَلَآ اِنَّمَا طَآئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ " اور " طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ " کا معنیٰ ذہن نشین کرنا۔

الثانیہ: نَفْيُ الْعَدْوٰى ۔

② مرض کے متعدی ہونے کی نفی۔

قولہ: اِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا اَمْضَاكَ اَوْ رَدَّكَ :

جب کوئی شخص تطیر کے بعد اس کے مطابق عمل کرے یعنی یا تو اپنے کام سے رک جائے یا اُس پر عمل شروع کر دے ، تو یہی وہ حدِ فاصل ہے جس کی آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، کیونکہ انسان تطیر پر اعتماد اور بھروسہ کر لیتا ہے۔

اور وہ فال جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے، اس میں بشارت کی شکل ہوتی ہے جس سے بندہ خوش تو ہو جاتا ہے لیکن اس پر اعتماد نہیں کرتا برخلاف اس کے کہ اسے دیکھ کر وہ حرکت میں آجائے یا کام سے رک جائے تو اس پر دل کا گونہ اعتماد سمجھا جائے گا۔ اس فرق کو غور سے دیکھو۔ واللہ اعلم

الثالثة: نَفْيُ الطِّيَرَةِ -

③ فالِ بد کی نفی۔

الرابعة: نَفْيُ الْهَامَّةِ -

④ اُلّو سے فالِ بد کی ممانعت۔

الخامسة: نَفْيُ الصَّفَرِ -

⑤ صفر کے عقیدہ کی تردید۔

السادسة: أَنَّ الْفَأْلَ لَيْسَ مِنْ ذٰلِكَ بَلْ مُسْتَحَبٌّ

⑥ فال کی ممانعت نہیں بلکہ یہ مستحب ہے۔

السابعة: تَفْسِيرُ الْفَأْلِ -

⑦ فال پر مفصّل بحث اور اس کے تمام پہلوؤں کی وضاحت۔

الثامنة: أَنَّ الْوَاقِعَ فِي الْقُلُوبِ مِنْ ذٰلِكَ مَعَ كَرَاهِيَتِهِ لَا يَضُرُّ بَلْ يُذْهِبُهُ اللهُ بِالتَّوَكُّلِ -

⑧ اگر فالِ بد کے وساوس دل میں پیدا ہو جائیں اور انسان ان کو ناپسند کرے تو یہ تکلیف دہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکّل اور اعتماد کی وجہ سے یہ وساوس ختم ہو جاتے ہیں۔

التاسعة: ذِكْرُ مَا يَقُوْلُ مَنْ وَجَدَهُ۔

⑨ جس شخص کے دِل میں اِس قسم کے وساوس پیدا ہو جائیں اُن کو رفع کرنے کی دُعا۔

العاشرة: أَلتَّصْرِيْحُ بِأَنَّ الطِّيَرَةَ شِرْكٌ۔

⑩ فالِ بد کے شرک ہونے کی تصریح۔

الحادية عشرة: تَفْسِيْرُ الطِّيَرَةِ الْمَذْمُوْمَةِ۔

⑪ قابلِ مذمّت تطیّر سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور پُوری تفصیل سے اِس کی نشاندہی کی گئی ہے۔
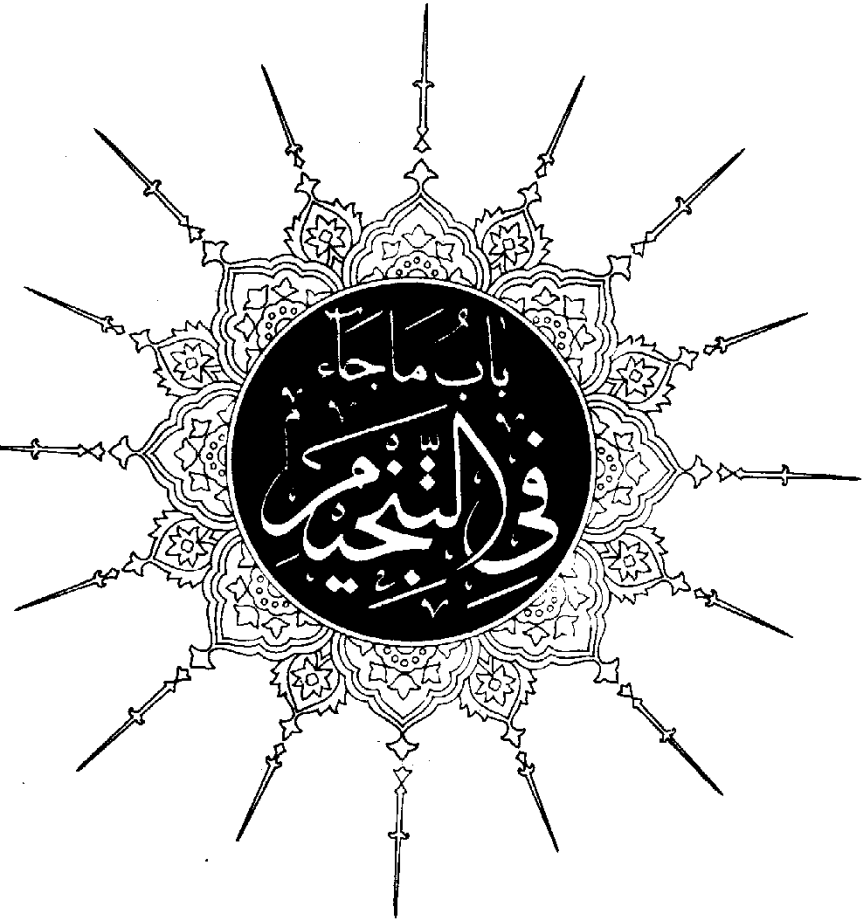
اِس باب میں
علمِ نجوم کے بارے میں شرعی احکام
کی وضاحت کی گئی ہے۔

قال البخاری رحمہ اللہ فی صحیحہ : قال قتادۃ : خَلَقَ اللّٰهُ هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن ستاروں کو تین چیزوں کیلئے پیدا فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"آسمانی سیاروں کی رفتار سے زمین کے حادثات و واقعات کی کھوج لگانے کو تنجیم کہتے ہیں۔"

الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"وہ علم نجوم جس کی کتاب و سُنّت میں ممانعت کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ نجومیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ آنے والے فلاں دن یا فلاں مہینے میں یہ حادثہ رونما ہوگا۔ یا اس قسم کی ہوا چلے گی، یا فلاں وقت بارش ہوگی یا فلاں چیز مہنگی ہو جائے گی، فلاں سستی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی پیش گوئی سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج میں داخل ہوتا ہے، یا فلاں فلاں ستارے جب جمع یا الگ ہو جاتے ہیں تو ان کی وجہ سے زمین پر اس قسم کے انقلابات و تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نجومیوں کا یہ دعویٰ حقیقت میں علم غیب کا دعویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔"

قولہ : قال البخاری فی صحیحہ :

اِس اثر کو عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن المنذر وغیرہ نے بھی نقل فرمایا ہے اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ کتاب النجوم میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا جَعَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثِ خِصَالٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِّلسَّمَآءِ	ستاروں میں اللہ کریم نے تین فائدے رکھے ہیں۔ (۱) آسمان کی زینت ہیں (۲) مسافروں کے لیے نشانِ راہ ہیں۔

وَجَعَلَهَا يُهْتَدٰى بِهَا	(۳) اور شیاطین کے لیے شعلوں کا
وَجَعَلَهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنِ	کام دیتے ہیں۔ جو شخص ان کے علاوہ
فَمَنْ تَعَاطٰى فِيْهَا غَيْرَ	کچھ اور سمجھے تو اس نے اپنی رائے سے
ذٰلِكَ فَقَدْ قَالَ بِرَأْيِهٖ	کام لیا جس میں خطا کھائی، اپنا دینی حصّہ
وَاَخْطَأَ حَظَّهٗ وَ اَضَاعَ	ضائع کر بیٹھا اور بلا علم تکلّف سے کام لیا اور
نَصِيْبَهٗ وَتَكَلَّفَ مَا لَا	بعض جاہل جو اللہ کے اوامر کو نہیں جانتے
عِلْمَ لَهٗ بِهٖ وَاِنَّ نَاسًا	انہوں نے ان ستاروں کے متعلق کاہنوں
جَهَلَةً بِاَمْرِ اللّٰهِ قَدْ	کی سی نئی نئی باتیں بنائیں جیسے یہ کہ جو
اَحْدَثُوْا فِيْ هٰذِهِ النُّجُوْمِ	شخص اِن اِن ستاروں کی گردش میں
كَهَانَةً : مَنْ اَعْرَسَ	شادی کرے گا اس کا سفر یوں ختم ہوگا
بِنَجْمِ كَذَا وَ كَذَا	وغیرہ وغیرہ۔ کوئی بھی ستارہ ہو اس میں
كَانَ كَذَا وَ كَذَا	سُرخ بھی پیدا ہوتے ہیں اور سیاہ بھی؛
وَمَنْ سَافَرَ بِنَجْمِ كَذَا	لمبے اور چھوٹے بھی خوبصورت اور بدصورت
وَكَذَا، كَانَ كَذَا	بھی؛ ان ستاروں اور چارپایوں اور
وَكَذَا، وَلَعَمْرِيْ : مَا مِنْ	پرندوں کو غیب کی چیزوں کا کیا علم ہو
نَجْمٍ اِلَّا يُوْلَدُ بِهِ الْاَحْمَرُ	سکتا ہے۔ اگر خدا کے سوا کسی کو غیب
وَالْاَسْوَدُ. وَالطَّوِيْلُ وَ	کا علم ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ
الْقَصِيْرُ، وَالْحَسَنُ وَالدَّمِيْمُ	حقدار حضرت آدم علیہ السلام تھے جن کو
وَمَا عِلْمُ هٰذِهِ النُّجُوْمِ وَ	
هٰذِهِ الدَّابَّةِ وَ هٰذَا	
الطَّائِرِ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا	
الْغَيْبِ وَلَوْ اَنَّ اَحَدًا	
عَلِمَ الْغَيْبَ لَعَلِمَهٗ اٰدَمُ	
الَّذِيْ خَلَقَهُ اللّٰهُ بِيَدِهٖ	اللہ کریم نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا،

وَاَسْجَدَ لَهٗ مَلآئِكَتَهٗ وَ — اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ہر
عَلَّمَهٗ اَسْمَآءَ كُلِّ شَيْءٍ — چیز کے نام بتلائے۔

غور فرمائیے، حضرات تابعین کرام کے دور میں جو منکرات و بدعات پیدا ہوگئی تھیں ان کی تردید کس انداز سے امام موصوف نے کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام نے تردید کا حق ادا کردیا ہے۔

مبتدعین کی بے ہودگیاں ہر زمانے میں اور خصوصاً تابعین کے بعد سے آج تک بڑھتی ہی چلی گئی ہیں، جنہوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ بعض مقامات میں کم ہیں اور بعض مقامات میں زیادہ۔ جو اللہ کا بندہ لوگوں کو ان سے روکتا ہے اور صحیح راستے کی نشان دہی کرتا اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

قولہ : خَلَقَ اللّٰهُ هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ :

اس جملے کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا — ہم نے تمہارے قریب کے آسمان
بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا — کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا
لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک - ۵) — ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ — اس نے زمین میں راستہ بتانے والی
يَهْتَدُوْنَ ○ (النحل - ۱۶) — علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے زیر نظر اثر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ستارے آسمان دنیا میں ہیں۔ جیسا کہ ابن مردویہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اَمَّا السَّمَآءُ الدُّنْيَا : — آسمان دنیا کو
فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَهَا مِنْ دُخَانٍ — اللہ تعالیٰ نے دھوئیں سے پیدا کیا

زِیْنَةً لِّلسَّمَآءِ وَ رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَعَلَامَاتٍ یُّھْتَدٰی بِھَا

آسمان کی زینت کے لیے، شیاطین کو مارنے کے لیے اور برّ و بحر میں راستے معلوم کرنے کے لیے۔

وَجَعَلَ فِیْھَا سِرَاجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا وَّزَیَّنَھَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلَھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیَاطِیْنِ وَ حِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطَانٍ رَّجِیْمٍ ○	اور اس میں سورج اور چاند کو روشن کیا اور اسے ستاروں سے مزیّن فرمایا جس سے شیاطین کو شعلے پڑتے ہیں اور شیاطین سے حفاظت ہوتی ہے۔

قولہٗ : وَعَلَامَاتٍ یُّھْتَدٰی بِھَا

یعنی ان ستاروں سے سمندروں اور جنگلوں میں مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کی جہت کا پتہ لگایا جاتا ہے جس سے مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الانعام - ۹۷)	اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لیے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو۔

یعنی ان سے اپنی منزلِ مقصود کا تعیّن کر لیتے ہو۔

اِس آیت سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ تم غیب کی باتیں معلوم کر لیتے ہو۔ جیسا کہ نجومیوں کا دعویٰ ہے۔ اس کی تردید اس سے پہلے بتفصیل گذر چکی ہے۔ نجومیوں کے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيهَا غَيْرَ ذٰلِكَ أَخْطَأَ وَأَضَاعَ نَصِيبَهُ وَكَلَّفَ مَا لَا عِلْمَ لَهُ بِهِ۔ (انتہی)

جو شخص اِس کے علاوہ کوئی اور مطلب لیتا ہے وہ خطا کار رہے۔ اُس نے اپنا حصہ شرعی ضائع کر دیا اور خود کو اِس تکلّف میں ڈال دیا، جس کا کوئی عِلم نہیں۔

جیسا کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيهَا غَيْرَ ذٰلِكَ۔ یعنی جو تین فوائد اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بیان فرما دیے ہیں، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اور مطلب نکالے گا تو وہ خطا کار ہوگا اور خیرِ کثیر سے محروم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ایسے کام میں مشغول اور مصروف کر لیا ہے جو سراسر نقصان دہ ہے اور فائدہ سے یکسر خالی۔

سوال: نجومیوں کی بعض باتیں درست ثابت ہوتی ہیں۔ اِس کی کیا وجہ ہے۔؟

جواب: نجومیوں کی بعض درست باتوں کی حیثیت وہی ہے جو کاہنوں کی ہے۔ یہ ایک بات درست کہتے ہیں اور سو جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کی درست بات کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ بربنائے علم درست ہے۔ بلکہ وہ اتفاقاً درست ثابت ہو جاتی ہے اس میں نجومی کا کوئی کمال نہیں ہے۔ پس جو شخص ان کو سچا سمجھتا ہے وہ آزمائش اور فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلَامَاتٍ ۚ (النحل – ۱۵)

اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں۔

وَكَرِهَ قَتَادَةُ تَعَلُّمَ مَنَازِلِ الْقَمَرِ وَلَمْ يُرَخِّصِ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيهِ:

ذکرہ حرب عنہما

چاند کی منزلیں جاننے کے علم کو سیکھنا حضرت قتادہ رحمۃ اللہ کے ہاں مکروہ ہے۔ ابنِ عیینہ رحمۃ اللہ نے اس کی بالکل اجازت نہیں دی۔

کے متعلق فرماتے ہیں کہ علامات کا لفظ پہلے کلام پر معطوف ہے۔ وہ کلام جس کو زمین کے متعلق بیان کیا ہے پھر زیادہ وضاحت کی اور آسمان کے بارے میں الگ فرمایا کہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ۔

علم نجوم اور نجومیوں کی تردید اور اُن کے بطلان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ارشادات موجود ہیں۔ جیسے

مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُومِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ[1]	جو شخص علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھ لیتا ہے گویا اُس نے جادو کا ایک حصہ سیکھ لیا جتنا زیادہ سیکھے گا اتنا ہی بڑا جادوگر ہو گا۔

رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي التَّصْدِيقَ بِالنُّجُومِ وَالتَّكْذِيبَ بِالْقَدَرِ وَحَيْفَ الْأَئِمَّةِ (رواہ عبد بن حمید)	میں اپنی اُمّت سے مندرجہ ذیل امور کے بارے میں شدید خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ (۱) نجوم کی تصدیق سے (۲) قضاء و قدر کی تکذیب سے اور (۳) حکام کے ظلم سے۔

[1] مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

ابو محجن رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ ثَلَاثًا	میں اپنی اُمت کے بارے میں تین
حَیْفَ الْاَئِمَّةِ	چیزوں سے خطرہ محسوس کر رہا ہوں
وَاِیْمَانًا بِالنُّجُوْمِ وَتَکْذِیْبًا	(۱) حکام کا ظلم (۲) نجوم پر ایمان۔
بِالْقَدْرِ۔ (رواہ ابن عساکر وحسنہ السیوطی)	(۳) اور قضا و قدر کی تکذیب۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ بَعْدِیْ	مجھے اپنے بعد اُمت کے بارے میں
خَصْلَتَیْنِ :	دو چیزوں کا خطرہ ہے۔
تَکْذِیْبًا بِالْقَدْرِ	(۱) قضا و قدر کی تکذیب کا اور
وَاِیْمَانًا بِالنُّجُوْمِ	(۲) نجوم پر ایمان کا۔

(مسند ابی یعلی، کامل ابن عدی و کتاب النجوم للخطیب وحسنہ السیوطی)

علم نجوم کی تردید میں متعدد احادیث ذکر کی گئی ہیں اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعیدی ارشادات ایک مسلمان کے لیے کافی ووافی ہیں۔

قولہ : وَکَرِہَ قَتَادَةُ تَعَلُّمَ مَنَازِلِ الْقَمَرِ

الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"وہ علم نجوم جس سے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد زوالِ شمس اور جہتِ قبلہ وغیرہ معلوم کی جاتی ہے اُس کا حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے۔

کیونکہ یہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس سے پتا چل جاتا ہے کہ جب تک سایہ کم ہوتا رہے گا تو سورج مشرقی کنارہ سے وسط آسمان کی طرف بڑھتا جائے گا اور جب سایہ زیادہ ہونے لگے گا تو وسط آسمان سے سورج مغربی کنارہ کی طرف گرنا شروع ہو جائے گا اور یہ ایک صحیح علم ہے جس کا ادراک مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس فن کے جاننے والوں نے ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں جن کی وجہ سے آدمی سورج کی رفتار کا ہر وقت معاینہ کرنے کا محتاج نہیں رہا۔

البتہ امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق بن ابراہیم راہویہ رحمہ اللہ نے اس کی تعلیم کی اجازت دی ہے۔

اور وہ جو ستاروں سے جہتِ قبلہ پر استدلال کیا جاتا ہے تو وہ ایسے ستارے ہیں جن کے مطالعہ سے ایسے اہلِ علم ائمہ نے قوانین وضع کیے ہیں جن کے دینی شغف اور معرفتِ اسلام میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے اور ہم ان کو اس معاملہ میں سچا سمجھتے ہیں۔ مثلاً کبھی ان ستاروں کو کعبہ میں کھڑے ہو کر مشاہدہ کیا اور کبھی کعبہ سے باہر تو ان کا ادراک ایک مشاہدہ کی خبر ہے اور ہمارا ادراک یہ ہے کہ ہم ان کی خبر کو قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ دینی لحاظ سے ہمارے نزدیک مشکوک نہیں ہیں اور نہ وہ اپنی معرفت میں کوتاہی کرنے والے تھے۔"

ابن المنذر حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ

"وہ چاند کی منزلوں کا علم سیکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔"

ابن المنذر نے ابراہیم کا یہ قول بھی روایت کیا ہے کہ "ان کے نزدیک وہ علم نجوم جس سے بر و بحر وغیرہ میں راستے اور دیگر ضروری چیزوں کا پتا چل سکے وہ ممنوع نہیں ہے۔"

ابن رجب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

جمہور علماء کے نزدیک وہ علم نجوم جس سے انسان اپنا سفر صحیح طور پر جاری رکھ سکے یا جس سے جہتِ قبلہ یا راستہ معلوم ہو سکے جائز اور مباح ہے۔ لیکن وہ علمِ نجوم جس سے ایک دوسرے پر اثر مرتب ہونا ثابت ہوگا، وہ خواہ کم ہو یا زیادہ حرام اور باطل ہے۔"

قولہٗ : ذَكَرَهٗ حَرْبٌ عَنْهُمَا :

اس سے امام و حافظ حرب بن اسماعیل الکرمانی رحمہ اللہ مراد ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے عظیم شاگردوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔

وعن ابی موسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثَۃٌ لَّا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ مُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ وَ قَاطِعُ الرَّحِمِ۔

(رواہ احمد' وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت میں داخل نہ ہوسکیں گے۔

۱۔ دائمی شراب خور، ۲۔ جادو کو سچّا ماننے والا، ۳۔ رشتہ کو ختم اور منقطع کرنے والا۔

انہوں نے امام احمد، اسحاق، علی بن المدینی اور ابن معین سے روایات نقل کی ہیں. ان کی مایۂ ناز تصنیف "کتاب المسائل" ہے جس میں وہ مسائل درج ہیں جو امام احمد سے پوچھے گئے تھے ۲۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

اسحاق کا پورا نام یہ ہے۔

اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابو ایوب الحنظلی النیسابوری۔ یہ ابن راہویہ کے لقب سے مشہور ہیں۔

اسحاق نے ابن المبارک، ابی اسامہ، ابن عیینہ اور ان کے طبقہ کے علماء سے روایات نقل کی ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" اسحاق ہمارے نزدیک مسلمانوں کے ائمہ میں سے ہیں "

امام احمد، امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم اور امام ابوداود وغیرہ رحمہم اللہ نے اسحاق رحمہ اللہ سے روایات نقل کی ہیں اور انھوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی بھی اختیار کی ہے، اس جلیل القدر امام نے ۲۳۹ھ میں وفات پائی۔

قولهٔ : وعن ابی موسٰی قال

اِس روایت کو طبرانی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے امام ذہبی نے بھی اس کی صحت کی تائید کی ہے قاطع الرحم کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ

وَمَنْ مَّاتَ وَهُوَ يُدْمِنُ الْخَمْرَ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ نَهْرِ الْغُوطَةِ نَهْرٌ يَجْرِيْ مِنْ فُرُوْجِ الْمُوْمِسَاتِ يُؤْذِيْ اَهْلَ النَّارِ رِيْحُ فُرُوْجِهِنَّ	جو شخص شراب پینے کی عادت پر اور بغیر توبہ کے مرا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نہر غوطہ سے پلائے گا۔ غوطہ وہ نہر ہے جس میں زانی عورتوں کی شرم گاہوں کی پیپ بہتی ہے۔ ان کی شرم گاہوں کی بدبُو سے اہلِ دوزخ بھی سخت ترین اذیت کا شکار ہوں گے۔

قولهٔ : عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى :

ان کا پورا نام یہ ہے۔

عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضّار، ان کی کنیت ابو موسٰی الاشعری ہے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے ۵۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

قولهٔ : ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

سلفِ اُمّت اس قسم کی وعیدوں کی تاویل کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ان کو جوں کا توں رہنے دیتے اور جو شخص تاویل کرتا، اس کے بارے میں کہا جاتا کہ اس نے گویا اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہی جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ بات بلا علم اور بربنائے جہالت کہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ وہ اعمال جو شرک و کفر سے کم درجے کے ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا سبب نہیں بنتے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تحت ہیں۔ اگر اللہ ان کی سزا دے تو انسان ان پر سزا کا مستوجب ہے اور اگر اللہ تعالیٰ معاف فرما دے تو یہ اس کا خاص فضل واحسان ہے اور اُس کی رحمت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔

قولهٔ : مُدْمِنُ الْخَمْرِ

شراب کا عادی۔ جو ہمیشہ شراب پیتا ہے۔

قولهٔ : قَاطِعُ الرَّحِمِ

قریبی رشتہ داری کو قطع کرنے والا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ (محمد - ۲۲)	اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں فساد برپا کرو اور آپس میں رشتوں کو توڑ ڈالو

قولہ : مُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ

ہر قسم کے جادو کی تصدیق کرنے والا۔ جس میں علم نجوم بھی داخل ہے جیسا کہ پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے۔

اور یہی لفظ باب سے مطابقت کرتا ہے جس کی وجہ سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے پوری حدیث نقل کی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کتاب الکبائر میں لکھتے ہیں کہ

" کیمیا گری کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بھی معصیت کبیرہ کے ذیل میں آتا ہے۔ اسی طرح بیوی کا اپنے خاوند کو اور خاوند کا بیوی کو کلماتِ مجہولہ سے تعویذِ محبت یا تعویذ بغض و عداوت دینا بھی کبیرہ گناہ میں داخل ہے اور بہت سے کبیرہ گناہ ایسے ہیں جن کی حرمت سے مخلوقِ خدا کی اکثریت بے خبر اور ناواقف ہے اور جن پر سخت وعید سنائی گئی اور زجر و توبیخ کی گئی ہے "

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولی أَلْحِكْمَةُ فِي خَلْقِ النُّجُومِ

① ستاروں کے پیدا کرنے میں کون کون سی حکمتیں پنہاں ہیں؟ اُن کا بیان۔

الثانیۃ أَلرَّدُّ عَلٰى مَنْ زَعَمَ غَيْرَ ذٰلِكَ

② جو حکمتیں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ تمام کی تردید۔

الثالثۃ ذِكْرُ الْخِلَافِ فِي تَعَلُّمِ الْمَنَازِلِ۔

③ منازلِ قمر کا علم حاصل کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف۔

الرابعۃ اَلْوَعِيْدُ فِيْمَنْ صَدَّقَ بِشَيْءٍ مِنَ السِّحْرِ وَ لَوْ عَرَفَ أَنَّهُ بَاطِلٌ۔

④ سحر کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اِس کی تصدیق کرنے پر وعید۔

باب ما جاء في الإستسقاء بالأنواء

اِس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اِس قسم کا عقیدہ رکھنا خلافِ شریعت ہے

قولہ تعالیٰ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الواقعہ - ۸۲)

اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو۔

اس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا خلافِ شرع ہے۔ چاند کی مختلف منزلوں کو انواء کہتے ہیں۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ نہایۃ میں فرماتے ہیں کہ

"چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور وہ ہر رات اپنے لیے اِن منزلوں میں سے ایک منزل تبدیل کرتا ہے۔"

چاند کی مختلف منزلوں کو قرآن کریم میں بھی ذکر کیا گیا ہے جیسے

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (یٰس - ۳۹) چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں

ہر تیرہ تاریخ کی رات کو طلوعِ فجر کے وقت مغرب میں چاند غروب ہو جاتا ہے اور اِس کے بالمقابل اسی وقت مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور اسی طرح پورا دَور ساری منزلوں میں ایک سال میں مکمل ہوتا ہے۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب چاند ایک منزل سے غروب کے بعد اس کے بالمقابل منزل سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت بارش ہوتی ہے اور اس بارش کو وہ اِس منزل کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہمیں فلاں منزل کے ترحم کی وجہ سے بارش ملی اور اس کا نام نوء رکھا گیا ہے کیونکہ جب چاند مغرب میں جا کر گرتا ہے تو وہ مشرقی مطلع سے دُور ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ناء الطالع بالمشرق یعنی مشرق سے طلوع ہوا۔ ناء کا معنیٰ ہے چڑھنا۔

قولہ: وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ

زیرِ نظر آیتِ کریمہ کی تشریح کے سلسلے میں ایک روایت امام احمد، امام ترمذی رحمہما اللہ (اس کو حسن بھی قرار دیتے ہیں) ابن جریر، ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نقل کرتے ہیں اور الضیاء بھی اپنی کتاب المختارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وعن ابي مالك الاشعري رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میری اُمت جاہلیت کے چار کام ترک نہیں کرے گی

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ يَقُوْلُ شُكْرَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ: تَقُوْلُوْنَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا بِنَجْمِ كَذَا وَكَذَا.	تم نے اس نعمت کا یہ شکر ادا کیا ہے کہ تم اسے جھٹلاتے رہو گے۔ یعنی بجائے شکر کرنے کے یہ کہتے رہو گے کہ اب بارش فلاں ستارے اور فلاں بُرج میں داخل ہونے سے ہوئی ہے۔

تمام تفسیروں میں سے مندرجہ بالا تفسیر صحیح ہے۔

حضرت علی، ابن عباس، قتادہ، ضحاک رضی اللہ عنہم اور عطا خراسانی وغیرہ رحمہم اللہ سے بھی مندرجہ بالا تفسیر ہی منقول ہے اور جمہور مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے بھی اسی وجہ سے اس آیت کریمہ کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس کی تشریح یوں بیان فرماتے ہیں کہ:-

"تم نے اپنا حصہ اس رزق (قرآن) سے، جس سے تمہاری زندگی قائم ہے، یہ بنا رکھا ہے کہ تم قرآن کریم کی تکذیب ہی کرتے رہو گے۔"

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"تم نے قرآن کریم میں سے اپنا حصہ صرف یہ حاصل کیا ہے کہ اس کی تکذیب ہی کرتا ہے"

امام حسن بصری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں

وَخَسِرَ عَبْدٌ لَا یَکُوْنُ حَظُّہٗ — وہ شخص بہت ہی گھاٹے میں ہے جس کا
مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا التَّکْذِیْبُ — قرآنِ کریم میں سوائے تکذیب کے کوئی حصّہ نہیں

قولہٗ : عن ابی مالک الاشعری

ابومالک رضی اللہ عنہ کا نام حارث بن حارث الشامی ہے۔ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ ان سے صرف ابوسلام ہی روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ابومالک الاشعری کے نام سے دو اور صحابی بھی موسوم ہیں۔

قولہٗ : اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ

مطلب یہ ہے کہ بعض افرادِ اُمت ان چار امُور پر، ان کی حُرمت کو جاننے کے باوجود یا لاعلمی کی وجہ سے عمل کرتے رہیں گے، حالانکہ یہ امُورِ جاہلیت اور اُن کی یاد انتہائی مذموم اور مکروہ ہے لیکن اس کے باوصف لوگ اس میں مبتلا رہیں گے۔

جاہلیت سے، قبل از نبوت کا زمانہ مراد ہے کیونکہ اُس وقت جہالت عام تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہو وہ جاہلیت ہی کی رسم ہے اس لیے کہ آپ نے اپنی نبوت سے پہلے کی بہت سی رسموں کی ممانعت فرمائی ہے۔ کون کون سے کام جاہلیت پر مبنی ہیں؟ یہ امور قرآن اور سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے مطالعے سے انسان پر منکشف ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل کتاب تصنیف[1] فرمائی ہے، جس میں ان تمام امُور کا مختصر طور سے بیان آگیا ہے جن کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کی ہے اور جن کا جاہلیت سے خاص تعلق ہے۔ ان امور کی تعداد تقریباً ایک سو بیس تک پہنچ گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جاہلیت کے بعض اعمال لوگ ترک نہیں کریں گے اور اس حدیث میں ان ہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امُورِ جاہلیت اور ان پر عمل کرنا شریعتِ اسلامیہ میں انتہائی مذموم، ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگر ناپسندیدہ نہ ہوتا تو ان اعمال کو جاہلیت کی طرف منسُوب کرنے کے کوئی معنٰی نہ تھے۔ ان امُور کو جاہلیت کی طرف منسُوب کرنا ہی ان کی ناپسندیدگی اور مذمت

---

[1] اس کتاب کا نام مسائل الجاہلیہ ہے۔

أَلْفَخْرُ بِالْأَحْسَابِ

خاندانی شرافت پر فخر کرنا۔

کی دلیل ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب - ۳۳)

اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔

اس آیت میں تبرج کی مذمت کی گئی ہے اور خصوصاً جاہلیت کی حالت کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اس میں دور جاہلیت کے لوگوں سے مشابہت کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔

قولہٗ : اَلْفَخْرُ بِالْاَحْسَابِ

یعنی اپنے آباؤ اجداد اور ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگوں پر اظہار فخر کرنا۔ یہ جہالت اور دیوانگی کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و شرف کے حصول کا تعلق صرف تقویٰ اور پرہیزگاری سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط (الحجرات - ۱۳)

درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۝ (السبا - ۳۷)

یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو، ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے عمل کی دوہری جزا ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَ الطَّعْنُ فِی الْأَنْسَابِ
وَ الْإِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ

اور نسب میں عیب اور نقص نکالنا۔

اور ستاروں سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ	اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حماقت اور
عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ فَخْرَهَا	آباء و اجداد کا فخر دُور کر دیا ہے اب یا تو
بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ	متقی مومن ہوگا یا فاجر و فاسق، سب لوگ
اَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ اَلنَّاسُ بَنُوْ اٰدَمَ	آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کی پیدائش مٹی سے
وَ اٰدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ لَيَدَعَنَّ	ہوئی۔ اب لوگوں کو قومی فخر و مباہات کو ترک
رِجَالٌ فَخْرَهُمْ بِاَقْوَامٍ اِنَّمَا هُمْ	کر دینا چاہیے کیونکہ وہ جہنم کے کوئلے بن چکے
فَحْمُ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ	یا پھر وہ اللہ کے نزدیک گندگی کے کیڑے
عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعْلَانِ	سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔

قولہٗ : وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ :

یعنی نسب میں عیب جوئی کرنا اور نقص نکالنا۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی والدہ کے نسب کے بارے میں عار دلائی۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور فرمایا

اَعَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ	تُو نے اُس کو اُس کی ماں کے بارے میں عار دلائی
جَاهِلِيَّةٌ (متفق علیہ)	ہے ابھی تمہارے اندر جاہلیت کی بُو موجود ہے

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حسب نسب میں عیب نکالنا بھی اعمالِ جاہلیت میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی مسلمان میں بھی ایسے اعمال، جن کا تعلق جاہلیت، یہودیت اور نصرانیت سے ہے، پائے جاتے

---

[1] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کہا کہ یا ابن سوداء یعنی اے کالی ماں کے بیٹے! آج ہر مسلمان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ اس نے اپنی زبان اور اپنے قلم کو کس طرح بے لگام چھوڑ رکھا ہے۔

ہیں، ان سے کوئی مسلمان کافر یا فاسق نہیں ہو جاتا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس قسم کی معمولی لغزش سے انسان کافر نہیں ہو جاتا۔

قولہٗ : وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ :

یعنی بارش برسنے کو مختلف ستاروں کی طرف منسوب کرنا۔

امام احمد اور ابن جریر رحمہم اللہ نے جابر السوائی سے ایک روایت نقل کی، جس میں جابر سوائی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ

اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ ثَلَاثًا	مجھے اپنی اُمت کے بارے میں تین چیزوں سے خطرہ ہے :-
(۱) اِسْتِسْقَاءٌ بِالنُّجُوْمِ	(۱) ستاروں کے ذریعے سے بارش طلب کرنا
(۲) وَحَيْفَ السُّلْطَانِ	(۲) بادشاہ کا ظلم اور
(۳) وَتَكْذِيْبًا بِالْقَدَرِ	(۳) قضاء قدر کی تکذیب

جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ "مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا اَوْ بِنَجْمِ كَذَا وَكَذَا" (یعنی ہمیں فلاں منزل یا فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ملی) تو وہ دو حال سے خالی نہیں۔

ایک یہ کہ کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ بارش برسنے میں ستاروں کو بہت بڑا دخل اور اثر حاصل ہے پس یہ عقیدہ کفر اور شرک کا ہے۔ قبل از بعثت مشرکین عرب کا یہی عقیدہ تھا جیسا کہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ میت یا غائب کو پکارنا قرین صحت ہے کیونکہ وہ نفع پہنچانے اور مصائب کے دور کرنے پر قادر ہیں۔ اس کو شریعت اسلامیہ نے شرک سے تعبیر کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہ چھوڑے اس کے ساتھ جنگ کی جائے اسی کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال - ۳۹)	اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

اس آیت میں فتنہ سے شرک مراد ہے۔

وَ النِّيَاحَةُ۔

وَ قَالَ : أَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَ دِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ (رواہ مسلم)

اور نوحہ کرنا،

پھر فرمایا۔ نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اُس کے بدن پر تارکول کا کرتہ اور خارش کی درع پہنائی جائے گی

دوسرے یہ کہ "مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا" کے کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی مؤثر اور بارش برسانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یُونہی بتائے عادت اور لوگوں کی دیکھا دیکھی اس نے یہ جملہ کہہ دیا۔

اس بارے میں صحیح موقف یہ ہے کہ مجازاً بھی بارش کو کسی ستارے کی طرف نسبت کرنا حرام ہے جیسا کہ ابنِ مفلح نے اپنی کتاب "الفروع" میں اس کی تصریح کی ہے کہ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا کہنا حرام ہے۔ اور صاحبِ "انصاف" نے اس کی حُرمت پر آخری فیصلہ دیا ہے۔ یعنی اگرچہ یہ مجازاً ہی کہا گیا ہو، مگر اس کی حُرمت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اس کی حُرمت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ کہنے والے نے ایک ایسے فعل کی نسبت ایسی مخلوق کی طرف کی ہے جس کو اس فعل پر قطعاً کوئی قدرت نہیں ہے بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے حُکم کے تابع اور مسخر ہے اور اسے نفع اور ضرر دینے پر ذرہ بھر بھی اختیار نہیں ہے۔ اس نسبت کو ہم شرکِ اصغر کہہ سکتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

قولہٗ : وَالنِّيَاحَةُ :

کسی کے فوت ہونے پر بَین کرنے کو النِّيَاحَة کہتے ہیں۔ کیونکہ بَین کرنے والا اللہ تعالےٰ

کی قضا و قدر پر ناراض ہوکر ہی تو بین کرے گا۔

بین کرنا صبر کے سراسر خلاف ہے اور شریعتِ اسلامیہ میں کبیرہ گناہ شمار ہوتا ہے، جس پر سخت وعید آئی ہے۔

اور اس کی تردید میں بہت سی حدیثیں کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

قولہ : وَالنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا :

حدیثِ نبوی ﷺ کے اِس جملے میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اگرچہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، توبہ کرنے سے ختم ہوجاتا ہے۔ اِس مسئلے پر تمام عُلمائے اُمّت کا اِتفاق ہے۔ اور اعمالِ صالحہ اور حسنات سے بھی بڑے بڑے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، نیز مصائب و مُشکلات میں اِبتلاء سے بھی انسان کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

اِسی طرح ایک مسلمان کے دُوسرے مسلمان کے لیے دعاء کرنے سے بھی گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی اجازت سے شفاعت کرنے سے بھی گناہ دُھل جاتے ہیں۔

خود اللہ تعالیٰ بھی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جبکہ انسان مُشرک نہ ہو، جیساکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ — اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اُس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ جان کنی کا وقت نہ آجائے۔ (مسند امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان)

قولہ : تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ :

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

"سربال، سرابیل کا واحد ہے یہ قمیص کے علاوہ دوسرے کپڑوں پر بھی بولا جاتا ہے"

یعنی ان کپڑوں کو گندھک سے لیپ دیا جائے گا اور وہ ان کے لیے قمیص کی طرح ہوجائے گا تاکہ ان کے جسموں پر آگ خوب بھڑکے اور اس کی بُو بدترین قسم کی ہو اور خارش کی وجہ سے ان کی تکلیف بہت سخت ہوجائے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قطرآن کا ترجمہ "پگھلا ہوا تانبہ" کیا ہے

ولهما عن زيد بن خالد رضی اللہ عنہ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى إِثْرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ۔

صحیحین میں حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ[1] میں ہمیں صبح کی نماز ایسی رات کو پڑھائی جس میں بارش ہوئی تھی۔

قوله : عن زيد بن خالد رضی اللہ عنہ

زید بن خالد رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں آپ ۸۵ سال کی عمر میں ۷۸ھ میں فوت ہوئے آپ کے سن وفات پر اور بھی اقوال ملتے ہیں

قوله : صَلّٰى لَنَا :

ای صلاٰبنا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ یہاں لام بمعنی باء استعمال ہوا ہے۔ حافظ نے کہا یہ اطلاق مجازی ہے ورنہ نماز تو اللہ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔

قوله : عَلٰى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ

اِثر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بعد میں آئے۔ سماء بمعنی بارش۔ بارش کو سماء اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ بھی بادلوں سے نیچے برستی ہے اور اس لیے بھی بارش کو سماء کہا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو اوپر اور بلند ہو اُسے سماء سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[1] حدیبیہ حدِ حرم کے اختتام پر ایک بستی کا نام ہے۔ حدیبیہ پرانا نام ہے۔ آج کل اسے شمیسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مکۃ المکرمۃ سے جدہ جاتے ہوئے تقریباً ۲۵ کیلومیٹر کے فاصلے پر لب سڑک واقع ہے۔ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان اِسی جگہ صلح ہوئی تھی جس کا نام صلح حدیبیہ پڑ گیا اور یہ صلح بعد میں فتح مبین ثابت ہوئی

(مترجم)

فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوْا: أَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔

آپ نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ کیا تمھیں پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔

قولہ : فَلَمَّا انْصَرَفَ :

یعنی نماز سے فارغ ہو کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے، جیسا کہ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ کا جملہ ظاہر کرتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں سلام پھیرنا مُراد ہے۔

قولہ : هَلْ تَدْرُوْنَ :

جملہ استفہامیہ ہے اور تنبیہ کے لیے استعمال ہوا ہے اور سنن نسائی میں یہ الفاظ ہیں۔

أَلَمْ تَسْمَعُوْا مَا قَالَ رَبُّكُمُ اللَّيْلَةَ ؟ آج رات جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا تم نے وہ نہیں سُنا؟

زیر بحث حدیث، احادیثِ قدسیہ میں سے ہے۔ اِس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ عالِم، امتحان کے لیے کوئی مسئلہ ساتھیوں پر پیش کر سکتا ہے

قولہ : أَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ :

اِس جملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حُسنِ ادب کی وہ مثال پائی جاتی ہے جو آج کل طلبہ میں مفقود ہے۔ ہر طالب علم کو چاہیے کہ جس بات کا علم نہ ہو اُسے کسی عالِم کے سپرد کر دے، خواہ مخواہ کا تکلف نہ کرے۔

قَالَ: قَالَ : أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَ كَافِرٌ۔

فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج صبح میرے بہت سے بندے مومن ہوگئے اور بہت سے کافر۔

پس جس نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اُس کی رحمت سے ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں سے اس نے کفر کیا۔

قولہ : اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ :

اضافت میں تمام لوگوں کو شامل کیا گیا ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں کی تقسیم بیان کرتے ہوئے ایمان اور کفر کو ذکر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے ۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ (التغابن - ۲)

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔

قولہ : مُؤْمِنٌ بِیْ وَ کَافِرٌ :

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارش کے متعلق جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ انواء کی وجہ سے اور ان کے اثر سے بارش ہوتی ہے تو یہ شخص کافر ہے کیونکہ وہ شرک فی الربوبیت کا مرتکب ہوا ہے اور ہر مشرک کافر ہوتا ہے اور جو شخص انواء وغیرہ کی تاثیر کا معتقد نہیں بلکہ اس نے رسماً یہ جملہ کہہ دیا ہے تو یہ شرکِ اصغر ہے ، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی ستارے

وَ أَمَّا مَنْ قَالَ : مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا۔ فَذَالِكَ كَافِرٌ بِی مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ۔

اور جس نے یہ کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے اُس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

میں کسی قسم کا کوئی بھی سبب بارش برسنے کا نہیں رکھا۔ یہ تو اس کا خاص فضل اور احسان ہے کہ جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور جب چاہتا ہے اُسے روک لیتا ہے۔

زیرِ بحث حدیث اِس بات پر واضح دلیل کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ افعال، جن کا تعلق صرف اللہ کی ذات سے ہے ان کو غیر اللہ کی طرف مجازاً بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

اور جن لوگوں نے "مومن بی" کی ب کو سببیت، اِستعانت یا مصاحبت کے لیے اِستعمال کر کے اس کے مختلف معانی اور مفہوم بیان کیے ہیں وہ سب غلط ہیں اور کتاب وسُنّت کی نصوص کے مخالف ہیں ہر وہ معنی جو منہی عنہ مفہوم ادا کرے گا وہ غلط اور لغو ہوگا۔

لہٰذا اِس جملہ کو مطلقاً نہیں استعمال کیا جاسکتا کیونکہ اس سے غلط معنی بھی نکالے جاسکتے ہیں۔ اِس پر صاحب "الفروع" اور صاحب "الانصاف" نے سیر حاصل بحث کر کے اِس کی حُرمت ثابت کی ہے۔ مزید تشریح کے لیے اصل کتاب کی طرف رجُوع کیا جاسکتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

فِيهِ التَّفَطُّنُ لِلْإِيمَانِ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ	اس مقام پر ایمان کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔

قولہ : فَأَمَّا مَنْ قَالَ : مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهِ :

فضل اور رحمت اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں اور اہلِ سنّت کا مسلک یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صفات اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہیں وہ صفات قائم بالذات ہیں، کسی غیر

کی محتاج نہیں، خواہ وہ صفات ذات سے تعلق رکھتی ہوں جیسے حیات، علم یا افعال سے، جیسے رحمت وغیرہ اس مسئلے کو خوب غور سے سمجھ لینا چاہیئے کیونکہ اس مسئلے میں بہت سے لوگوں نے لغزش کھائی اور گمراہ ہوئے ہیں۔

زیر نظر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کو صرف اسی کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور اسی ایک اللہ کی تعریف کرنی چاہیے۔ اہل توحید کا یہی شیوہ ہے کہ وہ فقط اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔

قولہ : مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا :
اس پر تفصیلی بحث سابق صفحات میں گزر چکی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے زیر عنوان لکھتے ہیں

فِيْهِ التَّفَطُّنُ لِلْكُفْرِ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ — اس مقام پر کفر کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔

مصنف رحمہ اللہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے، اسی لیے بعض علما نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، اگرچہ کہنے والے کا عقیدہ ستاروں میں تاثیر کا نہ ہو، اس کو کفران نعمت سے تعبیر کیا جائے گا کیونکہ نسبت غلط ہو گئی ہے۔

اس پر مزید بحث زیر آیت يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا کی تفسیر میں آئندہ صفحات میں آ رہی ہے، ان شاء اللہ۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی، زیر بحث حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"جب کوئی ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا اور اسی وقت کوئی دوسرا ستارہ مغرب میں غروب ہوتا دیکھ لیتے اور اتفاقاً اس وقت بارش برسنے لگتی یا ہوا چل پڑتی تو بعض لوگ یہ کہتے کہ چونکہ فلاں ستارہ غروب ہوا ہے اس لیے بارش ہوئی ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ فلاں ستارہ اب طلوع ہوا ہے اس لیے بارش ہوئی ہے اور مندرجہ بالا عبارت یعنی مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا کہتے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو ممنوع قرار دے دیا تاکہ کم فہم لوگ ان

ولهما من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ بمعناه وفيه قال بعضهم:

لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَ كَذَا۔

فَأَنْزَلَ اللهُ هٰذِهِ الْأٰيَاتِ۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ النُّجُومِ ۝

صحیحین میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اِسی طرح روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارا سچ ہوا۔اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

پس نہیں۔مَیں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی،

کے عقیدہ کے جال میں نہ پھنس جائیں اور یہ کہ ان سے مشابہت بھی ختم ہو جائے۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مشرک بھی اِس قسم کی باتوں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ان کے متعلق تفصیل سے مذکور ہے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ	اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ	سے پانی برسایا اور اِس کے ذریعہ سے مُردہ
الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا	پڑی ہوئی زمین کو جِلا اٹھایا تو وہ ضرور
لَيَقُولُنَّ اللهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ	کہیں گے "اللہ نے"۔کہو، الحمد للہ۔
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝	مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

(العنکبوت - ۶۳)

اِس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ بعض مُشرکین بھی یہ عقیدہ رکھتے اور اقرار کرتے تھے کہ بارش وغیرہ کا برسنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور بعض مُشرک ستاروں میں تاثیر کے قائل تھے۔

اور قرطبیؒ نے اپنی شرح میں یہ تصریح نہیں کی کہ تمام عربوں کا یہ عقیدہ تھا جس کا یہاں ذکر ہوا ہے اِس صورت میں اِس آیت کی بنا پر اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔

قولہ : و لهما من حديث ابن عباس بمعناه :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں وہ کہتے ہیں

مُطِرَ النَّاسُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَ مِنْهُمْ كَافِرٌ قَالُوْا هٰذِهٖ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَ كَذَا	ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے مقدس دور میں بارش ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج بعض افراد نے شکر ادا کیا ہے اور بعض نے کفر۔ شکر ادا کرنے والوں نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور کفر کرنے والوں نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے برسی ہے۔

قولہ : فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ

یہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہے۔ اپنی مخلوق میں سے جس کی اور جس پر قسم اٹھائے صحیح ہے۔ جوابِ قسم اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ، ہے۔ یہاں عبارت محذوف مانیں گے تو مطلب صاف ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی

لَيْسَ الْاَمْرُ كَمَا زَعَمْتُمْ فِي الْقُرْاٰنِ اِنَّهٗ سِحْرٌ اَوْ كَهَانَةٌ	تمہارا یہ سمجھنا کہ قرآن کریم میں جادو یا کہانت ہے، مبنی بر صحت نہیں ہے۔
بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ	بلکہ یہ تو قرآن کریم ہے۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ بعض اہل عرب نے یہ مفہوم ادا کیا ہے کہ :۔

" فَلَا یعنی جیسے تم خیال کرتے ہو اور کہتے ہو، وہ بات غلط ہے۔ بلکہ اُقْسِمُ یعنی میں مواقع نجوم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ...... "

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

" بمواقع النجوم سے نجوم القرآن مراد ہیں کیونکہ قرآن کریم بیک وقت سارے کا سارا لیلۃ القدر میں بلند ترین آسمان سے آسمان دنیا پر اُتارا گیا اور بعد میں وقتاً فوقتاً کئی سال میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا، یہ مطلب بیان کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

وَ إِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۙ
إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ

اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے، کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔

نے یہ آیت پڑھی کہ " فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ "
مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں
" مواقع النجوم سے ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہ مراد ہے۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے یہی مفہوم اختیار فرمایا ہے۔ اس معنی و مفہوم سے مقسم بہ اور مقسم علیہ یعنی قرآن کے درمیان مناسبت کیسے صحیح ہوگی؟ اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔
بر و بحر میں راستہ کو متعین کرنے کے لیے ستاروں کی تخلیق کی گئی اور ضلالت و گمراہی سے نجات حاصل کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی کا نزول فرمایا گیا۔ ستارے حسی ظلمات دور کرتے ہیں اور قرآنِ کریم معنوی لحاظ سے گمراہی میں ہدایت کا مینار ہے۔
تو اللہ تعالیٰ نے دونوں ہدایتوں کو جمع کر دیا اور پھر ستاروں میں ظاہری زینت ہے اور قرآن میں باطنی زینت ہے اور ستاروں سے شیطانوں پر شعلے برستے ہیں اور قرآن جنوں اور انسانوں میں سے شیاطین کو تباہ کرتا ہے۔ ستارے خدا کے ظاہری نشانات ہیں اور قرآن کی آیات سمعی اور قرات شدہ آیات ہیں اور پھر ستاروں کے غروب کے وقت اور مواقع میں عبرت ہے اور قرآنی آیات کے نزول کے وقت اور مواقع میں دلالت ہے۔
ان مناسبات کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

قولہ : وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ :
اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں
" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جو قسم کھائی ہے وہ بہت بڑی قسم ہے۔ کاش تم اس قسم کی عظمت اور وقعت کو سمجھ سکو۔"

ایک محفوظ کتاب میں ثبت ۔

قولہٗ : وَاِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ

یہ جملہ مقسم علیہ ہے ۔ یعنی قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ، اُس کا نازل کردہ اور اُس کا کلام ہے ۔ یہ بہت ہی عظیم کتاب ہے اور اس میں خیر و برکت کے خزانے پنہاں ہیں ۔ اہلِ کفر اور مشرکین کی یہ بات بالکل غلط اور لغو ہے کہ یہ جادو ، کہانت اور شعر و شاعری کا مجموعہ ہے ۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی وہ صفت بیان کی جو قرآن کے حُسن ، خیرِ کثیر ، منفعت بخشی اور اس کی عظمت و بزرگی پر دال ہے ، کیونکہ کریم وُہی ہو سکتا ہے جس میں خوبصورتی ، خیرِ کثیر اور بے شمار منافع ہوں ۔ قرآنِ کریم تمام حسین اشیاء سے احسن ہے ، سب افضل چیزوں سے افضل ترین ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات ، اپنے کلام (قرآنِ کریم) اور اپنے عرشِ عظیم کو کریم کی صفت سے متصف فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اُس چیز کو جس میں خیرِ کثیر ہو اور جس کا منظر خوبصورت ہو جیسے نباتات وغیرہ لفظِ کریم کی صفت سے بیان کرتا ہے ، اِسی لیے بعض سلفِ اُمت نے الکریم کو الحسن سے تعبیر فرمایا ہے ۔"

الازہری کا کہنا ہے کہ :۔

" لفظ "الکریم" ایسا جامع اسم ہے جس پر کسی کی تعریف کی جائے اور اللہ تعالیٰ کریم ہے اس کے تمام افعال جمیل ہیں اور قرآنِ کریم بھی تعریف کے قابل ہے کیونکہ اِس میں ہدایت ، بیان ، علم اور حکمت ہے ۔"

قولہٗ : فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ :

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

" مکنون بہت بڑی محفوظ ، مؤقر کتاب ہے ، ہر قسم کی تحریفات سے منزّہ ہے ۔"

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ

جسے مطہّرین کے سوا کوئی چھُو نہیں سکتا۔

" کتابِ مکنون کے متعلق مفسّرین کی آرا مختلف ہیں۔بعض مفسّرین نے لوحِ محفوظ لکھّا ہے۔ یہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اِس سے وہ کتاب مراد ہے جو ملائکہ کے ہاتھوں میں ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ (عبس - ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶) — یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مُکرّم ہیں، بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں، معزّز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔

اِن آیات سے بھی معلوم ہوا کہ اس سے وہ کتاب مراد ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں رہتی ہے اور لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وُہی کتاب ہے جسے فرشتے اپنے پاک اور مطہّر ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔"

قولہٗ : لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ :

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

" یہاں وہ کتاب مراد ہے جو آسمان میں ہے۔"

ایک روایت میں مُطَهَّرُوْنَ سے فرشتے مراد ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف پاک لوگ ہی اس کتاب کو ہاتھ لگا سکیں گے البتہ دنیا میں مجوسی اور منافق بھی جو سراسر نجس ہیں ہاتھ لگاتے ہیں۔"

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قول کو اکثر اہلِ علم اور خصوصاً امام ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پسند فرمایا ہے۔

ابنِ زید رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ

" قریشِ مکّہ نے کہا کہ یہ قرآن شیاطین کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی اِس لغو بات کا جواب دیا کہ" لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

یہ ربُّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔

الْمُطَهَّرُوْنَ ○ اس قول کی تشریح خود قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ○ (الشعراء۔ ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲)

اِس (کتابِ مبین) کو شیاطین لے کر نہیں اُترے ہیں، نہ یہ کام ان کو سجتا ہے اور نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں۔ وہ تو اس کی سماعت تک سے دُور رکھے گئے ہیں

ابنِ زیدؒ کے معنی کی تحسین کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"یہ قول بہت ہی عمدہ ہے اور دل کے لیے باعثِ اطمینان ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

"لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ کے معنی یہ ہیں کہ قرآنِ کریم کی حلاوت اور مٹھاس وہی شخص محسوس کرسکتا ہے جو ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو۔"

علّامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ اس کی تشریح و تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

"یہ آیتِ کریمہ اس بات کی غمّازی کرتی ہے کہ قرأتِ قرآن، فہمِ قرآن اور تدبّرِ قرآن سے وہی شخص فائدہ اٹھاسکتا اور لذت حاصل کرسکتا ہے جو یہ سمجھے کہ قرآنِ کریم، کلام اللہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً تکلّم و نطق فرمایا اور بذریعہ وحی اپنے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے اور قرآن کے رموز و معانی کی تہ تک وہی شخص پہنچ سکتا ہے جس کے دِل میں کسی قسم کا کوئی کینہ یا بُغض و عناد نہ ہو۔"

بعض مفسّرین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جنبی، بے وضو اور ناپاک آدمی قرآنِ کریم کو ہاتھ نہ لگائے یہاں جملہ خبریہ لایا گیا ہے لیکن مقصد طلب ہے یعنی ہاتھ نہ لگائیں اور وَاِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ سے مصحف مُراد ہے اور بطورِ دلیل وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو مؤطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا تھا جِس میں ایک یہ حکم بھی تھا کہ

اَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا پاک شخص کے علاوہ کوئی شخص قرآن کریم

کو ہاتھ نہ لگاتے۔

قولہ : تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"یہ قرآنِ کریم اللہ ربُّ العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے اور مشرکین کا یہ کہنا کہ "یہ جادو، کہانت اور شعر و شاعری کا مجموعہ ہے" لغو اور بے بنیاد ہے، بلکہ یہ قرآنِ کریم ایسی سچی کتاب ہے جو شک و شبہ سے بالکل بالا ہے، اس کے مقابلے میں کوئی سچی کتاب نہیں جس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل کیا جا سکے۔"

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآنِ کریم وہ کلام اللہ ہے جس کا نُطق اللہ نے فرمایا ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"قرآنِ کریم کا کلام اللہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اس سے نُطق کرنا مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے۔

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ (السجدہ - ۱۳) مگر میری وہ بات پوری ہو گئی جو میں نے کہی تھی۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (النحل - ۱۰۲) ان سے کہو کہ اسے تو رُوح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے۔

ان آیات سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بلند اور اوپر ہے کیونکہ ہر سمجھدار اور عقلِ سلیم رکھنے والا شخص یہ سمجھتا ہے کہ نزول اوپر سے نیچے کی طرف آنے کو کہا جاتا ہے۔

اور قرآنِ کریم کی یہ آیت کہ "وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ" مندرجہ بالا آیت کے معارض اور مخالف نہیں ہے کیونکہ انعام کو اتارنے والا آسمان سے اوپر عرش پر مستوی ہے اور اسی کے حکم سے یہ اشیاء نازل ہوئی ہیں۔"

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے نزول کی اضافت اپنی ربوبیت کی طرف فرمائی ہے جو اس بات کی واضح اور بیّن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کا واحد مالک ہے اور جب اور

جیسا تصرف چاہے کرتا ہے۔ اس کا حکم نافذ ہے اور اس کے احسانات و انعام مخلوق پر بے پناہ ہیں اور وہ جو اپنی ہر مخلوق پر اپنے احسانات کر رہا ہے، اس کی ربوبیت کے خلاف ہے کہ وہ ان کو بے کار پیدا کرے اور ان کو بے مقصد اور عبث چھوڑ دے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ نہ ان کو حکم کرے، نہ کسی چیز سے روکے نہ اچھے عمل پر اجر دے اور نہ کسی بُرے عمل پر سزا دے۔

پس جو شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ربُّ العالمین ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر نازل کردہ سمجھے اللہ تعالیٰ کے ربُّ العالمین ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی رسالت حق ہے۔ آپؐ کی رسالت پر مندرجہ بالا اِستدلال معجزات و خوارق سے اِستدلال کی نسبت زیادہ قوی اور عمدہ و مضبوط ہے۔ اگرچہ کم فہم عوام کے اذہان میں معجزات سے استدلال کرنا زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور مندرجہ بالا اِستدلال صرف خواص و عقلاء کے لیے ہے۔"

قولہٗ : اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

مُدھنون کے معنیٰ مجاہدؒ یہ کرتے ہیں کہ

"کیا تم قرآن کریم میں نرم رویہ اختیار کر کے اہلِ باطل کی طرف جھکنا چاہتے ہو؟"

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی تشریح میں علامہ ابنِ قیمؒ رقمطراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے اہلِ باطل کی بے جا مداہنت پر مذمت کی ہے اور انھیں ڈانٹ پلائی ہے کہ وہ ایسی چیز پر مداہنت کرتے ہیں جس کا حق یہ ہے کہ اُسے بآوازِ بلند کہا جائے اور اُس کی تشہیر کی جائے۔

یہ قرآن کریم ایسا ہے کہ:

اور اِس نعمت میں اپنا حصّہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اِسے جھٹلاتے ہو۔

○ اِس کو مضبوطی سے تھام لیا جائے،
○ اس پر گرفت مضبُوط رکھی جائے،
○ دِل اِسی کا عقیدہ رکھے اور اسی پر قائم رہے،
○ صلح و جنگ کا مدار یہی ہو،
○ اِسے چھوڑ کر دائیں بائیں نہ دیکھا جائے،
○ قلب اِس کے سوا کسی اور کی طرف متوجّہ نہ ہو،
○ اِسی پر فیصلہ ہو،
○ اسی کے لیے جھگڑا ہو،
○ بلند مطالب حاصل کرنے کے لیے اِسی سے روشنی حاصل کی جائے،
○ اسی سے شفا طلب کی جائے،
○ یہ قرآنِ کریم موجودات کے لیے بحیثیت رُوح کے ہے،
○ جہان کی زندگی اِسی سے ہے،
○ مدارِ سعادت یہی ہے،
○ فلاح کا راہنما ہے،
○ نجات کا راستہ ہے،
○ بھلائی کی شمع ہے اور
○ آنکھوں کا نُور ہے۔

جس کی یہ کیفیت ہو، اِس میں مداہنت کیسے گوارا ہو سکتی ہے؟ اور نہ ہی یہ مداہنت کے لیے اُترا ہے، یہ تو حق کے لیے اور حق کے ساتھ اُترا ہے۔ مداہنت مضبُوط

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْوَاقِعَة

(۱) سورۂ واقعہ کی آیت کی تفسیر بیان کرنا۔

الثانیۃ: ذِكْرُ الْأَرْبَعِ الَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ۔

(۲) اُن چار اُمور کا ذکر جو جاہلیّت کی رسُوم سے تعبیر ہیں۔

الثالثۃ: ذِكْرُ الْكُفْرِ فِي بَعْضِهَا

(۳) ان چار اعمال میں سے بعض کا کفر ہونا۔

الرابعۃ: إِنَّ مِنَ الْكُفْرِ مَا لَا يُخْرِجُ مِنَ الْمِلَّةِ۔

(۴) بعض کفر ایسا بھی ہے جو انسان کو ملّتِ اسلامی سے خارج نہیں کرتا۔

باطل میں ممکن ہوتی ہے جس کا ازالہ ممکن نہ ہو یا حق اِتنا کمزور ہو جسے قائم نہ رکھا جا سکتا ہو اِس صورت میں مداہنت کرنے والا محتاج ہوتا ہے کہ کچھ حِصّے کو چھوڑ دے اور کچھ باطل کو قبول کرلے اور وہ حق جس کے ساتھ سارے حق قائم ہوں، اِس میں مداہنت کیسے کی جاسکتی ہے؟"

قولہٗ: وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ

اس پر تفصیلی بحث اِسی باب کے شروع میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

02000

الخامسة قوله (أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَ كَافِرٌ) بِسَبَبِ نُزُولِ النِّعْمَةِ

⑤ انعام و اکرام کے نزول کی وجہ سے بعض اوقات انسان کا کافر ہونا۔

السادسة أَلتَّفَطُّنُ لِلْإِيمَانِ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ ۔

⑥ اس مقام پر ایمان کی حقیقت کو سمجھنا۔

السابعة أَلتَّفَطُّنُ لِلْكُفْرِ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ ۔

⑦ اس مقام پر کفر کی حقیقت کو سمجھنا۔

الثامنة أَلتَّفَطُّنُ لِقَوْلِهِ (لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَ كَذَا)

⑧ اس بات کو سمجھنا کہ فلاں ستارے کی تاثیر صحیح ثابت ہوئی۔

التاسعة إِخْرَاجُ الْعَالِمِ لِلْمُتَعَلِّمِ الْمَسْأَلَةَ بِالْإِسْتِفْهَامِ عَنْهَا لِقَوْلِهِ ۔ أَتَدْرُونَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟

⑨ طالب علم کو بات ذہن نشین کرانے کے لیے اُستاد کا سوالیہ جملہ استعمال کرنا، جیسے آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا تھا کہ "هل تدرون ماذا قال ربّكم؟" یعنی کیا تمھیں معلوم ہے تمھارے ربّ نے کیا ارشاد فرمایا؟

العاشرة وَعِيدُ النَّائِحَةِ۔

⑩ بَین کرنے والی کو سخت ڈانٹ پلانا۔

باب

قولہ اللہ تعالیٰ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کی محبت اسلام کی بنیاد ہے

اِسی محور کے گرد اسلام کی چکی گھومتی ہے۔ جس شخص کا اسلام مکمل ہوگا اس کی اللہ سے محبت بھی کامل ہوگی اور جس کا اسلام ناقص ہوگا اُس کی محبت بھی ناقص ہوگی لہٰذا اِسی مناسبت سے مصنف رحمہ اللہ نے اللہ کی محبت کے متعلق باب قائم کیا ہے اور اِس باب میں اِسی موضوع پر بحث ہوگی ان شاء اللہ

قولہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط (البقرۃ : ۱۶۵)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّمقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کیساتھ گرویدگی ہونی چاہیے

قولہ : وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ مدارج السالکین میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

" جو شخص غیر اللہ سے ایسی والہانہ محبت رکھے جیسی کہ اللہ سے کی جاتی ہے تو گویا اس نے اس غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دے لیا۔ یہ معبود محبت میں ہوگا نہ کہ تخلیق اور ربوبیت میں۔ کیونکہ لوگ ربوبیت اور تخلیق میں غیر اللہ کو معبود نہیں بناتے بلکہ محبت میں بناتے ہیں۔ اس لیے کہ اکثر لوگوں نے غیر اللہ سے ایسی محبت قائم کر رکھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و توقیر سے تجاوز کر گئے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ — ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس آیت کے معنی میں علماء کے دو قول نقل کیے گئے ہیں :۔

۱ ــــــ جو لوگ مومن ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت، ان مشرکین کی اپنے معبودانِ باطل کی محبت اور عظمت سے کہیں زیادہ ہے۔"

ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مطلب مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں

" ان پر فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کے برابر مانتے ہیں، ایمانداروں کی اللہ سے محبت ان کافروں کی اپنے بتوں کی محبت سے کہیں زیادہ ہے۔"

پھر اس کے بعد ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ

"ان مشرکوں کے شریک، ان کے وہ معبودانِ باطل ہیں جن کی وہ اللہ کے ساتھ پرستش کرتے ہیں، وہ اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے ایماندار اللہ سے محبت رکھتے ہیں، لیکن ایمانداروں کی اللہ سے محبت بہرحال کفار کی، اپنے معبودوں کی محبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔"

۲۔۔۔۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت زیادہ قوی ہے مشرکین کی اُس محبت سے جو وُہ اپنے معبودانِ باطل سے کرتے ہیں کیونکہ مُومنین کی محبت خالص اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور مشرکین کی محبت کئی مقامات میں بٹی ہوئی ہے، ایک اللہ سے اور دوسری معبودانِ باطل سے۔ خالص اور صرف اللہ سے محبت بہرصورت مُشترکہ محبت سے قوی تر اور افضل ہے۔

مندرجہ بالا دونوں معنےٰ آیت " يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ " سے ماخوذ ہیں کیونکہ اس میں بھی دو قول ہیں؛

۱۔۔۔۔ پہلا یہ کہ مُشرکین اپنے باطل معبُودوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُشرکین بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے لیکن اس محبت میں انہوں نے اپنے معبودوں کو شریک بنا رکھا تھا۔

۲۔۔۔۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ مُشرک اپنے باطل معبُودوں سے اِسی طرح محبت کرتے ہیں جیسے مُومنین اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرما دی ہے کہ مُومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت اس محبت سے کہیں زیادہ قوی اور پختہ ہے جو مُشرکین کی اپنے باطل معبُودوں سے ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے مُشرکین کی مذمت اِس لیے فرمائی ہے کہ انہوں نے محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے باطل معبُودوں کو شریک بنا رکھا ہے کیونکہ انہوں نے مُومنین کی طرح خالص اللہ سے محبت نہیں کی۔ مُشرکین کی محبت میں اللہ اور معبودانِ باطل سے برابری کا ذکر مشرکین کے اپنے قول سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کیونکہ مُشرکین اور اُن کے باطل معبُود جب اکٹھے دوزخ میں جمع ہوں گے تو مُشرک اپنے معبُودوں سے کہیں گے کہ :-

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ	خدا کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ	تم کو ربّ العلمین کی برابری کا درجہ دیتے رہے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الشعراء۔ ۹۸-۹۷) تھے۔

یہ بات واضح اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مشرکین نے ربوبیّت[1] اور خلقِ اشیاء میں اپنے معبُودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر ہرگز نہیں سمجھا تھا بلکہ وہ صرف محبت اور عظمت میں برابری کے قائل تھے اور یہی وہ برابری ہے جس کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۚ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ○ (الانعام ۔ ۱)	سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں۔

یعنی مشرکین نے اپنے معبُودوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عظمت میں شریک ٹھہرایا اور دونوں کو برابر کا درجہ دیا۔"

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۔ ۳۱)	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہدو "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت کریمہ کو آیۃ المحبۃ بھی کہتے ہیں۔

بعض سلفِ اُمّت سے منقول ہے کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

اس آیتِ کریمہ میں محبت کا معیار اور پھر محبت کے فوائد اور ثمرات کا بھی ذکر ہے۔ اللہ سے محبت کی سب سے بڑی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپؐ کے طریق زندگی کو مشعلِ راہ بنالے۔

---

[1] مشرکینِ مکہ شرک فی الالوہیت میں گرفتار تھے البتہ شرک فی الربوبیّت سے کسی حد تک بچے ہوئے تھے ـــ لیکن افسوس کہ آج کا مشرک شرک فی الالوہیت میں تو گرفتار تھا ہی، اب شرک فی الربوبیت میں بھی پھنسا ہوا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ فوت شدہ افراد کو دُنیوی معاملات میں تصرف حاصل ہے۔ العیاذ باللہ (مترجم)

اور پھر اس کا عظیم فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ پس جب انسان آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اس کو حاصل نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ	اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي	سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے
اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ	لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ	گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ	نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔ جو اللہ کی راہ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ	میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے
لَآئِمٍ ؕ (المائدۃ - ۵۴)	کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی چار علامتیں بیان کی گئی ہیں:۔

۱ــــ پہلی یہ کہ وہ آپس میں انتہائی شفیق اور رحم دل ہوتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔

عطا رحمۃ اللہ علیہ مومن کی خصلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

"اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا شخص مؤمنین کے لیے ایسا نرم ہوتا ہے جیسے بیٹا باپ کے سامنے یا غلام اپنے آقا کے سامنے اور کافروں کے لیے ایسا سخت ہوتا ہے جیسے شیر اپنے شکار پر۔ قرآن کریم میں ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

۳ــــ تیسری[1] علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے نفس، اپنے ہاتھ، اپنی زبان اور اپنے مال سے جہاد کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہی وہ علامت ہے جس سے اصل محبت کا پتا چلتا ہے۔

۴ــــ ان کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں کسی کی ملامت اور مخالفت سے نہیں گھبراتے۔ سچی محبت کی یہ سب سے بڑی علامت ہے۔

محبت کا دعویٰ کرنے والا اگر اپنے محبوب کی محبت میں کسی سے خوف اور ملامت کا ڈر یا خطرہ محسوس کرے تو وہ حقیقی مُحب کہلانے کا مستحق نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

---

[1] دوسری علامت مذکور نہیں۔ غالباً عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اکتفا کیا گیا ہے جس میں دو علامتیں مذکور ہیں

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط	جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اُس کی رحمت کے اُمیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں۔
(بنی اسرائیل - ۵۷)	

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں۔

۱۔ اَلْحُبّ :۔ محبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبوب کا قرب کسی نہ کسی صورت میں حاصل ہو جائے۔

۲۔ التوسّل :۔ یعنی اعمالِ صالحہ کرکے محبوب تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ الرّجاء والخوف :۔ یہ دونوں وصف اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کا وسیلہ اُمید، رحمت اور خوفِ عذاب سے ایک زائد عمل ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اُسی کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے محبت اور دلی لگاؤ ہو۔ محبوب کا قرب اس کی ذات کی محبت کے تابع ہے۔ فی نفسہٖ محبوب کا قرب کوئی معنےٰ نہیں رکھتا۔ یہ محبوب تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے فرقہ جہمیہ اور معطلہ کے ہاں اِن سب امور کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ اللہ کسی کے قریب آتا ہے اور نہ کسی اُس کے قریب کوئی جا سکتا ہے۔ اُس کی ذات سے نہ کوئی محبت کرتا ہے اور نہ وہ کسی سے محبت کرتا ہے۔ ان دونوں فرقوں نے

- دلوں کی حیات اور زندگی کا اِنکار کیا
- رُوح کی نعمتوں اور اُس کی آسائشوں کو ناقابلِ فہم سمجھا۔
- نفوس کی تروتازگی سے انحراف کیا۔
- آنکھوں کی ٹھنڈک سے محرومی کے قائل ہوئے۔
- دنیا و آخرت کی اعلیٰ نعمتوں کی تردید کی۔

یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے اُن کے دل سخت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان معرفت اور محبت کے حصول کی راہ میں بہت سے پردے حائل کر دیئے گئے۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی ہے کہ

- یہ لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں،

○ نہ محبت کے لیے قدم بڑھاتے ہیں،

○ بلکہ وُہ ان لوگوں کو سزائیں دیتے ہیں جو اللہ کے اسماؑ وصفات اور اس کی جلالتِ شان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور ان پر ایسی بیماریوں کی تہمت لگاتے ہیں جن کے وہ خود زیادہ مستحق ہیں۔

○ اور صاحبِ بصیرت اور زندہ دِل لوگوں کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے کلام میں سختی اور ناخوشی اور نفرت محسوس کرتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ انھیں اللہ کی محبت اور معرفت اور توحید سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:-

"محبت کی اس سے زیادہ واضح تعریف اور کوئی نہیں ہوسکتی اور حدُود (تعریفوں) سے اس کی ذات کی پوشیدگی اور بڑھ جاتی ہے اور اس کی تعریف خود اس کا اپنا وجود ہے اور محبت کی صفت اِس سے زیادہ واضح اور کوئی نہیں کہ "محبت محبت ہے"۔ اور لوگوں نے جو اِس پر یہ گفتگو کی ہے تو وُہ اس کے اسباب و موجبات اور علامات و شواہد اور ثمرات و احکام پر گفتگو کی ہے۔ محبت کی تعریف میں جو جامع بات کہی گئی وہ وہ ہے جس کو ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے"۔

ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"ایک دفعہ موسم حج میں مختلف ممالک سے علما اور شیوخ مکہ مکرمہ میں جمع تھے کہ محبتِ الٰہی کا مسئلہ چھڑ گیا۔ اس اجتماع میں سب سے کم عمر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ علماء نے پوچھا کہ آپ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے عُلمائے کرام کی یہ فرمائش سُن کر دم بخود رہ گئے اور چند منٹ کے لیے سَر جھکا دیا۔ پھر سر اٹھایا تو آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح بہہ رہے تھے اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ

عَبْدٌ ذَاهِبٌ عَنْ نَفْسِهٖ	بندہ اپنے آپ سے بے خود ہو۔
مُتَّصِلٌ بِذِكْرِ رَبِّهٖ	اپنے ربِ کریم کے ذکر میں مصروف ہو
قَائِمٌ بِاَدَاءِ حُقُوْقِهٖ	اُس کے حقوق کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول ہو
نَاظِرٌ اِلَيْهِ بِقَلْبِهٖ	دلی توجہ سے اس کی طرف نظر جمائے ہوئے ہو
اَحْرَقَ قَلْبَهٗ اَنْوَارُ هَيْبَتِهٖ	ربِّ کریم کے ڈر اور خوف کے نُور نے اس کے دِل کو جلا دیا ہو۔

وَصَفَا شَرَابُهُ مِنْ كَأْسِ مَوَدَّتِهٖ — اور اللہ کی محبّت کے پیالے سے خالص مشروب پیتا ہو

وَانْكَشَفَ لَهُ الْحَيَاءُ مِنْ اَسْتَارِ غَيْبِهٖ — اور اُس کے غیب کے پردوں سے اس کے لیے حیا واضح ہو جائے

فَاِنْ تَكَلَّمَ فَبِاللّٰهِ — اگر وہ بولتا ہے تو اللہ کی [illegible]

وَاِنْ نَطَقَ فَعَنِ اللّٰهِ — بات کرتا ہے تو اللہ کی

وَاِنْ تَحَرَّكَ فَبِاَمْرِ اللّٰهِ — حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے

وَاِنْ سَكَنَ فَمَعَ اللّٰهِ — سکون میں آتا ہے تو اللہ کی وجہ سے

فَهُوَ لِلّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمَعَ اللّٰهِ — پس یہ بندۂ ناچیز اللہ کے لیے، اللہ کے ساتھ اور اللہ ہی کی معیّت میں ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے مندرجہ بالا کلام نکل رہا تھا اور تمام علمائے کرام پر سناٹا چھایا ہُوا تھا اور سب علمائے کرام زار و قطار رو رہے تھے۔ جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہُوئے تو سب نے کہا کہ اے تاج العارفین! آپ نے اِس پر مزید گفتگو کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ یہ کہا اور مجلس برخاست ہو گئی۔"

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ محبتِ الٰہی پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ کی محبت دس امُور سے پیدا ہوتی ہے:۔

۱ــــ قرآنِ کریم کی اِس طرح تلاوت کرنا کہ ہر لفظ کے معانی، مفہوم اور اُس کے تقاضوں پر غور و فکر اور تدبر کیا جائے۔

۲ــــ فرضی نماز کے بعد نوافل کی کثرت، تاکہ اللہ کا قُرب حاصل ہو سکے۔

۳ــــ دل، زبان، عمل اور حال سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ جتنا ذکر کثرت سے ہوگا اتنی ہی محبّت تیز ہوگی۔

۴ــــ جب انسان پر شہوات کا غلبہ ہو تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی محبوب اشیاء کو اپنی محبوب اشیاء پر فوقیت دے۔

۵ــــ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کے مشاہدات پر غور و فکر اور مطالعہ کرنا اور

قولہ تعالیٰ قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ وَ إِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا۔

اے نبیؐ! کہہ دو کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں۔

اس کی معرفت کے باغوں اور میدانوں میں سیر کرنا۔

۶ــــ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی اِنعامات اور اِحسانات کا مشاہدہ کرنا۔

۷ــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دِل کو اِنتہائی اِنکساری کی حالت میں پیش کیے رکھنا۔

۸ــــ جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا میں نزول[1] فرماتا ہے، اِس وقت اپنے آپ کو بالکل یکسو اور علیحدہ رکھنا اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا اور تلاوت ختم کرے تو توبہ اور اِستغفار پر اختتام کرنا

۹ــــ اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں کی مجالس میں بیٹھنا اور ان کی اچھی گفتگو کے ثمرات سمیٹنا اور اس وقت گفتگو کرنا جب اس کی مصلحت راجح ہو اور تجھے معلوم ہو جائے کہ اِس سے تیرے حال میں اضافہ اور دوسروں کی بھلائی ہے۔

۱۰ــــ ان تمام اسباب و ذرائع سے اجتناب اور دُوری اِختیار کرنا جن کی وجہ سے اِنسان کے دِل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بُعد پیدا ہو۔

---

[1] یہ وہ وقت ہے جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر چکا ہوتا ہے۔

أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۴﴾ (التوبة : ۲۴)

تم کو اللہ اور اُس کے رسولﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

یہی وہ دس اسباب ہیں جن سے محبّین کا گروہ محبت کی منزلیں طے کرکے اپنے محبوب تک پہنچتا ہے۔"

قولہٗ : اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کو، جو اپنے اہل وعیال، اپنے مال ومتاع، اپنے قبیلہ وقوم، اپنے تجارتی اثاثوں، اپنے گھر بار کو کلی یا جزوی لحاظ سے اللہ کے احکام سے زیادہ محبوب اور پسند کرتے ہیں یا ان میں سے کوئی چیز جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے مانع ہو تو عذاب خداوندی کی گرفت سے ڈرائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے۔

زیر بحث آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

"اگر یہ اشیاء اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پسند ہیں تو اُس کے عذاب کا انتظار کریں۔"

مسند احمد اور ابوداود میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:۔

اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَاَخَذْتُمْ	جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور بیلوں کی دُمیں
اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ	پکڑ لو، کھیتی باڑی کو اپنا مقصد بنا لو اور جہا

بیع عینہ سود کی ایک شکل ہے، جس میں کوئی شخص ایک چیز مثلاً ایک سال کی مہلت پر بیچتا ہے اور بعد ازاں ایک سال سے قبل کی مدت پر ہی دوبارہ اسے تھوڑی قیمت پر اسی شخص سے خرید لیتا ہے، اس سے بیچنے والا ایک ایسا منافع حاصل کرتا ہے، جو کہ سود بن جاتا ہے۔ (جائزہ کمیٹی)

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ
(اخرجاہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ عَنْكُمْ حَتّٰى تُرَاجِعُوا دِيْنَكُمْ۔	جیسے عظیم الشان عمل کو چھوڑ بیٹھو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت و رسوائی مسلط کر دے گا اور یہ رسوائی اُس وقت تک دور نہ ہو گی جب تک کہ تم دینِ حنیف کی طرف نہ لوٹ آؤ گے۔

پس انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو اپنی پسندیدہ چیزوں پر ترجیح دے جسے اللہ پسند کرتا ہے ان کو پسند کرے اور جو امور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان کو ترک کر دے۔ کسی سے دوستی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر اور دشمنی ہو تو فقط اس کی رضا کے لیے اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کرے کیونکہ اسی میں انسان کی فلاح اور کامیابی مضمر ہے۔

قولہ : لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ :

ایمانِ کامل یہ ہے کہ انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، حتیٰ کہ تمام دنیا سے زیادہ محبت ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کمال کا یہ درجہ اُس وقت تک حاصل ہونا ممکن نہیں جب تک کہ انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی مجھے اپنی جان کے علاوہ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ :-

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ، حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ	مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب تک مَیں تمہارے نزدیک تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اُس وقت تک تم مؤمن نہیں ہو سکتے۔
فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ: فَاِنَّکَ اْلاٰنَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ	عمر رضی اللہ عنہ بولے! اب آپؐ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔
فَقَالَ: اْلاٰنَ یَا عُمَرُ (صحیح بخاری)	آپؐ نے فرمایا کہ اب ٹھیک ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ نفی کمال مراد ہے اگر اس سے اُس کا مقصد کمالِ واجب مراد ہے جس کے ترک کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے اور اس کو سزا بھی سنادی گئی ہے، تو وہ صحیح کہتا ہے۔

اور جو شخص یہاں کمال مستحب سمجھتا ہے تو اس بات کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ نہ کلام اللہ میں، نہ کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

"جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن آپؐ کی اتباع نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کے اقوال کو آپؐ کی حدیث پر ترجیح دیتا ہے تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ ط وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ (النور - ۴۷)	یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہم نے اطاعت قبول کی مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ اطاعت سے منہ موڑ جاتا ہے ایسے لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہیں۔

اس آیت میں اس شخص کے ایمان کی بالکل نفی کر دی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منہ پھیر لیتا ہے۔

البتہ ہر مسلمان جس قدر اسلام میں پختہ ہوگا اسی قدر اُس کی محبت پختہ اور مضبوط ہوگی اور ہر مسلمان یقیناً مؤمن ہے۔ البتہ ایمانِ مطلق خاص لوگوں کا حصّہ ہے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جب کوئی شخص کفر کے بعد اسلام لائے یا مسلمان کے گھر پیدا ہو اور شریعتِ اسلامیہ کی پیروی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آنحضرت ﷺ کی اتباع کرے تو وہ مسلمان ہوگا لیکن اس کا ایمان مکمل ہوگا۔

البتہ اس کے دل میں ایمان آہستہ آہستہ اور بتدریج داخل ہوگا ورنہ لوگوں کی کثرت یقینِ محکم اور جہاد کے سے عظیم عمل تک نہیں پہنچ پاتی۔ اگر ایسے افراد کو ذرا سا شک اور شبہ کا موقع مل جائے تو وہ فوراً اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر جہاد کی ترغیب دی جائے تو جان پیش کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس یقین کی دولت کا فقدان ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شک و شبہ سے بچ سکیں اور نہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی محبت کا جوہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کو انکی خوشنودی میں لٹا دیں۔ اگر ایسے افراد دنیا میں مصائب سے بچ کر زندگی گذار جائیں تو جنت میں داخل ہوں گے اور اگر خدانخواستہ ایسے افراد کہیں آزمائش و ابتلا میں گھر جائیں، جس سے اُن کے شکوک و شبہات میں اضافہ ہونے کا امکان قوی ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اُن کو سیدھے راستے پر قائم رکھ سکتی ہے ورنہ یہ لوگ ریب و شک کی گہری غار میں جا گریں اور ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ نفاق کی دلدل میں پھنس جائیں۔"

زیرِ بحث حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ ایمان کا جزو لاینفک ہیں کیونکہ محبت دِل کا عمل ہے اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ

آنحضرت ﷺ کی محبت واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبّت کے تابع اور اس کا لازمی حصّہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے محبت بھی صِرف اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر اور اُس کے حکم کے مطابق کی جاتی ہے۔ ایک مومنِ صادق کے دِل میں جس قدر محبتِ الٰہی کی کثرت ہوگی اِسی لحاظ سے آنحضرت ﷺ سے محبت بھی زیادہ ہوگی اور اِسی مُناسبت سے کمی بھی واقع ہوگی کیونکہ جو شخص کسی سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت حقیقتاً اللہ ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ ایمان، عملِ صالح سے محبّت کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے، ایسی محبّت میں شرک کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ بذاتہ نہ تو اس پر اعتماد ہوتا ہے نہ کسی مرغوب چیز کے حصُول کی اُمید یا کسی تکلیف دہ چیز کا دفاع۔ اور جو ایسی محبت ہو وہ حقیقت میں اللہ سے محبت ہوتی ہے، اس لیے کہ اِس میں نہ تو غیر اللہ سے تعلق ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی سے رغبت ہے۔ یہاں اِس محبت میں جو اللہ کے لیے ہو اور اُس

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین صفات ایسی ہیں وہ جس شخص میں بھی ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس اپنے اندر ضرور محسوس کرے گا۔

محبت میں جو مشرکین اپنے باطل معبودوں سے کرتے ہیں، ایک نمایاں فرق اور امتیاز موجود ہے کیونکہ مشرکوں کے دلوں میں اُن کی الوہیت کا عنصر غالب ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کہیں جائز نہیں ہے

قولہ: مَنْ كُنَّ فِيهِ

یعنی جس شخص میں یہ تینوں صفات مکمل پائی جاتی ہیں۔

قولہ: وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ

حلاوت سے وہ دلی کیفیت مراد ہے جو کسی نعمت اور خوشی کے موقع پر دل پر طاری ہوتی ہے اور یہ ذوق مومن اپنے قلوب میں ہمہ وقت محسوس کرتے ہیں۔

علامہ السیوطی رحمہ اللہ "التوشیح" میں لکھتے ہیں

"زیر بحث حدیث میں استعارہ تخییلیہ ہے جس میں ایک مومن کی رغبت کو میٹھی شے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کا لازم ذکر کرکے اس کو ایمان کی طرف مضاف کیا ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اطاعتِ الٰہی کے وقت،

مصائب کو جھیلتے وقت،

دُنیوی اغراض کو پسِ پشت ڈالتے وقت،

اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرکے اور اُس کی مخالفت سے رُکتے وقت،

أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا۔

پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے۔

جو کیفیت اور سُرور ایک مؤمن کے دِل میں اُبھرتا ہے، اُس ذوق کو حلاوتِ ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔"

یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی حقیقت یہ ہے کہ انعام واکرام کے وقت اِس میں زیادتی نہ ہو اور مصائب و مشکلات اور امتحان کے وقت اِس میں کمی نہ ہو۔"

قولہٗ : اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا

یعنی وہ محبت جو طبعًا اور فطرتًا ایک اِنسان اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے کرتا ہے۔ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر نہ ہو بلکہ کم تر ہو۔

الخطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یہاں طبعی اور فطری محبت مراد نہیں ہے بلکہ وہ محبت مراد ہے جو اختیاری ہو۔"

لیکن محبتِ شرکیہ جس کا سابقہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جو اللہ تعالےٰ اور آنحضرت ﷺ کی محبت کے منافی ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہر لحاظ سے غلط ہے اور کتاب و سُنت کے صریح احکام کے خلاف ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

حِبُّوا اللّٰهَ بِكُلِّ قُلُوْبِكُمْ — اپنے پُورے دِل سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرو

اللہ تعالیٰ اور رسُول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کی مندرجہ ذیل چند نمایاں خصوصیات ہیں:۔

- جسے اللہ پسند کرے، انسان بھی اس کو پسند کرے۔
- جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو وہ انسان کو بھی ناپسند ہو۔
- اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اشیاء کو تمام چیزوں پر ترجیح دے۔

- جس قدر ممکن ہو سکے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو۔
- اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ حدود سے دُور رہے اور ان کو انتہائی حقیر اور ذلیل سمجھے۔
- آنحضرت ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری کرے۔
- اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی سیرت میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔
- آنحضرت ﷺ کے منع کردہ امور سے کنارہ کش اور دُور رہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ (النساء - ۸۰)

جو شخص رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اُس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اس آیت کی مکمل اور چلتی پھرتی تصویر نظر آتے۔

پس جو شخص آنحضرت ﷺ کے ارشادات پر دوسرے افراد کے قول کو ترجیح دے اور آنحضرت ﷺ نے جن امور سے روکا ہے اُن کی کھلم کھلا مخالفت کرے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی محبت' دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اُس سے محبت کا دعویٰ کرے تو لازم ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع اور ان سے محبت کا اظہار بھی کرے اور جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے جیساکہ سابقہ صفحات میں آیت المحبۃ وغیرہ میں واضح کیا جاچکا ہے۔ واللہ المستعان

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو خوش نصیب ان تمام صفاتِ کاملہ سے متصف ہوگا وہی ایمان کی حلاوت اور لذت سے بہرہ اندوز ہوگا کیونکہ کسی چیز کی مٹھاس اور لذت کا پایا جانا اُس کی محبت کا بیّن ثبوت ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو چاہتا اور اس کے حصول کے لیے تگ و دو کرنے کے بعد اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کامیابی پر اسے ایک قسم کی لذت، سرور اور خوشی محسوس ہوتی ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنی محبوب چیز کو حاصل کرنے کے بعد ہی مسرت و بہجت اور لذت حاصل ہوتی ہے۔"

وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ۔

دوسری یہ کہ کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حلاوتِ ایمانی جو فرحت و مسرت اور لذت کو متضمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کامل محبت کے بعد حاصل ہوتی ہے اور کامل محبت تین امور کے پائے جانے کے بعد میسّر آتی ہے۔

۱۔ محبت میں کمال

۲۔ محبت میں خلوص

۳۔ اور محبت کے منافی امور سے دوری

○ تکمیلِ محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا پایا جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ ان کی محبت ہر چیز پر غالب ہو۔"

○ تفریغِ محبت یہ ہے کہ انسان جس سے بھی محبت کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

شارح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کی محبت، اس کی اطاعت کی محبت کو مستلزم ہے۔ بندے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی اطاعت کا دم بھرے اور مُحب کا فرض ہے کہ جس چیز سے محبوب محبت کرے اُس سے وہ بھی محبت کرے۔

اللہ کی محبت کو یہ بھی مستلزم ہے کہ جو لوگ اُس کے اطاعت گزار ہیں، اُن سے بھی محبت رکھے۔ مثلاً انبیاء، رُسل، صالحین اور اس کے نیک بندوں کو مرکزِ الفت قرار دینا، جس سے اللہ محبّت کرے اور جو اللہ سے محبت کرے، اس سے تعلقاتِ محبت استوار کرنا، کمالِ ایمان میں سے ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے، جو آئندہ درج کی جا رہی ہے۔

وَ أَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔

تیسری یہ کہ کفر میں جانا اِسقدر ناپسند کرے جس طرح کہ آگ میں گرنا ناپسند کرتا ہے۔

بعد اِس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکالا

○ —— دفع ضد کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے مقتضیات کے خلاف جتنی اشیاء ہیں سب کو ناپسند سمجھے جیسے آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے۔"

قولہ : اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا

اِس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمیروں کو جمع کر دیا گیا ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

پہلا یہ کہ یہاں ضمیر کا تثنیہ لانا اِس طرف اشارہ ہے کہ شریعت میں معتبر دونوں کی محبت کا مجموعہ ہے جو دونوں کی محبت سے مرکب ہو۔ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ محبت ناکافی ہے اور خطیب کی حدیث میں جو ضمیر واحد لائی گئی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ دونوں کی نافرمانی گمراہی کا الزام ثابت کرنے کے لیے فرداً فرداً بھی کافی ہے اور اصل یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ میں سے ہر ایک حکم میں مستقل ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خطیب کی حدیث کو ادب اور استحباب پر محمول کیا جائے اور اس حدیث کو جواز پر۔

اور ایک تیسرا جواب بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ حدیث اپنے اصل پر وارد ہے اور خطیب کی حدیث نقل پر محمول ہے لہٰذا یہ حدیث راجح ہے

قولہ : كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ

مطلب یہ ہے کہ کفر میں لوٹنا اور آگ میں پھینکا جانا برابر سمجھتا ہو۔ زیر بحث حدیث کے اِس جملے میں ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جن کا گمان یہ ہے کہ انسان سے گناہ کا صادر ہونا اس کے حق میں موجب نقص ہوتا ہے، اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے۔

وفی روایۃ : لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ
حَتّٰى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ -

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایمان کی مٹھاس اُس وقت تک محسوس نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت نہ کرے۔

اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر گناہ گار توبہ نہ کرے تو اس کے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور اگر فوراً توبہ کر لے تو نقص واقع نہیں ہوتا۔
اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے کہ وہ اِس اُمتِ محمدیہ میں سب سے افضل تھے باوجود اس بات کے کہ وہ قبل از اسلام کافر اور مشرک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کے نور سے منور فرما دیا۔ ہجرت اور اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ گذشتہ تمام اعمالِ سیئہ کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں جیسا کہ صحیح روایات اسکی تصدیق کرتی ہیں۔

قولہٗ : فی روایۃ : لَا يَجِدُ أَحَدٌ

یہ روایت صحیح بخاری کتاب الادب میں مذکور ہے۔ پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَحَتّٰى أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ وَحَتّٰى يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا (صحیح بخاری)	کوئی شخص ایمان کی مٹھاس اس وقت تک محسوس نہیں کر سکتا جب تک کہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت نہ کرے اور یہ کہ کفر میں لوٹنا اُس کو اتنا ہی بُرا اور ناگوار ہو جیسے آگ میں گرنا اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام کائنات سے زیادہ محبت ہو۔

محبت کے متعلق پوری تفصیل گزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت مومن کی اُس قلبی کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے اُس پر طاری ہوتی ہے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ وَ أَبْغَضَ فِي اللهِ۔

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کسی سے بغض و عناد رکھے۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

أَهَابُكَ إِجْلَالًا وَمَا بِكَ قُدْرَةٌ
عَلَيَّ وَلٰكِنْ مِلْءُ عَيْنٍ حَبِيْبُهَا

میں تیری عظمت سے خوف زدہ ہوں۔ اور تجھے مجھ پر کوئی قدرت بھی نہیں لیکن محبوب کا بھرپور نگاہ سے دیکھنا ہی کافی ہے۔

قولہٗ : مَنْ اَحَبَّ فِي اللهِ

یعنی اہلِ ایمان سے اس لیے محبت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

قولہٗ : وَ اَبْغَضَ فِي اللهِ

یعنی جو لوگ کُفر و شرک میں مُبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت سے منحرف ہیں، ایسے لوگوں سے نفرت و بغض اور دشمنی صرف اِس لیے رکھے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ انتہائی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ (المجادلہ۔ ۲۲)	تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے۔

وَ وَالٰی فِی اللہِ وَ عَادٰی فِی اللہِ فَإِنَّمَا تَنَالُ وَلَایَـةُ اللہِ بِذٰلِكَ۔

اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی رکھّے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عداوت رکھّے تو ایسا شخص ہی اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کر سکے گا۔

قولہٗ : وَ وَالٰی فِی اللہِ

خالص اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی اور عداوت۔ اللہ کی محبت کے یہ دو بنیادی وصف ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کریگا وہ اگر کسی دُوسرے سے محبت اور دوستی کرے گا، جیسے اولیا اللہ سے دوستی اور اُن کی مدد اور اللہ کے نافرمانوں سے عداوت اور اُن سے جہاد، تو یہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوگا۔

جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں قوی اور مضبوط ہوگی، اسی قدر یہ اعمال بھی ظہور پذیر ہوں گے اور اسی محبت کے کمال سے توحید کی تکمیل ہوگی اور اس کی کمزوری سے اس میں کمزوری واقع ہوگی، پس اِس میدان میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں :-

- بعض کی محبت کامل ترین۔
- بعض کی محبّت کمزور اور ضعیف۔
- اور بعض بدقسمت وجودِ محبت سے بالکل کورے۔

قولہٗ : ولایۃ اللہ

ولایۃ : بفتح الواو اخوت، محبت اور نصرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بالکسر امارت کے معنی میں، اور یہاں پہلی صورت مراد ہے۔

مسند احمد اور طبرانی میں ایک روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ :

لَا یَجِدُ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْإِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰہِ وَیُبْغِضَ لِلّٰہِ فَإِذَا أَحَبَّ لِلّٰہِ وَ أَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَایَةَ لِلّٰہِ	انسان واضح طور سے ایمان کی روشنی محسوس نہیں کر سکتا جب تک وُہ اللہ کی رضا کیلئے محبت نہ کرے اور اس کی رضا کیلئے دشمنی نہ رکھے اور جب دوستی اور دشمنی اللہ ہی کیلئے کرے گا تو پھر اللہ کی محبت اور ولایت کا حقدار ہو جائے گا۔

وَ لَنْ يَّجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الْإِيْمَانِ وَ إِنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ وَ صَوْمُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ كَذٰلِكَ۔ وَقَدْ صَارَتْ عَامَّةُ مُوَاخَاةِ النَّاسِ عَلٰى أَمْرِ الدُّنْيَا وَ ذٰلِكَ لَا يُجْدِيْ عَلٰى أَهْلِهٖ۔ (رواہ ابن جریر)

اور کوئی شخص اِن امُور کے بغیر ایمان کی مٹھاس حاصل نہیں کرسکتا اگرچہ وہ بہ کثرت نمازیں ادا کرے اور روزے رکھے۔ آج کل عام لوگوں کی محبّت صرف دُنیاوی مُعاملات پر موقُوف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ سُود مند ثابت نہ ہوگی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اَوْثَقُ عُرَى الْإِيْمَانِ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَ الْبُغْضُ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ (رواہ الطبرانی)

ایمان کی مضبوط ترین کڑی یہ ہے کہ انسان کی دوستی اور دشمنی صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔

قَوْلُهٗ: وَلَنْ يَّجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الْإِيْمَانِ

یعنی صوم وصلوٰۃ کی کثرت کے باوجود بھی اس کو ایمان کی لذّت اور اس کی مٹھاس حاصل نہیں ہو سکے گی جب تک کہ وہ اپنے اندر محض اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبّت، عداوت، دوستی اور دشمنی کی صفات پیدا نہ کرے جیسا کہ حضرت ابوامامہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ (ابو داؤد)

جو اللہ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہے، اس کے لیے بغض رکھتا ہے، اسی کے لیے دیتا ہے اور اسی کے لیے روکتا ہے، اس کا ایمان مکمل ہوگیا۔

قولہ : وَقَدْ صَارَتْ عَامَّۃُ مُؤَاخَاۃِ النَّاسِ

یعنی دنیوی غرض سے ایک دوسرے سے میل ملاپ بجائے فائدہ کے الٹا نقصان دہ ہوتا ہے، اس کی وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ○ (الزخرف - ٦٧)

وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

دنیوی اغراض کی بنا پر ایک دوسرے سے لین دین اور دوستی ایک فتنہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دور میں، جو بالاتفاق خیر القرون کہلاتا ہے، یہ بات مصیبت کا باعث بن گئی تھی اور آج تک اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور اب تو نوبت بایں جا رسید کہ شرک و بدعت، فسق و فجور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کی جا رہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل ارشاد حرف بحرف صادق آ رہا ہے کہ:

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَأَ[1]

اسلام اپنے ابتدائی دور میں اوپرا اور اجنبی کی حیثیت میں تھا اور اس پر وہی "اجنبیت" کا دور پھر لوٹ آئے گا۔!

مہاجرین و انصار، تمام صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خیر القرون میں سب کی یہ حالت تھی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی خاص اور اشد ضرورت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کا نقشہ قرآنِ کریم نے ان الفاظ سے کھینچا ہے کہ

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ؕ (الحشر - ٩)

اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

لَقَدْ رَأَیْتُنَا عَلٰی عَھْدِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہم

---

[1] صحیح مسلم، ابن ماجہ، ترمذی
حافظ ابن رجبؒ نے اس حدیث کی بہترین شرح کی ہے اور اسی شرح کا انہوں نے یہ نام رکھا ہے:
"کشف الکربۃ فی وصف حال اہل الغربۃ"

وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ : "وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ" قَالَ : الْمَوَدَّةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کہ "اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا" کی یہ تفسیر کی ہے کہ اسباب کے معنیٰ دوستی اور تعلقات ہیں۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ مَا مِنَّا	سب لوگ اپنے درہم و دینار کے بارے میں
اَحَدٌ يَرٰى اَنَّهٗ اَحَقُّ بِدِيْنَارِهٖ	اپنے آپ سے اپنے دوسرے مسلمان
وَ دِرْهَمِهٖ مِنْ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ	بھائیوں کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے

(ابن ماجہ)

قولہ : وقال ابن عباس :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

قولہ : المودۃ :

یعنی یہ دُنیاوی محبت اور دوستی قیامت کے دن انکو کوئی فائدہ نہ دے سکے گی جبکہ میدانِ محشر میں اُن کو اس دوستی کی اشد ضرورت ہوگی۔ بلکہ وہاں تو ایک دُوسرے سے بے زاری اور قطع تعلق کا اظہار کریں گے۔ ان کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ :-

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ	اور اس نے کہا "تم نے دُنیا
اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي	کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر
يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ	قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا
بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ	انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے
وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۙ ۝	اور آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور کوئی تمہارا

(العنکبوت - ۲۵) مددگار نہ ہوگا۔

قرآن کریم کی آیت اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ کی تشریح میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"پیشوا ہدایت یافتہ اور سیدھے راستے پر تھے اور ان کی اتباع اور پیروی کرنے والوں نے دعویٰ تو یہ کیا کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں لیکن صورتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ رات دن ان کی مخالفت کرتے اور بدعملی کا شکار رہے اور صرف زبانی محبت اور دوستی کو یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے ہمیں فائدہ ہوگا۔ قیامت کے روز ان ہی بدعملوں سے وہ لوگ اپنی برأت اور لاتعلقی کا علی الاعلان اظہار کریں گے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی محبت کا دعویٰ کیا۔

یہی صورتِ حال ہر اُس شخص سے پیش آئے گی جو غیر اللہ کو اپناولی اور دوست بناتا ہے، غیر اللہ کی وجہ سے دشمنی اور دوستی کرتا ہے۔ بغض و عناد کا معیار بھی غیر اللہ کی محبت ہوتا ہے۔ اس قسم کے تمام اعمال باطل ہیں اور قیامت کے دن یہی اعمال حسرت اور مایوسی کا ذریعہ ثابت ہوں گے کیونکہ اس بدنصیب شخص نے بڑی ہی محنت اور کدوکاوش سے اور تکلیفیں اٹھا کر یہ اعمال انجام دیے تھے لیکن وہ اپنی دوستی اور دشمنی، محبت و عداوت اور دوسروں کی امداد و اعانت غیر اللہ کے لیے کرتا رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اطاعت کو پس پشت ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام اعمال کو لغو اور باطل قرار دے دیا اور تمام اسباب جو غیر اللہ کی رضا کے لیے تھے سب توڑ دیے گئے۔

پس ہر وہ ذرائع اور اسباب و وسائل جو غیر اللہ کی بنیاد پر ہوں گے منقطع ہو جائیں گے اور صرف ایک ہی سبب باقی اور قائم رہے گا جو صرف اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوگا اور وہ یہ ہے کہ انسان تمام منہیات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع اپنے اوپر لازم قرار دے لے اور تمام قسم کی عبادات کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے سرانجام دے، جیسے محبت اور عداوت، دوستی، دشمنی اور صدقات و خیرات، کسی سے قُرب و بُعد، حتیٰ کہ اگر کسی کو کچھ نہ دے تو وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے ہو اور تمام چھوٹے اور بڑے لوگوں کی اتباع

اور پیروی کو چھوڑ کر صرف آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی اختیار کرے اور کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے چہ جائیکہ کسی کو مقام نبوّت میں ان کا شریک بنائے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کبھی بھی کسی دوسرے شخص کے قول کو ترجیح نہ دے، یہ وہ سبب ہے جو کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ اللہ اور بندے کے درمیان یہی وہ نسبت ہے، جسے کوئی منقطع نہیں کرسکتا۔ عبدیّت کا یہی وہ مقام ہے جو اللہ کو انتہائی پسند اور محبُوب ہے اور وہ ہے خالص عبُودیّت کی نسبت اور یہی اس کی خوراک کی جگہ ہے۔ وہ اسی کے اردگرد گھومتا ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے اور یہ نسبت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ انسان آنحضرت ﷺ کی من کل الوجوہ پیروی، اتّباع اور فرمانبرداری نہ کرے کیونکہ عبدیّت کا یہ مقام انبیائے کرام ہی کے واسطے سے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی پہچان اور معرفت بھی انبیاء کی زبان سے ہوئی۔ لہٰذا اس عبدیّت کے اعلیٰ اور ارفع مقام تک رسائی بھی انبیائے کرام کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا ﴿الفرقان-۲۳﴾	اور جو کچھ بھی اُن کا کیا دھرا ہے اُسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے۔

یہ اُن اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے جو خلافِ سُنّت کیے گئے تھے اور اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے نہ تھے۔ ہر ایسے عمل کو، خواہ وہ پہاڑ سے بھی بڑا اور وزنی ہو، اس کو اللہ تعالیٰ ذرّوں کی طرح ہوا میں اڑا دے گا اور صاحبِ عمل کو اس کا قطعاً کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکے گا۔

قیامت کے روز تمام حسرتوں اور ناکامیوں میں سب سے بڑی حسرت یہ ہوگی کہ انسان اپنی پوری پونجی کا مل محنت اور کدو کاوش سے کمائی ہوئی دولت کو ضائع اور برباد دیکھے خصوصاً جب وہ یہ دیکھے گا کہ کوشش کرنے والے اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے۔"

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ الْبَقَرَةِ۔

① سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر۔

الثانیہ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ بَرَاءَةَ۔

② سورۂ برأت کی آیت کی تشریح۔

الثالثہ: وُجُوبُ مَحَبَّتِهِ ﷺ عَلَى النَّفْسِ وَ الْأَهْلِ وَ الْمَالِ۔

③ اپنے اہل وعیال، مال و دولت حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی آنحضرت ﷺ سے محبت کا وجوب

الرابعہ: نَفْيُ الْإِيْمَانِ لَا يَدُلُّ عَلَى الْخُرُوْجِ مِنَ الْإِسْلَامِ

④ کسی وقت ایمان کی نفی کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

الخامسۃ أَنَّ لِلْإِيمَانِ حَلَاوَةً قَدْ يَجِدُهَا الْإِنْسَانُ وَ قَدْ لَا يَجِدُهَا۔

⑤ ایمان کی حلاوت ضرور ہے لیکن کبھی انسان محسوس کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔

السادسۃ أَعْمَالُ الْقَلْبِ الْأَرْبَعِ الَّتِي لَا تَنَالُ وَلَايَةَ اللهِ إِلَّا بِهَا وَ لَا يَجِدُ أَحَدٌ طَعْمَ الْإِيمَانِ إِلَّا بِهَا۔

⑥ یہ چار اعمالِ قلب ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ کی محبت حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔

السابعۃ فَهْمُ الصَّحَابِيِّ لِلْوَاقِعِ أَنَّ عَامَّةَ الْمُوَاخَاةِ عَلَى أَمْرِ الدُّنْيَا۔

⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ محسوس کرنا کہ لوگوں کا زیادہ تر میل ملاپ صرف دُنیا کی خاطر ہے۔

الثامنۃ تَفْسِيرُ: "وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ"

⑧ آیت " وتقطّعت بهم الأسباب " کی تفسیر۔

التاسعۃ أَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَنْ يُحِبُّ اللهَ حُبًّا شَدِيدًا۔

⑨ بعض مشرک بھی ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔

العاشرة أَلْوَعِيدُ عَلٰى مَنْ كَانَ الثَّمَانِيَةُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ دِينِهِ۔

⑩ مندرجہ آٹھ اشیاء جس کو دین سے زیادہ پیاری ہوں اُس کو سخت وعید اور سزا سُنانا۔

الحادية عشرة أَنَّ مَنِ اتَّخَذَ نِدًّا تُسَاوِي مَحَبَّتُهُ مَحَبَّةَ اللّٰهِ فَهُوَ الشِّرْكُ الْأَكْبَرُ

⑪ کسی شخص کا اپنے باطل معبود سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر محبت رکھنا ہی شرکِ اکبر کہلاتا ہے۔
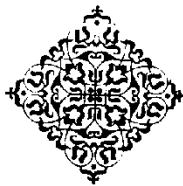
باب قول اللہ تعالیٰ

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(آل عمران ــــــ ۱۷۵)

شریعت اسلامیہ میں خوف الٰہی کو افضل و اہم ترین مقام حاصل ہے اور عبادات میں اس کو مرکزیت حاصل ہے لہٰذا خوف و خشیت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے اس باب میں اسی پر سیر حاصل بحث ہو گی۔ ان شاء اللہ

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (آل عمران : ١٧٥)

اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آیندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

قولہٗ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ (الآیۃ)

شریعت اسلامیہ میں خوفِ الٰہی کو افضل و اہم ترین مقام حاصل ہے اور عبادات میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے خوف و خشیت، صرف اللہ سے ہونی چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیاتِ بینات سے واضح ہے

وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ○ (الانبیاء ۲۸)	اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔
يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ (النحل - ۵۰)	اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں۔
وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ○ (الرحمن - ۴۶)	اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو باغ ہیں۔
فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ○ (النحل - ۵۱)	سو تم خاص مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔
فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ - ۴۴)	(اے گروہ یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔

اس موضوع پر بے شمار آیاتِ قرآن موجود ہیں۔ خوف کی تین قسمیں ممکن ہیں۔

اول ــــــ سری اور پوشیدہ خوف:۔

وہ یہ کہ انسان غیر اللہ مثلاً وثن اور طاغوت وغیرہ کے شر سے خوف کھائے، جیسا کہ قوم ہودؑ نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا تھا۔ کہ

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا	ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔ ہودؑ نے کہا: میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ

تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ	کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا
جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○	رکھا ہے اس سے میں بیزار ہوں، تم سب کے
(ھود - ۵۴، ۵۵)	سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کسر نہ اٹھا رکھو
	اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (الزمر - ۳۶) یہ لوگ اس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں

خوف کی یہی وہ صورت ہے جو قبر پرستوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں میں پائی جاتی ہے قبر پرست خود بھی ان سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ اہلِ توحید کو بھی جب کہ وُہ انکی عبادت سے انکار کرتے ہیں اور خالص اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں تو یہ ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوف کی یہ قسم توحید خالص کے سراسر منافی ہے۔

ثانی[۲] ـــــ خوف کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان بعض لوگوں سے ڈر کر ایسے امور کو چھوڑ دے جن پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے ـــــ یہ خوف قطعی طور سے حرام ہے خوف کی یہ صورت وہ شرک ہے جو کمال توحید کے منافی ہے ـــــ زیر نظر آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی خوف تھا۔ قرآنِ کریم نے اس خوف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ	اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ "تمہارے خلاف
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ	بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو" تو یہ سُن کر
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا	ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب
اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا	دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کار
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ	ساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل
يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا	کے ساتھ پلٹ آئے ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا
رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ	اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو
عَظِيْمٍ ○ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ	گیا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمہیں معلوم
يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ	ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے
خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○	خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے
(آل عمران - ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵)	نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندے سے سوال کرے گا

مَا مَنَعَکَ اِذَا رَأَیْتَ الْمُنْکَرَ اَنْ لَّا تُغَیِّرَہٗ ؟ جب تم نے برائی کو دیکھا تو اسے بدلنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ ؟

فَیَقُوْلُ : رَبِّ خَشْیَۃَ النَّاسِ بندہ جواب دے گا، اے میرے پروردگار، لوگوں کے ڈر کی وجہ سے۔

فَیَقُوْلُ : اِیَّایَ کُنْتُ اَحَقَّ اَنْ تَخْشٰی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی اس کا مستحق تھا کہ تو مجھ سے ہی ڈرتا۔

ثالث ــــ الخوف الطبیعی

اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کسی زبردست دشمن یا کسی جنگلی درندے وغیرہ سے وقتی طور پر خوف کھا جائے۔

خوف کی یہ قسم مذموم نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا یَّتَرَقَّبُ (القصص۔ ۲۱) وہ ڈرتے اور سہمتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کو اپنے دوستوں سے خوف زدہ کرتا ہے اور فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ میں اللہ کی طرف سے مومنوں کے لیے غیر اللہ سے خوف زدہ ہونے کی نہی فرمائی گئی ہے۔ اس میں درحقیقت یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لیے خوف و خطر کے حدود کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس تک محدود رکھیں اور اپنی ذات پر فقط اسی سے ڈرنے کی کیفیت طاری رکھیں۔ یہی وہ اخلاص ہے جس کو دلوں میں جاگزین کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور اسی کو پسند فرمایا ہے جب وہ خوف و خطر اور اپنی تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیں گے تو وہ ان کو ایسی چیزوں سے بہرہ ور کر دے گا جو ان کی توقعات کے دائرہ سے بالکل باہر ہوں گی اور ان کو دنیا و آخرت کے خطرات سے قطعی طور پر محفوظ رکھے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کے دشمن کا سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ وہ مومنوں کو اپنے لاؤ لشکر سے ڈرانے اور مرعوب کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے تاکہ وہ جہاد جیسے عظیم الشان عمل سے رُک جائیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے رفیع الشان وظیفہ حیات سے اپنی زبانوں کو بند رکھیں۔

قال تعالیٰ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ أَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ أٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ (التوبة : ۱۸)

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ان ہی سے توقع ہے کہ یہ سیدھی راہ چلیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت کریمہ میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ یہ شیطانی فریب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس کے جال میں آجاؤ۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت کا یہی معنی ہے کہ شیطان اپنے ساتھیوں سے مسلمانوں کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے۔"

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، آیت کا معنی یہ ہے کہ

"مسلمانوں کے دلوں میں ابلیس اپنے لشکر کے بہت عظیم اور بھاری ہونے کا وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ اگر انسان کا ایمان قوی اور مضبوط ہوگا تو یہ خوف اس کے دل میں پیدا نہیں ہوگا اور اگر کوئی کمزور ایمان والا شخص ہے تو ڈر جائے گا۔"

پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور خوف کھانا کامل ایمان کی شروط میں سب سے بڑی شرط ہے۔

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر کو مانیں، نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ان ہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔

قولہٗ : اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ :

اس آیت کریمہ میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ تعمیرِ مساجد میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی دولت ودیعت کی گئی ہے اور ان کا آخرت پر یقین کامل ہے ان کا ایمان دل کے ہر گوشے میں پیوست ہوتا ہے وہ ظاہری اعضا سے اعمالِ صالحہ انجام دیتے ہیں اور کسی طاغوتی قوت سے نہیں ڈرتے ان ہی صفات کے حامل لوگوں سے تعمیرِ مساجد کا عمل معرضِ ظہور میں آتا ہے اور مشرک اس عمل سے دُور بھاگتے ہیں۔

تعمیر مساجد میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اعمالِ صالحہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔

اگر کبھی مشرکین کے ہاتھوں سے ایسا عمل ظاہر ہو جائے تو اس کی حیثیت ایسے ہوتی ہے جیسے

كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ	"دشت بے آب میں سراب کہ
الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ	پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا
لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــــًٔا (النور-۳۹)	مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا"

یا ان کے اعمال کی مثال :

كَرَمَادِ ۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ	"اس راکھ کی سی ہے جسے ایک
فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ (ابراہیم-۱۸)	طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو

جن بدنصیب لوگوں کے اعمال کی حیثیت بطور نتیجہ کے یہ ہو، اس سے تو بہتر یہ ہے کہ عمل کیا ہی نہ جائے۔

پس تعمیرِ مساجد جیسا عظیم الشان عمل جس کا تعلق توحید خالص اور عملِ صالح سے ہے اور شرک و بدعت کی ملاوٹ سے یہ عمل بالکل پاک وصاف ہے، وہ ایمان مطلق میں داخل ہے۔ اہل سنت والجماعۃ کا یہی عقیدہ ہے۔

قولہٗ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ : ابن عطیہؒ فرماتے ہیں :

"تعظیمِ غیر اللہ۔ عبادتِ غیر اللہ اور اطاعت غیر اللہ سے ڈرنا مراد ہے کیونکہ انسان فطرتاً دُنیوی خطرات سے ڈر جاتا ہے پس اسے چاہیئے کہ وہ تمام امور میں قضاء و قدر اور اسکے تصرفات سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے"۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :

قولہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ
آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ
جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۚ
(العنکبوت : ۱۰)

لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، مگر جب وہ اللہ کے معاملہ میں ستایا گیا تو اُس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔

"خوف دل کی عبادت ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص رہنی چاہیئے - وہ اعمال جن کا تعلق صرف دل سے ہے، مندرجہ ذیل ہیں : عاجزی، رجوع، محبت، توکل اور اُمید"

قولہ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ :
ابن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے اس کا ترجمہ یوں نقل کرتے ہیں کہ
"یہی لوگ ہدایت پر ہیں"
قرآن میں جہاں بھی عسیٰ کا لفظ آیا ہے اس کا واقع ہونا لازمی ہے۔
ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ۔ — جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے تو اس کے ایمان دار ہونے کی شہادت دو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ — اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کو مانیں۔

رواہ احمد، والترمذی، والحاکم، عن ابی سعید الخدریؓ

قولہ : وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ :

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جھٹلانے والی قوم کی صفات بیان کی ہیں جو صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے دل ایمان کی دولت سے بالکل خالی ہیں۔ دنیا میں جب ایسے لوگ مصائب و مشکلات اور محنت و مشقت میں پڑ جاتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے چنانچہ یہ لوگ مرتد ہو جاتے ہیں"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ

" ایسے افراد کو جب معمولی سی محنت و مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ ارتداد کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اللہ کریم نے جب سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا ہے اس وقت سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کے پورے دور میں عام لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے"

۱ ــــــ ایک وہ جنہوں نے انبیاءؑ کی دعوت کو قبول کر لیا۔

۲ ــــــ دوسرے وہ جنہوں نے انبیاءؑ کی دعوت کا انکار کر دیا اور کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔

جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر لبیک کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کا زبردست امتحان لیا ان کو مختلف مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑا اور ان کو خاص طور پر فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تاکہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ جو شخص اللہ پر ایمان نہیں لاتا اس کے متعلق یہ قطعاً خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ کو عاجز کر سکتا ہے یا اس سے سبقت لے جا سکتا ہے۔

البتہ جو شخص پیغمبروں پر ایمان لے آیا اور ان کی اطاعت کا دم بھرا تو اس کے دشمن اس سے اظہار عداوت کریں گے، اس کو اذیتیں پہنچائیں گے اور اس قسم کے ابتلا میں ڈالیں گے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے۔

جو شخص اللہ کے رسولوں پر ایمان نہیں لاتا اور ان کی اطاعت نہیں کرتا، اس کو دنیا اور آخرت

میں سزادی جائے گی اور ایسی چیزیں اس کے لیے پیدا کی جائیں گی جو اس کو اذیت پہنچانے کا باعث بن سکتی ہوں۔

اتباعِ خدا سے گریز کرنے والوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اتباع کو بہت بڑے الم اور عظیم اذیت سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ الم ان کے لیے عظیم تر اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور ان کی اتباع کی فرضی الم انگیزیوں سے اس کی اذیت کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگا۔

پس جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی گزارنے لگے تو مخالفین نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور ان سے انتہائی وحشیانہ سلوک روا رکھا ——— اللہ تعالیٰ کی سنت ابتدائے آفرینش سے یہ چلی آرہی ہے کہ کوئی شخص ایمان باللہ کا اعلان کرتا ہے یا نہیں کرتا، اس دارِ دنیا میں بہرحال اسے مصائب و مشکلات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے لیکن مومنین کو ابتدا میں اس دارِ فانی میں مصیبت اور تکلیف تو ضرور اٹھانی پڑے گی البتہ آخرت کی بازی وہ جیت جائیں گے اور عاقبت کی خوشیاں ان ہی کے حصہ میں آئیں گی۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کی مخالفت میں زندگی برباد کر بیٹھے، ان کو بھی اس فانی دنیا میں مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑے گا ایسے لوگوں کو ابتدا میں تو لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے لیکن آخرت کا عذاب اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ان کے حصے میں آئے گی۔ وہ ایسا عذاب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

اس عارضی دنیا میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں میں مل جل کر رہے۔ ہر شخص کے ارادے اور تصورات مختلف ہوتے ہیں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات کو اوّلیت کا درجہ دیں۔ جو شخص ان کا ساتھ نہیں دیتا اسے مختلف قسم کی مشکلات میں ڈال دیا جاتا ہے اور جو شخص ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اسے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کبھی اپنوں سے اور کبھی غیروں سے۔

بطورِ مثال کے ایک دین دار اور متقی شخص ہی کو لے لیجیے، جو فاسق و فاجر اور ظالم قوم میں زندگی گزار رہا ہو۔ ایسا شخص ان کے ظلم و ستم سے ہرگز نہیں بچ سکتا البتہ اگر ان کی موافقت کرے یا خاموشی اختیار کرے ابتداءً تو ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے گا لیکن

بالآخر یہ شخص ان کے جس ظلم اور زیادتی سے بچنا چاہتا تھا اس کا شکار ہو کر رہے گا اور اگر بالفرض۔ ان کے شر سے محفوظ بھی رہے تو دوسرے لوگوں کے ظلم کا نشانہ بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد گرامی کو جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، مضبوطی سے تھام لینا چاہیئے اور حرز جان بنا لینا چاہیئے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

مَنْ اَرْضَى اللّٰهَ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ۔ — جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرے تو اس کی تمام ضروریات کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ اَرْضَى النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ لَمْ يُغْنُوْا عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا[1] — اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک اس کی کفایت نہ کر سکیں گے۔

پس جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے، بھلائی و کامیابی کا راستہ اس کے سامنے ظاہر کر دے اور مخالفین کے شر سے اس کو محفوظ رکھے تو وہ محرمات میں ان کی موافقت نہیں کرے گا اور ان ظالموں کے ظلم و ستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا چلا جائے گا۔ تا آنکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اس کے قدم چوم لے گی۔ جیسا کہ انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

مذکورۃ الصدر دو قسم کے لوگوں کے علاوہ ایک شخص وہ بھی ہے جو بے بصیرتی اور کم عقلی کی بنا پر ایمان کا دعویدار بن بیٹھا ہو اگر کسی وقت کسی مصیبت اور مشکل میں پھنس جائے تو اسے وہ ایک فتنہ سمجھتا ہے۔ فتنہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس آزمائش اور تکلیف کو جو بہر حال انبیاء اور ان کے فرمانبرداروں کو مخالفین کی طرف سے پہنچتی ہے، ایک عذاب سمجھتا ہے۔ اس فتنہ کی وجہ سے وہ ایمان سے بھاگتا ہے اور اس سبب کو چھوڑ دیتا ہے جس سے یہ مصیبت دُور ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کہ مومن ایمان لا کر اس سے خلاصی چاہتے ہیں۔

---

[1] ترمذی، عن عائشہ رضی اللہ عنہا

صاحب بصیرت اور خالص مومن تو عذاب الٰہی سے ڈر کر ایمان کی طرف لپکے اور دوڑے اور عارضی مصائب کو برداشت کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔

اور یہ کم عقل اور بے بصیرت لوگ انبیائے کرام کے دشمنوں کی عارضی تکلیف سے بچنے کے لیے ان کی موافقت کرنے پر رضامند ہو گئے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے' انکی عارضی تکلیفات جلد ختم ہو جانے والی مصیبت سے بھاگے اور عذاب الٰہی کی طرف چل پڑے۔

لوگوں کی آزمائش اور فتنہ کو عذاب الٰہی سمجھ بیٹھے اور بالکل برباد ہو گئے۔

اس ذہن کے حامل لوگ حماقت اور بے وقوفی کا شکار اس طرح ہو گئے کہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر آگ میں چھلانگ لگا دی ــــــ چند لمحوں کی تکلیف برداشت کرنے سے تو انکار کر دیا لیکن دائمی عذاب کو دعوت دے دی۔ ایسے شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو غلبہ اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے، تو یہ شخص فوراً بول اٹھتا ہے کہ میں تو تمہارے ہی ساتھ تھا۔ لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکا دے سکتا ہے؟ وہ اس کے نفاق سے بخوبی آگاہ ہے اور اس کے دل کی دھڑکنوں سے واقف ہے"

اس آیت کریمہ میں فرقہ مرجئہ اور کرامیہ کی تردید بھی ہو گئی تردید کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ صرف زبانی ایمان لائے اور مشکلات پر صبر نہ کیا، کیونکہ فقط قول اور تصدیق بغیر عمل کے نفع مند نہیں ہوتے شرعی ایمان اس وقت تک صحیح نہیں قرار پاتا جب تک مندرجہ ذیل تین باتیں انسان کے اندر جمع نہ ہوں۔

(۱) دل سے تصدیق اور اس پر کاربند رہنا۔

(۲) زبان سے اقرار۔

(۳) اور اعضاء سے اس پر عمل کرنا۔

سلف امت اور اہل سنت کا یہی مسلک اور یہی عقیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ سچی بات کرنے میں مخلوق کی مداہنت سے بچنا چاہیے' اور بچے گا وہی جسے اللہ بچائے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ مرفوعًا : إِنَّ مِنْ ضُعْفِ الْيَقِينِ أَنْ تُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللهِ، وَأَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلَى رِزْقِ اللهِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کمزوری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے لوگوں کو خوش کرے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر لوگوں کی تعریف کرے

قولہ : عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ

اس حدیث کو ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے ۔ امام بیہقی نے بھی اسے نقل فرمایا ہے لیکن انہوں نے راوی محمد بن مروان السدی کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید یہ کہ اس کی سند میں عطیہ العوفی راوی ہے جس کو امام ذہبی نے ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

البتہ حدیث کا مفہوم درست اور صحیح ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاَنَّ اللهَ بِحِكْمَتِهٖ جَعَلَ الرَّوْحَ	اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کی بنا پر خوشی اور
وَالْفَرَحَ فِي الرِّضٰى وَالْيَقِينِ وَ	تازگی رضا اور یقین میں رکھی ہے اور ناراضی اور
جَعَلَ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ فِي الشَّكِّ وَالسَّخَطِ	شک میں غم و اندوہ کو جمع کر دیا ہے۔

قولہ : اِنَّ مِنْ ضُعْفِ الْيَقِينِ :

ضعف، کمزوری کو کہتے ہیں اور یقین کامل ایمان کا دوسرا نام ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اَلْيَقِينُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ	یقین پورا ایمان ہے۔
وَالصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ	اور صبر آدھا۔

اس روایت کو ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور امام بیہقیؒ نے کتاب الزھد میں حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فَإِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَعْمَلَ بِالرِّضَىٰ فِي الْيَقِيْنِ فَافْعَلْ. فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَإِنَّ فِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيْرًا	اگر تم رضا کے ساتھ یقین میں عمل کرنے کی استطاعت رکھتے ہو تو کر لو اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے تو جس چیز کو بُرا سمجھتے ہو اس میں صبر کرنا بہت سی بھلائیوں کا حامل ہے

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ اَصْنَعُ بِالْيَقِيْنِ	یا رسول اللہ! میں یقین کی دولت کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟
قَالَ: اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ	آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان یہ ہونا چاہیئے کہ جس مصیبت میں تم گرفتار ہو وہ بہرحال پہنچنے والی تھی اور جس سے بچ گئے ہو وہ پہنچ نہیں سکتی تھی۔

قولہ: اَنْ تُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر دوسروں کی رضا کو ترجیح دی جائے یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی شخص کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور اس کی علوشان کا جذبہ مفقود ہو۔ یہی وہ جذبہ ہے جس سے ربّ کریم کو ناراض کر کے مخلوقِ خدا کو راضی اور خوش کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ کریم ہی دلوں میں مختلف تصرفات کرتا ہے، غم و اندوہ کے حملوں سے انسان کو نجات بخشتا ہے اور اس کی بدکرداریوں کو آنِ واحد میں ختم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر دوسروں کی رضا کو ترجیح دینا شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ انسان نے اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو اہم گردانا۔

ایسے لوگوں کا قرب اس طرح حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

اس ناپسندیدہ عمل سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے اپنی اطاعت کی توفیق بخشے اور ان صفاتِ جلیلہ کی معرفتِ تامہ عطا کرے جو اس کی ذاتِ کبریا کی عظمت کے قابل ہیں اور ان تمام صفات سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزّہ سمجھے جو اس کے کمال کے منافی ہیں نیز اس کی توحیدِ ربوبیّت اور توحید الوہیّت کی معرفت بھی مکمل ہو۔

قولہ: وَاَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلٰى رِزْقِ اللّٰهِ

وَ أَنْ تَذُمَّهُمْ عَلَىٰ مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ ، إِنَّ رِزْقَ اللّٰهِ لَا يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيْصٍ وَ لَا يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ ۔

اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں دی اس کی وجہ سے لوگوں کی مذمت کرے۔
یاد رکھو، کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کو نہ کسی حریص کی حرص لا سکتی ہے اور نہ
کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے

یعنی جن لوگوں کے توسط سے رزق کی نعمت میسر آئی ہو، اس نعمت کو ان کی طرف منسوب کرنا اور ان کی تعریف میں لگے رہنا کیوں کہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی اس نعمت کو عطا کرنے والا ہے اُسی نے ان ذرائع سے یہ رزق بہم پہنچایا ہے اور جب وہ چاہتا ہے اس قسم کے خود بخود اسباب مہیا فرما دیتا ہے۔
کسی شخص کی تعریف نہ کرنا مندرجہ ذیل حدیث کے مخالف نہیں ہے

مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ[1]	جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔

لوگوں کا شکر ادا کرنے کی صورت صرف یہ ہوتی ہے کہ ان کے لیے دعا کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے نعمت عطا فرمائی ہے اس کے بدلے میں یا تو دعائے خیر کی جائے یا اس کا کوئی بہتر بدلہ دینے کی کوشش کی جائے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ	جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ چکاؤ
فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ	اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لیے اتنی دعا کرو
حَتَّىٰ تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ[2]	کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے بدلہ چکا دیا ہے۔

اچھے اور معروف عمل کو لوگوں کی طرف اس لحاظ سے منسوب کرنا کہ یہ ذریعہ اور سبب بنے ہیں درست ہے لیکن حقیقت میں یہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وجود میں آیا ہے۔

قولہ وَ اَنْ تَذُمَّهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ

---

[1] ابوداؤد، ترمذی، صحیح ابن حبان [2] ابوداؤد، نسائی، کشف الخفاء۔

کیونکہ جو چیز تو ان سے طلب کرتا ہے وہ تیرے لیے مقدر نہیں ہے۔ جو چیز تم نے کسی سے مانگی تھی اگر وہ تیرے مقدر میں ہوتی تو تجھے ضرور مل جاتی۔ پس جو شخص یہ سمجھ لے کہ

رزق دینے والا۔

رزق میں تنگی کرنے والا۔

اسباب اور بغیر اسباب کے رزق مہیا کرنے والا۔

اور بعض اوقات ایسی جگہ سے رزق عطا فرمانے والا جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تو ایسا شخص کسی کی نہ تعریف کرے گا اور نہ مذمت۔ بلکہ اپنے دین و دنیا کے تمام امور صرف اللہ تعالیٰ کو سونپ دے گا۔ اسی پر اعتماد کرے گا۔

اسی مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح واضح فرمایا ہے

إِنَّ رِزْقَ اللّٰهِ لَا يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيْصٍ وَ لَا يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ۔	نہ لالچی کی حرص خدا کے رزق کو کھینچ کر لا سکتی ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے۔

اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (فاطر۔ ۲)	جو رحمت اللہ لوگوں کے لیے بھیجے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ روک لے اس کے علاوہ اسے کوئی بھیجنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث میں لفظ یقین اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور ان انعامات کو جو وہ اپنے فرماں برداربندوں کو عطا فرمائے گا، شامل ہے نیز یہ لفظ اللہ کی تقدیر اور اس کی تدابیر کو بھی شامل ہے۔

لہٰذا جو شخص اللہ کریم کو ناراض کر کے اور اس کے احکام کی مخالفت کر کے مخلوق خدا کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایسے شخص کو اللہ کے رزاق ہونے اور اس کے وعدے پر ایمان اور یقین نہیں ہے۔ انسان یہ رویہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب وہ لوگوں کے پاس مختلف انعامات دیکھ کر ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور حقوق اللہ اور اس کے ارشادات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اس بے رخی کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ جو کچھ لوگوں کے پاس دیکھتا ہے اسے حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے

۲۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی سچائی، اس کی نصرت اور تائید پر ایمان بالکل کمزور ہے

اور دنیا و آخرت میں جو اجر جزیل ملنے والا ہے اس پر اعتماد مفقود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد

ضرور کرتا ہے۔

اسے رزق بھی فراخی سے ملتا ہے، وہ لوگوں کا دستِ نگر بھی نہیں رہتا۔ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی حاصل

کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے خوف کھاتا ہے اور ان سے امیدیں وابستہ کیے رکھتا ہے۔ یقین کا یہ انتہائی

کمزور پہلو ہے۔

جس چیز کی لوگوں سے امید ہوتی ہے اگر وہ حاصل نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کا ہونا ممکن ہی نہیں۔

ناکامی کی صورت میں لوگوں کی مذمت کرنا بھی یقین اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس لیے ہر

شخص کو چاہیئے کہ وہ نہ کسی سے ڈرے، نہ کسی سے امید باندھے اور نہ اپنی خواہشات کی بنا پر کسی کی مذمت کرے

کیونکہ محمود وہی شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تعریف کریں اور مذموم بھی وہی ہے جس کی

اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مذمت بیان کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جب بنی تمیم کا وفد آیا تو وفد کے ایک شخص نے بڑی

بے باکی سے کہا کہ

اَیْ مُحَمَّدُ! اَعْطِنِیْ فَاِنَّ حَمْدِیْ زَیْنٌ ، وَذَمِّیْ شَیْنٌ ۔	اے محمد! مجھے کچھ نہ کچھ ضرور دیجئے، کیونکہ میرا کسی کی تعریف کرنا باعثِ زینت اور میرا کسی کی مذمت کرنا باعثِ ذلت ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ذَاکَ اللّٰہُ	یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

زیر بحث حدیث سے ثابت ہوا، کہ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایمان

میں کمی بیشی ہوتی ہے اور اعمال اور ایمان کا آپس میں گہرا تعلق ہے

وعن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ أَرْضَى عَنْهُ النَّاسُ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی مول لے کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور لوگ بھی خوش ہو جاتے ہیں۔

قولہ: عن عائشة رضی اللہ عنہا

ابن حبان نے مندرجہ بالا الفاظ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ البتہ امام ترمذیؒ نے اہل مدینہ میں سے ایک شخص سے مندرجہ ذیل واقعہ تفصیل سے نقل کیا ہے کہ

• حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت عالیہ میں لکھا کہ آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں جو مختصر ہو، چنانچہ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا

سَلَامٌ عَلَيْكَ. أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ وَكَلَهُ اللهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔	تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ اما بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی مول لے کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کی امداد سے اس کو بے پروا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے کر لوگوں کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کے ہی سپرد کر دیتا ہے۔
(رواہ ابونعیم فی الحلیۃ)	والسلام علیک،

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ سَخَطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی کا طالب ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور لوگ بھی ناراض ہوتے ہیں

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی لکھا بھیجا

مَنْ اَرْضَى اللّٰهَ بِسَخَطِ النَّاسِ	جس نے لوگوں کو ناراض کر کے خدا کو خوش کیا
كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَ	اللہ اسے لوگوں کی تکالیف سے بچائے گا اور
مَنْ اَرْضَى النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ	جس نے خدا کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا
لَمْ يُغْنُوْا عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا	وہ اللہ کے مقابل اس کے کسی کام نہ آسکیں گے

حدیث کے مندرجہ بالا الفاظ مرفوعاً بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ موقوف حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں

مَنْ اَرْضَى اللّٰهَ بِسَخَطِ النَّاسِ	جس نے لوگوں کو ناراض کر کے خدا کو خوش
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَى عَنْهُ	کیا اس سے اللہ بھی راضی ہو جائے گا اور
النَّاسَ وَمَنْ اَرْضَى النَّاسَ	لوگوں کو اس سے راضی کر دے گا اور جس نے
بِسَخَطِ اللّٰهِ عَادَ حَامِدُهٗ	خدا کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا تو وہی
مِنَ النَّاسِ لَهٗ ذَامًّا۔	لوگ جو اس کی تعریف کرتے ہیں اس کی مذمت کرنے لگیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو سامنے رکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے۔ وہ تفقہ فی الدین کی عظیم الشان مثال ہے۔ کیونکہ جو شخص

لوگوں کی ناراضگی مول لے کر اپنے اللہ کو منا لیتا اور اس کو راضی کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے شریروں کے ظلم و ستم سے محفوظ فرما لیتا ہے اور ایسا شخص اللہ کا صالح بندہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صالحین کا ہی دوست اور والی ہے اور وہی اپنے بندے کے لیے کافی اور کارساز ہے وہ خود فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ (الطلاق۔ ۲۔۳)	جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے رستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔

اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں کی کفالت کرتا ہے جو شخص یہ خیال کرے کہ سب لوگ اس سے راضی اور خوش ہو جائیں تو یہ ناممکن بات ہے۔ لوگ اس وقت تک خوش رہیں گے جب تک ان کی اغراض پوری ہوتی رہیں گی۔ لیکن جب لوگوں کو انجام کا پتا چلے گا کہ

مَنْ اَرْضَی النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ لَمْ يُغْنُوْا عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا	جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے تو وہ اللہ کے مقابل اس کے کسی کام نہ آئیں گے

تو اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹیں گے، جیسے ظالم کی طرح جو اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹتا ہے۔

جو شخص اس دار فانی میں لوگوں کی بے حد تعریف کرتا ہے وہی آخرت میں ان کی مذمت کرے گا۔ آخرت تو متقین کے لیے ہی مخصوص ہے۔ یہ عام لوگوں کی خواہش کے مطابق ابتدا میں کیسے میسر آسکتی ہے؟

کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے ؎

اذا صح منك الود يا غاية المنى
فكل الذى فوق التراب تراب

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"جس شخص پر اس بات کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے کہ زمین پر جتنی بھی مخلوق خدا ہے وہ سب مٹی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تو وہ شخص مٹی کی اطاعت کو رب الارباب کی اطاعت

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ اٰلِ عِمْرَانَ۔

① سورۃ آلِ عمران کی تفسیر۔

الثانیۃ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ بَرَآءَةَ۔

② سُورۃ براۃ کی آیت کی تفسیر۔

پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے؟ یا ملک الاملاک اور اللہ کی ذات کو ناراض کر کے مٹی کو کیسے خوش کرنے کی کوشش کرے گا؟

اگر کسی بدنصیب نے ایسا کر دار ادا کیا تو ؟

إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ

زیر بحث حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں سے خوف کھائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر لوگوں کی خوشی کو ترجیح دے گا اسے سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اور خصوصاً شریعت اسلامیہ کے مطابق جو سزا ملے گی اس کی سختی کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سزا سے محفوظ رکھے آمین۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ (التوبہ - ۷۷)	ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔

الثالثة تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْعَنْكَبُوتِ۔

③ سُورَۃ العنکبوت کی آیت کی تفسیر۔

الرابعة أَنَّ الْيَقِيْنَ يَضْعُفُ وَ يَقْوٰي۔

④ یقین کمزور اور قوی ہوتا رہتا ہے۔

الخامسة عَلَامَةُ ضُعْفِهٖ وَ مِنْ ذٰلِكَ هٰذِهِ الثَّلَاثُ۔

⑤ یقین کے کمزور ہونے کی تین علامات کا ذکر۔

السادسة أَنَّ إِخْلَاصَ الْخَوْفِ لِلّٰهِ مِنَ الْفَرَائِضِ۔

⑥ خوف کو خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص کر دینا اِسلام کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔

السابعة ذِكْرُ ثَوَابِ مَنْ فَعَلَهٗ

⑦ جو شخص خوفِ الٰہی میں خلوص پیدا کر لیتا ہے اس کے اجر و ثواب کا ذکر۔

الثامنة ذِكْرُ عِقَابِ مَنْ تَرَكَهٗ۔

⑧ جس شخص کے خوفِ الٰہی میں ملاوٹ پیدا ہو گئی اس کی سزا کے متعلق گفتگو۔

باب

قول اللہ تعالیٰ

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین ○

اس باب میں

توکل علی اللہ

کو مومنوں کی ایک خاص علامت قرار دیا گیا ہے

ابوالسعادات رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"جب کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو اس وقت کہتے ہیں تَوَكَّلَ بِالْاَمْرِ اور جب کسی پر پورا اعتماد کر لیا جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے

وَكَّلْتُ اَمْرِيْ اِلٰى فُلَانٍ میں نے اپنے معاملہ میں فلاں شخص پر اعتماد اور بھروسہ کر لیا ہے۔

جب کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے سے عاجز آجائے یا کسی کو اپنا معتمد سمجھ کر اس پر بھروسہ کرے تو اس وقت کہا جاتا ہے

وَكَّلَ فُلَانٌ فُلَانًا ۔ فلاں نے فلاں کو اپنا معاملہ سپرد کر دیا۔

مصنف رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا آیت پر باب کا عنوان اس لیے قائم کیا ہے کہ توکل فرائض اسلام میں سے ایک ایسا فریضہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر صرف اللہ پر توکل کرے۔

عبادات کی جتنی بھی اقسام ہیں تَوَكُّلْ عَلَى اللّٰهِ ان تمام عبادات سے عظیم تر ہے کیونکہ اعمالِ صالحہ کا دارومدار توکل ہی پر ہے۔

جب ایک انسان ساری دنیا سے کٹ کر اپنے دینی اور دنیاوی تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیتا ہے تو اس کے اخلاص میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور اس کا معاملہ اللہ سے ہو جاتا ہے۔

توکل علی اللہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی بڑی بڑی منزلوں میں سے ایک منزل ہے لہذا توحید کی تینوں قسمیں اُس وقت مکمل نہ ہوں گی جب تک توکل علی اللہ کامل نہ ہو گا۔ جیسا کہ زیر نظر آیت سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا	کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے
اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ○ (یونس۔ ۸۴)	ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو۔

ایک مقام پر اس کی یوں وضاحت فرمائی

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ	سوا کوئی خدا نہیں ہے لہذا اسی کو اپنا وکیل
وَكِيْلًا ○ (المزمل۔ ۹)	بنالو۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"توکل صرف دل کا عمل ہے"

پیشِ نظر آیت کریمہ کی تشریح میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے جس سے پتا چلا کہ جس دل میں توکل نہیں وہاں ایمان نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا	کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان
اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ (یونس۔ ۸۴)	رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو۔

اس آیت کریمہ میں توکل کو اسلام کی صحت کا معیار قرار دیا گیا پس جس شخص کا ایمان قوی ہوگا اس کا توکل علی اللہ بھی مضبوط ہوگا اور اگر خدانخواستہ ایمان کمزور ہوگیا تو توکل کا کمزور ہونا بھی یقینی ہے۔ اسی طرح جس کا توکل علی اللہ کمزور ہوگا اس کا ایمان بھی کمزور ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں کبھی تو توکل اور عبادت کو یکجا بیان فرماتا ہے، کبھی توکل اور ایمان کو اور کبھی توکل اور تقویٰ کو اور کبھی توکل اور اسلام کو اور کبھی توکل اور ہدایت کو۔

پس معلوم ہوا کہ ایمان اور احسان کے تمام اہم مقامات پر توکل علی اللہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ کہ اسلام کے تمام اعمال میں توکل کا وہی مقام اور اس کی وہی حیثیت ہے جو بدن انسانی میں سر کی ہے۔ جیسے بدن سر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان اور اس کے مقامات اور اعمال توکل علی اللہ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

سچے اہلِ ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دِل اللہ کا ذکر سُن کر لرز جاتے ہیں۔
اور جب اللہ کی آیات اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے
اور وہ اپنے ربّ پر اعتماد رکھتے ہیں۔

"جو شخص مخلوق سے اُمیدیں وابستہ کر لیتا ہے اور مخلوقِ خدا پر ہی توکل اور بھروسہ کر بیٹھتا ہے وہ اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ مشرک ہے اور مشرک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا	جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا ہے
خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ	گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے پرندہ اچک
أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي	لے گا یا ہوا اس کو دُور دراز مکان میں
مَكَانٍ سَحِيقٍ ○ (الحج - ۳۱)	پھینک دے گی۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توکل علی اللہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایسے امور میں غیر اللہ پر توکل کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، جیسے وہ لوگ جو فوت شدگان یا طاغوت وغیرہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی امداد کریں گے یا حفاظت کا فریضہ ادا کریں گے یا رزق وغیرہ دیں گے یا قیامت کے دن سفارش کریں گے، یہ عقیدہ شرکِ اکبر ہے۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ظاہری اسباب و ذرائع پر بھروسہ کر لیا جائے جیسے کسی امیر یا بادشاہ پر یہ بھروسہ کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اسے دیا ہے اس میں سے ہم کو بھی دے گا یا کسی بیرونی طاقت کے شر سے بچاؤ کی اُمید کر لی جائے تو یہ شرکِ اصغر کی ایک قسم ہے۔

جائز وکالت یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر وکیل بنائے جس پر اسے قدرت حاصل ہو اور وکیل بنانے کے بعد بھی وکیل پر اعتماد اور بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ توکل اور کلی اعتماد اللہ تعالیٰ پر رکھے کہ وہ اس کام کو نائب اور وکیل پر آسان کر دے۔ نائب اور وکیل پر اعتماد کے بجائے ربِ کریم پر اعتماد کرے جو حقیقی مسبّب الاسباب ہے۔

قولہ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ :

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

" پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامات بیان فرمائی ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے وقت بھی ان کے دل میں ذکر اللہ کی جھلک نظر نہیں آتی۔

- ○ —— نہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ان کا ایمان ہے۔
- ○ —— نہ توکل علی اللہ کے قائل ہیں۔
- ○ —— جب مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے
- ○ —— اور اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے۔
- ○ —— اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ مؤمن ہی نہیں ہیں۔

منافقین کی علامات بیان کرنے کے بعد مومنین کی صفاتِ حسنہ کو بیان کیا گیا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا	سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ	اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور
قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ	جب اللہ کی آیات اُن کے سامنے پڑھی
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ	جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ
اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ	اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔
يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ (الانفال - ۲)	(ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

مومن ہی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض ادا کرتا ہے۔"

دل کے کپکپا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دینے اور جن سے روکا گیا ہے ان کو چھوڑ دینے کے لیے مستعد اور چوکس ہو جاتا ہے۔

زیر نظر آیت کے بارے میں السُّدی کہتے ہیں

، اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی پر ظلم کرنے کے لیے کمربستہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اُس کی بغاوت پر آمادہ ہو۔ اسے کہا جائے کہ اِتَّقِ اللّٰہَ اِتَّقِ اللّٰہَ یہ لفظ سنتے ہی اُس پر ہیبت طاری ہو جائے اور اس کا دل کانپنے لگے ۔" (رواہ ابن ابی شیبہ، وابن جریر)

قولہٗ: وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ :

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہ اللہ تبع تابعین رحمہ اللہ اور تمام اہل سُنّت نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔

حضرت عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں

اِنَّ الْاِيْمَانَ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ	ایمان بڑھتا گھٹتا ہے
قِيْلَ لَهٗ	ان سے سوال کیا گیا
وَمَا زِيَادَتُهٗ وَنُقْصَانُهٗ ؟	کیسے بڑھتا گھٹتا ہے ؟
قَالَ :	انہوں نے جواب دیا
اِذَا ذَكَرْنَا اللّٰهَ	جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اُس
وَخَشِيْنَاهُ فَذٰلِكَ	کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو ایمان کا
زِيَادَتُهٗ	یہی بڑھنا ہے۔
وَاِذَا غَفَلْنَا وَنَسِيْنَا	اور جب ہم غفلت کرتے یا بھول جاتے
وَضَيَّعْنَا فَذٰلِكَ	یا اس کے احکام کو ضائع کر دیتے ہیں تو یہ
نُقْصَانُهٗ (ابنِ سعد)	ایمان کا کم ہونا ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کا قول و عمل سے پتا چلتا ہے" (رواہ ابن ابی حاتم)

امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابو عبید رحمہ اللہ نے ایمان کے بڑھنے گھٹنے پر اجماعِ اُمّت بیان کیا ہے۔

قولہٗ: وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

یعنی مومنین کی صفات یہ ہیں

- ○ وہ دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔
- ○ اپنے تمام دینی اور دنیاوی امور کو اللہ ہی کی طرف سونپ دیتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانفال:۶۴)

اے نبیؐ! تمھارے لیے اور اہلِ ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔

- ○ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتے۔
- ○ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔
- ○ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔
- ○ مومنین کو یہ یقین ہے کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا۔
- ○ اور جو اس کی مشیت کے خلاف ہے اس کا وجود میں آنا ممکن نہیں۔
- ○ اللہ تعالیٰ اپنی مملکت میں واحد متصرف ہے۔
- ○ اور وہی اکیلا معبودِ حقیقی ہے۔

زیرِ نظر آیت کریمہ میں مخلص مومنین کے خاص طور پر تین اعلیٰ مقام بتائے گئے ہیں اور تین علامات بیان کی گئی ہیں۔

۱ـــــــ خوفِ الٰہی۔

۲ـــــــ ایمان میں اضافہ

۳ـــــــ اور صرف اللہ تعالیٰ پر توکل۔

یہ تین مقامات ایسے ہیں جن سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ ظاہری اور باطنی اعمال انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے

نماز: جو شخص نماز قائم کرے اس کی حفاظت بھی کرے اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس عمل صالح کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ دوسرے واجبات پر بھی عمل کرے گا اور محرمات کو چھوڑ دیگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ۗ (العنکبوت۔ ۴۵)

نماز ہر برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بلند و بالا ہے۔

قولہٗ : يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ :

اس آیت کریمہ کے معنی علامہ ابن قیم رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اور آپ کے متبعین کو صرف اللہ ہی کافی و وافی ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی پسند فرمائے ہیں۔

بعض نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ

"آپ کو اللہ تعالیٰ اور مومنین کافی ہیں۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"یہ معنی بہت غلط ہیں۔ آیت کریمہ کو اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جیسے تمام عبادات مثلاً توکل اور تقویٰ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں اسی طرح کفایت اور حسب بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ	اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے
فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ	لیے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی
الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ	مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال - ۶۲)	تائید کی۔

اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے "حسب" اور تائید کو الگ الگ بیان فرمایا ہے "حسب" کو صرف اپنی طرف منسوب فرمایا اور "تائید" کو اپنی مدد و نصرت اور مومنین دونوں کی طرف نسبت فرمائی ہے۔

اور خصوصاً اپنے ان بندوں کی جو اہل توحید ہیں، اس بات پر تعریف کی ہے کہ انہوں نے "حسب" کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کیا ہے جیسا کہ اہلِ توحید کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ	اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے
اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ	خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو
فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ	تو یہ سُن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں
وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ	نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کافی

الْوَكِيلُ ○ (آل عمران - ۱۷۳) ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

مؤمنین نے حسبنا اللہ ورسولہ نہیں کہا

ایک جگہ پر اسی کو یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ ۙ اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○ (التوبة - ۵۹)

وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم پر عنایت فرمائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں۔

اس آیت پر ذرا غور فرمائیے کہ مؤمنین موحدین نے "ایتاء" کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی طرف اور "حسب" کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ حسبنا اللہ ورسولہ بلکہ حسب کو خالص اللہ کا حق قرار دیا ہے جیسے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ان کی بات کو یوں نقل فرماتا ہے کہ

اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○ ہم اللہ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں رغبت کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ اور اپنے رب ہی کی طرف نظر جمائے رکھو۔

پس ثابت ہوا کہ رغبت، توکل، انابت اور حسب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ جیسے عبادت، تقویٰ، سجدہ، نذر و نیاز اور قسم وغیرہ صرف اللہ کے لیے ہیں"

مندرجہ بالا بحث سے آیت زیر نظر کا باب سے تعلق بھی معلوم ہوگیا۔ وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ ہی اکیلا اپنے بندے کا کارساز ہے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اسی ایک وحدہٗ لاشریک پر توکل اور اعتماد کرے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمتوں کو روک لیتا ہے اور انسان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے جیساکہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے

مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ اِلَيْهِ

جو شخص اپنا دلی تعلق کسی بھی غیر اللہ سے جوڑے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق : ۳)

جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔

قولہٗ: وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حَسْبُهٗ کے معنی ہے نگران اور جس کا اللہ نگران اور کفایت کنندہ ہو تو ایسے آدمی کا اس کا دشمن کچھ بھی بیگاڑ نہیں سکتا سوائے اس تنگی کے جس کا وقوع تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس سے چارہ بھی نہیں جیسے گرمی، سردی، بھوک پیاس سے چارہ نہیں اور ایسی تکلیف وہ اس کو کبھی نہیں دے سکتا جس سے اس کی مراد برآئے اور اذیتی (جو کہ ظاہر میں ایذاء اور حقیقت میں اس پر احسان ہے اور دشمن کے لیے ضرر ہے) اور ضرر (جس سے وہ تشفا چاہتا ہے) میں بہت فرق ہے۔

بعض سلف نے کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کی جزاء اس کی ذات سے رکھی ہے اور اللہ پر توکل کی جزا اس کو کفایت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسکا نگران ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو اتنا اتنا اجر ملے گا، جیسا کہ دوسرے اعمال میں کہا ہے بلکہ متوکل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کافی اور اس کا محافظ بنایا ہے۔ اگر بندہ اللہ تعالیٰ پر پوری طرح توکل کرے اور اس کے خلاف زمین اور آسمان اور ان میں رہنے والی مخلوقات اس کے خلاف تدبیر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی کشادگی کی راہ پیدا کرے گا اور رزق اور مدد میں اس کی کفایت کرے گا۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک کتاب میں فرمایا ہے کہ

مجھے اپنی عزت کی قسم! جو شخص صرف مجھے ہی اپنا ملجأ و مأویٰ بنالے۔ اس کے بعد اگر

ساتوں آسمان اور اس کے رہنے والے اور ساتوں زمینیں اور اس میں رہنے والے سب مل کر بھی میرے اس خاص بندے کے خلاف محاذ قائم کرلیں تو میں اپنے بندے کو پھر بھی ان کے چنگل سے بچا لوں گا۔

اور جو شخص مجھے چھوڑ دے اور مجھ سے اعراض کرلے، تو میں تمام اسباب کو ختم کر دوں گا اور اس کے قدموں تلے سے زمین نکال کر اس کو فضا میں معلق کر دوں گا اور اسے اس کے نفس ہی کے سپرد کر کے چھوڑ دوں گا۔

خبردار!! میں اپنے بندے کے لیے اکیلا کارساز ہوں جب تک میرا بندہ میری اطاعت و فرمانبرداری میں رہے گا، میں اسے بغیر سوال کیے دیتا چلا جاؤں گا اور اس کی پکار سے پہلے اس کی دعا قبول کروں گا۔ کیونکہ میں اس کی حاجت کو اس سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہوں۔"

پیشِ نظر آیت کریمہ میں توکل علی اللہ کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلب منفعت اور دفع ضرر کے لیے توکل علی اللہ بہت بڑا سبب اور ذریعہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ توکل کے ساتھ ساتھ اسباب اور ذرائع کو بروئے کار لانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے تقویٰ کا ذکر فرمایا اور بعد میں توکل بیان کیا۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (المائدہ۔ ۱۱) اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پہ بھروسہ کرنا چاہیے۔

یہاں تقویٰ کو توکل کے ساتھ اس لیے بیان فرمایا کہ تقویٰ ان اسباب کو شامل ہے جن اسباب کی شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہے اور اس بات کو بطور خاص ذہن میں رکھنا چاہیے کہ توکل بغیر شرعی اسباب کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگرچہ اس میں ایک طرح کا توکل پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ اپنے عجز کو توکل اور توکل کو عجز نہ سمجھے بلکہ ان تمام اسباب کو جن سے اپنا مقصود حاصل کرنا ہو، بروئے کار لائے اور جو جائز اسباب مہیا ہو سکیں، ان کو ترک نہ کرے۔

(علامہ ابن قیم نے بھی اسی بات کو ذکر کیا ہے)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ، قَالَهَا إِبْرَاهِيمُ علیہ السلام حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ " حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت کہا جب اُنھیں آگ میں ڈالا گیا تھا۔

قولہ : حَسْبُنَا اللّٰهُ :

معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کارساز ہے ہم اسی پہ توکل اور بھروسہ کریں گے جیسا کہ

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے

(الزمر - ۳۶)

قولہ : نِعْمَ الْوَكِيلُ :

یعنی جس اللہ تعالیٰ پر ہم نے بھروسہ کیا اور اس کو اپنا وکیل بنایا ہے وہ بہت ہی عمدہ اعلیٰ اور ارفع ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ (الحج - ۷۸)

اور اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔

اور نِعْمَ کا مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی هُوَ (معنی یہ ہوا کہ وہی اچھا مددگار ہے)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

۔ جو شخص اللہ پر توکل کرے اور اسی کی طرف راجع ہو، اللہ تعالیٰ اس کا کفیل اور کارساز بن جاتا ہے کیونکہ وہی ایک ذات کبریا ایسی ہے جہاں خوف زدہ کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور امن کے متلاشی کو پناہ ملتی ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا دوست بن جائے، اسی سے امداد کا طالب ہو، اسی پر توکل کرے اور کُلی طور پہ تمام دنیا سے کٹ کر اللہ کریم سے جُڑ

وَقَالَهَا مُحَمَّدٌ ﷺ حِيْنَ قَالُوْا لَهُ : إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَّقَالُوْا : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔ رواہ البخاری والنسائی

اور آں حضرت ﷺ نے اُس وقت کہا جب جنگِ اُحد کے اختتام پر لوگوں نے کہا کہ دشمن تمہارے لیے فوجیں جمع کر رہا ہے اس سے ڈرو، تو اس سے مسلمانوں کا ایمان اور مضبوط ہوا اور بڑھا۔

جائے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے، اس کو اپنی حفاظت، اپنے امان اور اپنی پناہ میں لے لیتا ہے جو شخص اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو امان اور اطمینان کی دولت سے نوازتا اور پھر جس چیز کی بندے کو ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ وہ چیز فراوانی سے اس کو عطا فرما دیتا ہے۔"

قولہ :- قَالَهَا إِبْرَاهِيْمُ حِيْنَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں کہ

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا	انہوں نے کہا: "جلا ڈالو اس کو اور حمایت
اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○	کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے"
قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا	ہم نے کہا: "اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور
وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ○	سلامتی بن جا ابراہیم پر۔
وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا	وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے
فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○	ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔

(انبیاء - ۶۸، ۶۹، ۷۰)

قولہ : وَقَالَهَا مُحَمَّدٌ ﷺ

یہ جنگِ احد کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔

غزوہ احد میں شکست کھانے کے بعد جب قریش مکہ، مدینہ طیبہ کی حدود سے باہر نکلے تو آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی کہ ابوسفیان جو اس وقت لشکرِ کفار کا سپہ سالار تھا دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو آنحضرت ﷺ بھی ستر جانباز سوار صحابہ کرام کو لیکر اس کے مقابلہ کیلئے حمراء الاسد[1] نامی مقام پر دشمن حملہ آوروں کو روکنے کے لیے تشریف لے گئے۔

یہ سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا اور وہ اپنے لشکر کو لے کر سیدھا مکہ کی طرف روانہ ہوگیا راستے میں ابوسفیان کو عبدالقیس کا ایک قافلہ ملا۔

ابوسفیان نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟

انہوں نے جواب دیا مدینہ جانا چاہتے ہیں۔

ابوسفیان بولا۔

مدینہ جاکر ہمارا پیغام محمد ﷺ کو پہنچا دو گے؟

انہوں نے کہا کیوں نہیں، ضرور پہنچائیں گے۔

ابوسفیان نے یہ پیغام دیا کہ

جب مدینہ پہنچو تو مسلمانوں سے کہنا کہ ہم نے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری مکمل کرلی ہے تاکہ تم سب مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

چنانچہ عبدالقیس کا یہ قافلہ جب حمراء الاسد پہنچا تو ابوسفیان کی یہ بات بھی آنحضرت ﷺ کو سنا دی اس وقت تک ابھی حمراء الاسد ہی میں قریش کے انتظار میں تھے۔ اس وقت آنحضرت نے یہ دعا پڑھی فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے اس واقعہ میں اس عظیم الشان دعائیہ جملہ کی عظمت اور فضیلت کا پتا چلتا ہے کیونکہ یہ دو خلیلوں کا متفقہ دعائیہ جملہ ہے اور وہ بھی انتہائی مشکل وقت میں ایک حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

جب تم کسی بڑی مصیبت میں گھر جاؤ تو یہ دعا ورد زبان رکھا کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کردے گا۔ وہ عظیم دعا یہ ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ

---

[1] حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے (معجم البلدان)

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: أَنَّ التَّوَكُّلَ مِنَ الْفَرَائِضِ

① توکّل علی اللہ فرائضِ اسلام میں سے ہے۔

الثانیۃ: أَنَّهُ مِنْ شُرُوطِ الْإِيمَانِ

② ایمانِ صادق کی سب سے بڑی شرط یہی توکّل ہے۔

الثالثۃ: تَفْسِيرُ آيَةِ الْأَنْفَالِ

③ سورہ انفال کی ایک آیت کی تفسیر

الرابعۃ: تَفْسِيرُ الْآيَةِ فِي آخِرِهَا۔

④ سورۂ انفال کی آخری آیت کی تفسیر۔

الخامسۃ: تَفْسِيرُ آيَةِ الطَّلَاقِ

⑤ سورہ الطلاق کی ایک آیت کی تفسیر

السادسۃ: عِظَمُ شَأْنِ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ أَنَّهَا قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدٍ ﷺ فِي الشَّدَائِدِ

⑥ کلمہ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" کی عظمت اور اہمیّت کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ مشکل اور مصیبت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ دونوں نے اسے پڑھا۔
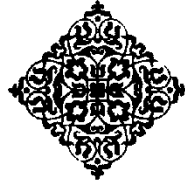
بسم قول اللہ تعالیٰ
أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ
إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ
کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں ؟
حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف
ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔
۷ــــ۹۹

قولہ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ ؟ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (۷-۹۹)

کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں - حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو -

اس مقام پر اس آیت کریمہ کے ذکر سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصد یہ تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہوجانا بالکل اسی طرح کے عظیم گناہوں میں سے ہے اور توحید الٰہی کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوجانا بہت بڑا گناہ ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ خوف اور رجاء کی کیفیتوں کے درمیان اپنی زندگی بسر کرے جیسا کہ کتاب وسنت اور سلف امت نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

زیر نظر آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا حال ذکر کرتے ہوئے وہ سبب بیان کیا ہے جس نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا، اور وہ تھا۔ انکا اللہ تعالیٰ کی گرفت اور پکڑ سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھنا اور اس سے بے خوف ہوجانا اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝	پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں ؟ یا انہیں اطمینان ہوگیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف-۹۷، ۹۸، ۹۹)

جب کہ وہ کھیل رہے ہوں ؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں ؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

ان کے اس مکروہ کردار کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر نعمتوں سے نوازا اور مال و دولت میں اس قدر فراوانی عطا فرمائی کہ یہ لوگ اس بات کو قطعاً بھول گئے کہ یہ مال و متاع بھی ہماری گرفت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" وہ شخص بڑا بے وقوف اور احمق ہے جس پر دنیا کے مال و متاع کے دروازے کھول دیے جائیں اور وہ اس کو اپنے لیے آزمائش اور امتحان نہ سمجھے "

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" ایک قوم نے اللہ تعالےٰ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی کی اور اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم کو گرفت میں نہیں لیا حتیٰ کہ وہ اللہ کے انعام واکرام کی وجہ سے عیش و عشرت میں پڑ گئے اور اس عارضی وسعتِ رزق سے دھوکا کھا بیٹھے پس اب کسی شخص کو دھوکے میں نہ آنا چاہیے "

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِذَا رَاَيْتَ اللّٰهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَاِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ

(رواہ احمد وابن جریر وابن ابی حاتم)

انسان کی نافرمانیوں پر اگر اللہ تعالیٰ اس کی پسند کے مطابق دنیا کا مال و متاع دیتا چلا جائے تو اس کے معنیٰ صرف اسے ڈھیل دینا ہے۔

اسماعیل بن رافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہونے کی سب سے بڑی علامت

قولہ تعالیٰ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ إِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○ (الحجر: ٥٦)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اپنے ربّ کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہُوا کرتے ہیں۔

یہ ہے کہ انسان گناہ کرتا چلا جائے اور اس پر مغفرت کی اُمید رکھے۔"

(رواہ ابن ابی حاتم)

بعض متقدمین اہلِ علم نے مکر اللہ کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے۔

"جب انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو بعض اوقات اللہ اسے ڈھیل دے دیتا ہے اور مزید انعام واکرام کی بارش کر دیتا ہے اور پھر اسے اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔"

مکر اللہ کی یہ مختصر سی تشریح تھی جو مختلف علمائے کرام اور محدثین عظام کی عبارات سے پیش کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

قولہ: وَمَنْ يَّقْنَطُ

اللہ سے نا اُمید ہونے اور اس کی طرف سے مصائب کے حل کو مستبعد سمجھنے کو قنوط کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اللہ کی گرفت سے بے خوف ہونا ہے۔ یہ دونوں کبیرہ گناہوں میں سے ہیں اور تصوّرِ توحید کے منافی ہیں۔

زیرِ نظر آیت کو اور اس سے پہلے بیان کی گئی آیت کریمہ کو مصنف رحمہ اللہ نے اس لیے یک جا بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اُس کو رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ خوف اور اُمید کے بین بین زندگی گزارنا چاہیے۔ انسان اپنے گناہوں سے ڈرتا اور اُس کی اطاعت میں عمل صالح کرتا رہے اور پھر اُس کی رحمت کا اُمیدوار بھی رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ (بھلا اس شخص کی روش بہتر ہے یا

الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ (الزمر - ۹)

اس شخص کی) جو مطیعِ فرمان ہے رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے ربّ کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؟

دوسرے مقام پر فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (البقرۃ - ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمتِ الٰہی کے جائز اُمیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے اُنہیں نوازنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کو چھوڑ کر نافرمانی اور گناہوں پر اصرار کرنا اور اس پر بخشش کی اُمید رکھنا شیطان کا زبردست دھوکا اور فریب ہے تاکہ بندے کو خوف ناک کیفیت میں ڈال دے اور ان اسباب و ذرائع کے قریب بھی نہ آنے دے جن کی وجہ سے انسان نجات حاصل کر سکے۔

لیکن اہلِ ایمان اور توحید میں پکّے افراد کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ان اسباب سے دست کش نہیں ہوتے جن سے کامیابی اور نجات ممکن ہے وہ اللہ کے عذاب سے بھاگتے اور اُس کی بخشش کی اُمید رکھتے ہیں اور ان کے سینوں میں اجر و ثواب کی توقع پنہاں ہوتی ہے۔

آیت زیرِ بحث کا معنیٰ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب فرشتوں نے حضرت خلیل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوش خبری سنائی تھی چنانچہ اس خوش خبری پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا

اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ

کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالْيَأْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ وَالْأَمْنُ مِنْ مَّكْرِ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (۳) اور اللہ کی گرفت سے بے خوف رہنا (کبیرہ گناہ ہیں)

مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ○ (الحجر - ۵۴)

بشارت دیتے ہو۔ ذرا سوچو تو سہی کہ یہ کیسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو؟

کیونکہ دنیا کا عام دستور یہ ہے کہ جب انسان خود اور اس کی بیوی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر اولاد کا پیدا ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ وہ تو عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تعجب خیز جملہ کو سن کر فرشتوں نے کہا

بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ — ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں۔

ہم نے جو خوش خبری دی ہے اس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی چیز درمیان میں حائل اور رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لیے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ — تم مایوس نہ ہو

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ — اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ الْأَمْنُ مِنْ مَكْرِ اللّٰهِ وَ الْقُنُوطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ وَ الْيَأْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (رواہ عبد الرزّاق)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اُس کے مکر سے بے خوف ہونا، اُس کی رحمت اور اُس کے کرم سے نا اُمیّد اور مایُوس ہونا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ (الحجر۔ ۵۶) ہوتے ہیں جو گمراہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی رحمت کی وسعتوں کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے صرف تعجب اور حیرت سے فرمایا تھا

اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ ؟

قولہ : اَلضَّآلُّوْنَ

اس کے دو معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔

۱ وہ لوگ جو صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر شیطان کی بتائی ہوئی غلط راہ پر جا رہے ہوں۔

۲ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ کافر ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔

دوسرے معنیٰ کی تائید مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یوسف۔ ۸۷) اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی نا اُمید نہیں ہوتا۔

قولہ : عن ابن عباس

اس حدیث کو بزار اور ابن ابی حاتم دونوں نے نقل فرمایا ہے۔ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ شبیب بن بشر کے متعلق اگرچہ ابن معین رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے لیکن ابو حاتم نے اسے کمزور بتلایا ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے بلکہ یہ روایت موقوف زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

قولہ : اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ

تمام کبیرہ گناہوں میں شرک سب سے کبیرہ گناہ ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا توحید ربوبیّت کو ختم کرنے، توحید الوہیّت کو ناقص قرار دینے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں سُوءِ ظن کے مترادف ہے"

اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا اور اپنی مخلوق کی خیر خواہی کے لیے فرمایا

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○ (الانعام-۱) — اللہ تعالیٰ کے منکر اوروں کو اللہ کے برابر کرتے ہیں۔

سُورۂ لقمان میں ارشاد فرمایا

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان - ۱۳) — اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر شرک جیسے گناہ کو بغیر توبہ کیے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا

قولہ وَالْيَأْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

یعنی جن اُمور کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے اور جن اُمور کی توقع کی جاتی ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے اُمید اور توقع کو ختم کر لینا نااُمیدی کہلاتا ہے۔

اللہ کے بارے میں یہ سُوءِ ظن کی بدترین مثال ہے۔ اس کی رحمتِ لازوال سے نااُمیدی، اس کی جُودتِ بے پایاں سے قنوطیت اور اس کی مغفرت لابدی سے صرفِ نظر کر لینے کا ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

قولہ : اَلْاَمْنُ مِنْ مَكْرِ اللّٰهِ

یعنی انسان کو مہلت پر مہلت دیتے جانا اور اس کے دل سے ایمان کی دولت کو سلب کر لینا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں بڑا جاہل اور بے وقوف ہے اور اپنے بارے میں خود فریبی میں مبتلا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زیر بحث حدیث میں صرف تین کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے کبیرہ گناہ ہیں۔ کتاب و سنت میں ان تین کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ یہ تمام کبیرہ گناہوں میں سرفہرست ہیں۔

محققین علمائے کرام و محدثینِ عظام کی تصریحات کے مطابق کبیرہ گناہ کے متعلق مندرجہ ذیل اصول سامنے رکھنے چاہئیں کہ

○ ہر گناہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ جہنم کی وعید سنائے۔
○ یا جس کے مرتکب کو ملعون قرار دیا جائے۔
○ یا اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کی وعید سنائی جائے۔
○ یا بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایمان کی نفی کی جائے۔

وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔

○ وہ بھی کبیرہ گناہ ہے جس کے مرتکب سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برأت کا اظہار کر دیں۔
○ یا جس کے فاعل کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے
○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کبیرہ گناہ تقریباً سات سو تک پہنچتے ہیں، جن میں سات سخت ترین ہیں۔ لیکن یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ استغفار کرنے پر کوئی کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اس پر اصرار کیا جائے تو کوئی صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔

قولہ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

اس روایت کو ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کئی صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔

قولہ : اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ : اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی ربوبیت میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔

قولہ : وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

ابو السعادت رحمہ اللہ اس کا ترجمہ

هُوَ اَشَدُّ الْیَاْسِ انتہائی مایوس ہو جانا۔

کرتے ہیں۔

زیرِ بحث حدیث میں خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کو خوف اور رجا کے درمیان رہنا چاہیے جب وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اُس کی رحمت سے مایوس اور بددل نہ ہو۔ بلکہ اُس کی رحمت کی اُمید کا چراغ دل میں روشن رکھے۔

سلف صالحین پسند کرتے تھے کہ صحت میں خوف غالب رہے اور بیماری میں اُمید غالب ہو جائے۔

ابو سلیمان الدارانی رحمہ اللہ کا یہی طریقہ اور یہی دستور تھا بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ "دل پر خوف کا غلبہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر خوف پر رجا غالب آ گئی تو دل کی دنیا میں فساد بپا ہو جائے گا۔

مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی میں خوف کو اُمید پر مقدم گردانا گیا اور پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (الملك-١٢)	جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر۔
يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ (النور-٣٧)	وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دِل اُلٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائے گی۔
وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ (المؤمنون-٦٠، ٦١)	اور جو دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور اُن کے دِل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ان کے لیے آگے نکل جاتے ہیں۔
أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ (الزمر-٩)	کیا جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام سے خدا کی عبادت کرتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا اُمیدوار ہے۔

ان آیات میں خوف کو اُمید پر مقدم رکھا ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ **تَفْسِیْرُ اٰیَةِ الْأَعْرَافِ**

① سورۃ الاعراف کی آیت کی تفسیر اور توضیح

الثانیۃ **تَفْسِیْرُ اٰیَةِ الْحِجْرِ**

② سورۃ الحجر کی آیت کی تفسیر

الثالثۃ **شِدَّةُ الْوَعِیْدِ فِیْمَنْ اَمِنَ مَکْرَ اللّٰهِ**

③ اُس شخص کو سخت وعید اور ڈانٹ جو اللہ کریم کی گرفت سے بے خوف زندگی گزار رہا ہو۔

الرابعۃ **شِدَّةُ الْوَعِیْدِ فِی الْقُنُوْطِ۔**

④ اُس شخص کو بھی تہدید جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے

باب

من الایمان باللّٰہ

الصبر علی اقدار اللّٰہ

اس باب میں

یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کیا جائے

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (التغابن : ١١)

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اللہ اُس کے دِل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تقریباً نوّے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔

صحیح مسلم اور مسند امام احمد کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ ۔ صبر ایک نور ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ صبر سے بہتر اور وسعت پذیر چیز کسی کو نہیں دی گئی، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں

"ہم نے اپنی زندگی کے اُس حصّہ کو بہتر پایا جس میں صبر ہے"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"ایمان میں صبر کو وہی مقام حاصل ہے جو انسان کے بدن میں سر کو حاصل ہے یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا دیکھو، اُس شخص کا ایمان ہی نہیں ہے جس میں صبر کی صلاحیت نہیں ہے"

صبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس پر ضبط کرے۔ زبان کا صبر یہ ہے کہ شکوہ و شکایت کے الفاظ زبان سے نہ نکلیں اور اعضاء کا صبر یہ ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت اپنے چہرے کو نہ نوچا جائے، نہ گریبان چاک کیا جائے

صبر تین امور سے تعبیر ہے۔

١ ـــــ اللہ تعالیٰ کے احکام کو عملی جامہ پہنانا۔

٢ ـــــ اللہ تعالیٰ کے منع کردہ اُمور سے مجتنب رہنا اور ان کو ترک کرنا اور

٣ ـــــ مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔

قولہٗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

اِس آیت کریمہ کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (التغابن - ۱۱)

کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اِذن ہی سے آتی ہے۔

یعنی ہر قسم کی مصیبت اور آزمائش اللہ تعالیٰ کی مشیت، ارادے اور اس کے حکم کے بعد ہی انسان کو پہنچتی ہے۔ ایک آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ ۚ (الحدید - ۲۲)

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۞ (البقرہ - ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷)

جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے"؛ انہیں خوشخبری دے دو کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں۔

الا باذن اللہ کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کرتے ہیں الا بامر للہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی انسان مصائب کا شکار ہوتا ہے۔

قولہ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ:

یعنی جو شخص مصائب و مشکلات میں گھر جائے اور یہ سمجھے کہ یہ مصائب و آلام اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہی سے نازل ہوتی ہیں۔ پھر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اجر و ثواب کا اُمیدوار رہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضامند ہو کر اسے تسلیم کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دِل کو ثابت قدم بھی رکھتا ہے اور صراطِ مستقیم سے بھی دُور نہیں جانے دیتا اور نتیجۃً جو کچھ اُس سے ضائع ہو جاتا ہے، اللہ اُس سے کہیں زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔ اس کا دل نورِ ہدایت سے منور ہو جاتا ہے اور صدقِ یقین کی بے مثل دولت اُس کے دِل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

قال علقمة رضي الله عنه : هُوَ الرَّجُلُ تُصِيبُهُ الْمُصِيبَةُ فَيَعْلَمُ أَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللهِ فَيَرْضَى وَ يُسَلِّمُ۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ شخص ہے جسے کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے اس لیے اِس پر خوش ہو اور دِل کی گہرائیوں سے اُسے تسلیم کرے۔

آیت کے اس ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا صبر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اس علم کے مطابق ہوتا ہے جو اس کی حکمت کو شامل ہے لہٰذا صبر و رضا واجب قرار پاتا ہے۔

قولہ قال علقمة :

حضرت علقمہ رحمہ اللہ کا یہ قول علامہ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ دونوں نے نقل فرمایا ہے۔

حضرت علقمہ بن قیس بن عبداللہ النخعی الکوفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہوئے تھے انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سعد بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ کا شمار چوٹی کے علماء اور اجلّاء تابعین میں ہوتا ہے۔ ثقہ راویوں میں سے یہ سرفہرست ہیں۔ یہ جلیل القدر فرزندِ اسلام سنہ ۶۰ھ ہجری کے بعد فوت ہوئے

قولہ هُوَ الرَّجُلُ تُصِيبُهُ الْمُصِيبَةُ ؕ

یہ قول اعمش نے ابی ظبیان سے یوں نقل فرمایا ہے کہ

ہم ایک موقع پر حضرت علقمہ رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ؕ تو حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے فرمایا

"اس سے وہ شخص مُراد ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے اور یہ سمجھ کر کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس پر راضی رہے اور اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے"

وفي صحيح مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال إثنتان في الناس هما بهم كفر: الطعن في النسب، والنياحة على الميت

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسُولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں۔ ایک کسی کے حسب و نسب پر طعن کرنا۔ دُوسرے میت پر بین کرنا۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ : کا مطلب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ کہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ صبر کرنا دِل کی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ بنتا ہے اور صابرین کے لیے یہ بہت بڑا اجر ہے۔

قولہ - إِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ :

یعنی یہ دونوں چیزیں لوگوں میں کفر کا تقاضا ہیں کیونکہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے ہیں اور یہ لوگوں میں موجود رہتی ہیں اور ان سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے اور علم عطا فرمائے اور ایسا نورِ ایمانی بخشے جس سے وہ روشنی حاصل کرے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس آدمی میں کفر کا ایک شعبہ ہو وہ کافر مطلق کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ وہ آدمی جس میں ایمان کی ایک شاخ ہو وہ مطلق مؤمن کی طرح نہیں ہوتا اور کفر نکرہ اور معرف باللام میں بہت بڑا فرق ہے ـــــ جیسا کہ معرف باللام کفر کا لفظ اس حدیث میں استعمال ہوا ہے: " لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ أَوِ الشِّرْكِ إِلَّا تَرْكُ الصَّلٰوةِ "

قولہ اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ :

ولهما عن ابن مسعودؓ مرفوعاً "لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ"۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا چہرہ نوچے، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت جیسے بول بولے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حدیث کے اِن الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نسب کی بنا پر حقیر سمجھنا یا اس کا نسب نامہ معلوم ہوتے ہوئے اسے کسی دوسرے شخص کا بیٹا قرار دینا۔

قولہ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ :

یعنی کسی رشتہ دار کی موت پر بین کرنا اور لوگوں کے سامنے اس کے فضائل و محاسن بیان کرنا۔

اس قسم کے بین کرنا اور میت کے اوصاف ظاہر کرنا وغیرہ امور تقدیرِ الٰہی پر عدمِ رضا اور صبر کے سراسر منافی ہے۔

نیاحۃ میں اس قسم کے بول بولنا مراد ہے کہ

وَا عَضُدَاہ   ہائے او میرے سہارے

وَا نَاصِرَاہ   ہائے او میرے مددگار

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبر کرنا واجب ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک کفر ایسا بھی ہے جس کے ارتکاب سے انسان ملّتِ اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

قولہ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ :

یہ حدیث ان نصوص میں سے ایک ہے جن میں وعید سنائی گئی اور تنبیہ کی گئی ہے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس قسم کی احادیث کی تأویل کرنا صحیح نہیں ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان گناہوں کے بارے میں ڈر اور خوف پیدا ہو اور لوگ ان بُرے اور مکروہ اعمال سے باز رہیں۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث میں جن افعالِ قبیحہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کمال توحید کے منافی ہیں۔

قولہٗ مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"رخسار کا اس لیے خاص طور پر ذکر فرمایا کہ اکثر لوگ رخسار ہی پر ہاتھ مارتے ہیں ورنہ چہرے کا کوئی حصہ پیٹنا بھی اسی قبیل میں داخل ہے۔

قولہٗ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ :

جیوب گریبان کو کہتے ہیں۔ گریبان کو پھاڑنا اہلِ جاہلیت کی پرانی رسم ہے مرنے والے کے غم میں ایسا کیا جاتا ہے۔

قولہٗ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ :

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"میت پر نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کی عادت ہے۔"

اور کسی اور کا قول ہے کہ اس سے ہائے بربادی یا ہائے موت کہنا مراد ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اپنی قبائلی رسوم کی طرف لوگوں کو بلانا اور انکو زندہ کرنا عصبیت کی دعوت دینا ہے۔ کسی خاص مسئلے میں اپنے علماء اور مشائخ کے بارے میں تعصب سے کام لینا، بعض علماء کو بعض پر ایک خاص نوعیت کی فضیلت دینا، علماء و مشائخ کی وجہ سے ایک دوسرے سے دشمنی اور دوستی قائم کرنا، سب جاہلیت کی رسوم ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔"

ابن ماجہ میں ایک حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَنَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ زخمی کرنے
اَلْخَامِشَةَ وَجْهَهَا وَالشَّاقَّةَ	والی، گریبان پھاڑنے والی اور بین کرنے والی عورت
جيبها والداعية بالويل والثبور	پر لعنت کی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ افعال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص قضاء و قدر پر برافروختہ نہ ہو اور بین وغیرہ کرنے کی نیت بھی نہ ہو اور بات بھی جھوٹی نہ ہو تو ان

افعال میں سے اگر معمولی نعل اتفاقاً سرزد ہو جائے تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آں حضرت ﷺ کی وفات پر بعض صحابہ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس قسم کی معمولی سی بات کا اظہار ثابت ہے جس کی تصریح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے کی ہے۔

ان احادیث میں مطلق رونے کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم کی جب وفات ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ فرمائے تھے

تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزُنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضَى الرَّبُّ وَ اِنَّا بِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔[1]

آنکھوں میں آنسو ہیں اور دل غمگین ہے۔ بایں ہمہ ہم زبان سے ایسا کوئی لفظ نہیں نکالیں گے جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔ اے ابراہیم! تیری جدائی کی وجہ سے ہم پر حزن و ملال طاری ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

آں حضرت ﷺ ایک دفعہ اپنی کسی ایک لڑکی[2] کے ہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اس کا لڑکا موت و حیات کی کشمکش میں ہے۔ بیٹی نے بچے کو اٹھا کر آنحضرت ﷺ کی گود میں دے دیا بچے کا سانس اس طرح چل رہا تھا جیسے دھونکنی۔ یہ منظر دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بولے یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا۔

هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ وَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ

یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں پر ہی رحم کرتا ہے جو خود دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری وغیرہ

[2] یہ واقعہ حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کا ہے صحیح بخاری میں اس کی صراحت موجود ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے خیر خواہی کرنا چاہتا ہے تو اُس کے گناہوں کی سزا جلدی اسی دُنیا میں دے دیتا ہے۔

قولہ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ

اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ طبرانی اور حاکم نے اسی روایت کو عبداللہ بن مغفل سے روایت کیا ہے اور ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔

قولہ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ

یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کی خیر خواہی اور بھلائی چاہتا ہے، اس کے گناہوں کی سزا میں اس پر مصائب ڈالتا ہے کیونکہ اس کے گناہ زیادہ ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ دنیا سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے اور آخرت کی سزا کے لیے اس کا کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"آزمائش و ابتلاء میں گرفتار ہو جانا بھی ایک عظیم نعمت ہے کیونکہ اس سے گناہ دُھل جاتے ہیں اور جب انسان صبر سے کام لیتا ہے تو اجر و ثواب کا حق دار بھی بن جاتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں انتہائی خشوع و خضوع سے جھک جاتا ہے۔ پوری دنیا سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے دروازے کا بھکاری بن جاتا ہے۔ مشکلات میں اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے فوائد ہیں۔ مصیبت فی نفسہٖ گناہوں کے ختم ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ تمام مخلوقِ خدا کے لیے مشکلات، اللہ کی

وَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اور جب کسی سے بُرائی چاہتا ہے تو اُس کے گناہ کی سزا قیامت تک کے لیے روک لیتا ہے تاکہ اُسے پُوری سزا دی جا سکے۔

رحمت اور نعمت کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہاں! اگر مصیبت زدہ شخص مصیبت سے تنگ آکر کوئی ایسا قدم اٹھا لے جو اس کے لیے دین میں خرابی کا باعث بنتا ہو اور وہ پہلے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر یہ مصیبت اس کے لیے وبالِ جان اور اس کے دین و آخرت کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے جیسے کوئی شخص فقر و فاقہ، بیماری یا کسی ایسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے جس سے نفاق یا جزع فزع کا اظہار ہو یا دل میں کوئی باطل عقیدہ گھر کر جائے یا ایسا کوئی جملہ زبان سے نکل جائے جو صریح کفر کے مترادف ہو یا فرائض و واجبات کو ترک کر بیٹھے یا محرمات کا مرتکب ہو جائے یا ایسی بات کرے جس سے دین میں نقصان واقع ہوتا ہو، تو ایسی مصیبت اور مشکل سے حفاظت اور عافیت اس شخص کے لیے بہتر تھی کیونکہ مصیبت سے بجائے حصولِ فوائد کے اُلٹ نقصان ہوا ہے۔ اگر یہ صبر کرتا تو یہی مصیبت اس کے حق میں رحمت اور نعمت ثابت ہوتی۔ پس مصائب و مشکلات حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا امر اور حکم ہیں جو مخلوق کے لیے رحمت ہیں۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا ضروری ہے۔

جو شخص مصائب و مشکلات کا شکار ہو جائے اور پھر صبر و استقامت بھی اس کے حصّہ میں آجائے تو یہ مصائب اس کے لیے رحمت اور نعمت بن جاتے ہیں اور اس کی خطا کے ختم ہونے کی وجہ سے رحمت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور بندہ کے صبر و رضا کے عوض اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے

وَقَالَ ﷺ إِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَآءِ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا إِبْتَلَاهُمْ۔

رحمتِ دو عالم ﷺ نے مزید فرمایا کہ جتنی بڑی مصیبت ہوگی اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انھیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔

اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور درجات میں اضافہ ہوجاتا ہے جو شخص صبر کرے گا اس کو یہ نعمتیں ضرور حاصل ہوں گی۔"

قولہ وَاِذَا اَرَادَ بِعَبْدِهٖ الشَّرَّ

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو شر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اس کے گناہوں پر اُسے مہلت در مہلت دیتا چلا جاتا ہے تاکہ قیامت کے روز اُسے پوری سزا دی جا سکے

اور لفظ یُوَافِی میں یاء مضموم اور فاء مکسور ہے جو حتّٰی کا منصوب ہے اور فاعل کے معنی دیتا ہے۔

عزیزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"دنیا میں اسے سزا نہیں دیتا تاکہ قیامت کے دن اسے پوری سزا جس کا وہ مستحق اور سزاوار ہے دی جائے۔"

قولہ حَتّٰی یُوَافِیَ بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

یہ حدیث کا آخری جملہ ہے اور اگلا جملہ یعنی ان عظم الجزاء دوسری حدیث کا الگ جملہ ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک ہی سند اور ایک ہی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے دونوں کو یکجا ذکر کر دیا ہے۔

زیر نظر حدیث میں اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور پُر اُمید رہنا چاہیئے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے

وَعَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور

خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ - ۲۱۶)

وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بُری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

قولہ اِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو جتنی زیادہ مصیبت پیش آئے گی اتنا ہی اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا۔ عظم الجزاء بکسر العین وفتح الظاء ہے عین کو مضموم اور ظا کو ساکن قرار دینا بھی جائز ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ مصائب کی وجہ سے انسان کو اجر و ثواب بھی ملتا ہے اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

" مصیبت زدہ کا ثواب یہی ہے کہ اس کے گناہ ختم ہو جائیں۔ ہاں! مصیبت کی وجہ سے کوئی عمل صالح کرے تو اس پر اس کو اجر بھی ملے گا جیسے:

صبر سے کام لے
اللہ کی رضا پہ راضی رہے
توبہ و استغفار کرے "

قولہ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاهُمْ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں

سُئِلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ : اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسَبِ دِیْنِهٖ فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِهٖ صَلَابَةٌ اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ ۔ وَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِهٖ رِقَّةٌ اُبْتُلِیَ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِهٖ فَمَا یَبْرَحُ الْبَلَاءُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں پر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ انبیاء پر پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ انسان کو جتنا دین کا حصہ زیادہ ملا اتنی ہی زیادہ اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر وہ اسلام میں مضبوط ہے تو آزمائش بھی شدید ہوگی۔ اگر دین میں کمزور ہے تو آزمائش بھی ہلکی ہوگی مومن پر اتنی مشکلات آتی ہیں کہ آخر کار اس کا

فَمَنْ رَضِیَ فَلَهُ الرِّضَا وَ مَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔ (حسّنه الترمذي)

پس جو شخص آزمائش میں اللہ پر راضی رہا اُس کے لیے اللہ کی رضا اور جو شخص ناخوش ہوا اُس پر اللہ تعالیٰ بھی ناخوش ہو گا۔

بِالْعَبْدِ حَتّٰی يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْاَرْضِ وَ مَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ — کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

(رواہ الدارمی وابن ماجہ والترمذی وصحح)

یہ حدیث توحید الوہیت و توحید ربوبیت پر زبردست دلیل اور حجت ہے۔ جب انسان اچھی طرح یہ سمجھ لے کہ انبیاء اور صلحائے اُمت بھی مصائب میں گھر جاتے ہیں اور ان کو بھی تکلیفوں سے صرف اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے تو انسان کے ذہن میں یہ مسئلہ خود بخود بیٹھ جاتا ہے کہ جب انبیا اور صلحائے اُمّت خود اپنی ذات کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنی تکالیف رفع کر سکتے ہیں تو وہ دوسروں کو کیوں کر مصائب کے بھنور سے نجات دلا سکتے ہیں؟

یہ مسئلہ سمجھنے کے بعد انسان اپنی مصیبت کو دور کرنے اور غم سے نجات حاصل کرنے کے لیے بجائے اس کے کہ دوسروں کا دروازہ کھٹکھٹائے سیدھا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاتا ہے۔

انبیائے کرام اور صلحائے امت کے مصیبتوں میں مبتلا ہو جانے میں اس قدر حکمتیں اور راز پوشیدہ ہیں کہ جن کا احاطہ ممکن نہیں۔

قولہ فَمَنْ رَضِیَ فَلَهُ الرِّضَا

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے رضا کو اپنی صفت قرار دیا ہے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ۭ (البینۃ: ۸)

اُن کی جزا ان کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

اہلِ سنت سلف صالحین کا یہی مسلک ہے کہ ان صفات کو بلا تکییف تشبیہ و تمثیل اور تعطیل کے مانا جائے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے یا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان فرمائی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کو لائق ہیں وہ ان صفات سے متصف ہے۔

جس خوش نصیب پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے پھر اسے ہر بھلائی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ تمام دنیا کی شرارتوں سے امن میں رہتا ہے۔

رضا یہ ہے کہ

انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اللہ تعالیٰ کے متعلق حسنِ ظن رکھے اور اجر و ثواب کا امیدوار رہے۔

ایسا شخص اپنے اندر ایک راحت اور خوشی محسوس کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اُس کے دل میں پیوست ہو جائے گی۔ اور اس پر اعتماد قائم ہو جائے گا۔ جیساکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے

"یہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا کرشمہ ہے کہ اس نے یقین و رضا میں مسرت و راحت کی فضا پیدا کر دی ہے اور شک و ناراضی میں غم و اندوہ کی گنجائش رکھ دی ہیں"

قولہ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ

ابوالسعادات رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"کسی چیز کو ناپسند کرنا اور اس پر عدم رضا کا اظہار کرنا سخط کہلاتا ہے"

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور تقدیر پر راضی نہیں اس کے لیے اللہ کی ناراضی مقدر ہو چکی ہے۔ وہ اُس کی سزا دے گا۔

بعض علما نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رضا واجب ہے۔ ابن عقیل بھی وجوب رضا کے قائل ہیں۔ البتہ علامہ قاضی شیخ الاسلام رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ وجوب کے قائل نہیں ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"جیسے صبر کو صیغہ امر سے تعبیر فرمایا گیا ہے اس طرح رضا کو صیغۂ امر سے تعبیر نہیں فرمایا گیا۔ صرف اہلِ رضا کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل حدیث آپ سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ حدیث یہ ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ تَفْسِيْرُ اٰيَةِ التَّغَابُنِ

① سورۃ تغابن کی آیت کی تفسیر۔

الثانیہ إِنَّ هٰذَا مِنَ الْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ

② صبر کرنا، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ایک حصہ ہے۔

الثالثہ أَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ

③ نسب میں عیب جوئی کرنا۔

مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ وَلَمْ يَرْضَ بِقَضَائِيْ فَلْيَتَّخِذْ رَبًّا سِوَائِيْ۔

جو شخص میری آزمائش پر صبر نہیں کرتا اور میرے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا، وہ میرے علاوہ کسی دوسرے کو رب بنالے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مقام رضا سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کیونکہ یہ انعام واکرام کا سبب ہے۔" واللہ اعلم۔

الرابعة شِدَّةُ الوَعِيدِ فِيمَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

④ اُس شخص کو سخت وعید اور ڈانٹ پلائی گئی ہے جو مصیبت اور مشکل کے وقت اپنے چہرے کو نوچے، گریبان پھاڑے اور جاہلیّت کی سی آہ و بکا کرے۔

الخامسة عَلَامَةُ إِرَادَةِ اللهِ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ

⑤ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُس کی علامت اور نشانی۔

السادسة إِرَادَةُ اللهِ بِهِ الشَّرَّ۔

⑥ جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ کرے اُس کی علامت۔

السابعة عَلَامَةُ حُبِّ اللهِ لِلْعَبْدِ۔

⑦ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے محبّت کرنا چاہتا ہے تو اُس کی علامت۔

الثامنة تَحْرِيمُ السَّخَطِ

⑧ ناراضی کی حرمت۔

التاسعة ثَوَابُ الرِّضَاءِ بِالْبَلَاءِ۔

⑨ مصائب و مشکلات میں محصور ہو جانے پر رضا کا اجر و ثواب۔

باب ما جاء
فی الریاء
اِس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ
ریاء ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے اور
اِس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں

وقول الله تعالى : قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ ج

اے محمدؐ! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔

قولہ : قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام یہ فرمان جاری کیا کہ آپؐ یہ اعلان کر دیں کہ میرے اندر نہ ربوبیت ہے اور نہ الوہیت کی کوئی صفت ہے بلکہ یہ دونوں صفتیں صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے مختص ہیں اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا متمنی ہو، اسے اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

آیت کا آخری لفظ اَحَدًا ہے جو نحوی لحاظ سے سیاقِ نہی میں نکرہ استعمال ہُوا ہے اس میں عمومیت پائی جاتی ہے، جس میں انبیاء، ملائکہ، صالحین اور اولیائے کرام وغیرہ سب شامل ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"عُلمائے سلف وخلف میں سے اکثر نے لِقاء کے یہ معنیٰ کیے ہیں کہ مومن آدمی اللہ تعالیٰ کو بالمشافہ اور سامنے دیکھے گا۔" شیخ الاسلامؒ نے رؤیت پر دلائل بھی ذکر فرمائے۔

پیشِ نظر آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں واحد اور یکتا ہے اِسی طرح اُس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ عملِ صالح وہی ہوتا ہے جس میں ریاء اور سُمعۃ کو قطعاً دخل نہ ہو اور اُس کو سُنّت کے مطابق انجام دیا جائے۔"

یہ آیتِ کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصل دین جس کی تبلیغ واشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، وُہ یہ تھا کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کو واحد ویکتا سمجھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن — ہم نے تم سے پہلے جو رسُول بھی

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (الکہف-۱۱۰)

پس جو کوئی اپنے ربّ کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء - ۲۵)

بھیجا اُس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

اس اصولی دعوت کا انکار کرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں۔

○ یا تو وہ کوئی طاغوت ہے جو اللہ کی الوہیت اور رُبوبیت میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی عبادت کے لیے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔

○ یا ایسا طاغوت ہے جو غیر اللہ کی عبادت کے لیے لوگوں کو بلاتا ہے۔

○ یا وہ مشرک ہے جو اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے اور کئی قسم کی غیر شرعی عبادات کی وجہ سے اس غیر کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

○ یا ایسا شخص ہے جسے توحید میں شک و شبہ ہو۔ یعنی اس کے دل میں یہ شبہ ہو کہ آیا اللہ ہی سچا ہے یا اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا جائے؟

○ یا وہ شخص ہے جو بالکل عقل و خرد سے خالی اور کورا ہے، جو شرکیہ اعمال کو شریعت سمجھتا ہے اور شرک کو قربِ خداوندی کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔

اِس آخری قسم میں امتِ محمدیہ کی اکثریت گرفتار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ علم سے بہت دُور ہیں اور تقلید کے پھندے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دینِ اسلام اپنی بے بسی پر نوحہ کناں ہے اور آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کو لوگ بالکل بھول گئے ہیں۔

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعًا - قال اللہ تعالیٰ:

أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ مَعِي فِيهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شرکت والوں میں زیادہ بے پرواہ ہوں شرک سے۔ جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس میں میرے ساتھ کسی غیر کو شریک کرے تو میں اُسے اور اُس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

قولہ : مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ مَعِي فِيهِ غَيْرِي

یہ حدیث قدسی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق میں سے کسی کی رضا کیلئے کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اُس سے اور اُس کے عمل بد سے بیزار ہوں، میرا اِن دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابن ماجہ میں ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

فَاَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ وَهُوَ لِلَّذِي اَشْرَكَ — میں ایسے شخص کے عمل سے بیزار ہوں اور وہ اُسی کے لیے ہوگا جس کی خاطر شرک کیا ہے

طیبیؒ نے کہا ہے کہ تَرَكْتُهُ میں ضمیر منصوب متصل کا مرجع عمل بھی ہو سکتا ہے۔

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں[1] کہ وہ اعمال جو کسی غیر اللہ کے لیے کیے جاتے ہیں، اُن کی کئی قسمیں ہیں۔

کچھ اعمال تو ایسے ہوتے ہیں جو صرف ریا کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں جیسے منافقین کے اعمال۔

---

[1] جامع العلوم والحکم۔

ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

(النساء - ۱۴۲)

ریا کی یہ قسم مومنین کے فرض روزوں اور نمازوں میں پیدا نہیں ہوسکتی بلکہ صدقات وخیرات اور حج وغیرہ اعمال میں جن کا ظاہر سے تعلق ہے، اس کا پایا جانا ممکن ہے۔ یا ان اعمال میں جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ ایسے اعمال میں اخلاص انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک مسلمان کو قطعاً شک نہ کرنا چاہیے کہ اس قسم کی ریا، اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور ایسا ریاکار شخص اللہ تعالیٰ کی سزا اور اس کی ناراضی کا سزاوار ہے۔

کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے جاتے ہیں لیکن ان میں ریا کا دخل ہوتا ہے۔ ایسے اعمال میں اگر ریا غالب آجائے تو نصوص صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ زیر نظر حدیث سے واضح ہے۔ اس کی تائید میں دوسری حدیث مسند امام احمد میں ہے۔ جس کو شداد بن اوس سے امام صاحبؒ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے :-

مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا خَيْرُ قَسِيْمٍ لِمَنْ اَشْرَكَ بِيْ فَمَنْ اَشْرَكَ بِيْ شَيْئًا فَاِنَّ جِدَّةَ عَمَلِهٖ وَقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ لِشَرِيْكِهِ الَّذِيْ اَشْرَكَ بِهٖ اَنَا عَنْهُ غَنِيٌّ۔

(مسند امام احمد)

جو شخص دکھلاوے کی نماز پڑھتا ہے یا دکھلاوے کا روزہ رکھتا ہے یا دکھلاوے کا صدقہ وخیرات کرتا ہے تو اس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھ سے شرک کرے تو میں اپنے شریک سے بہترین حصہ دار ہوں جو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے تو اس کے عمل کی ہر کوشش اور اس کا ہر کم وبیش اسکے اس شریک کے لیے ہے جس کو اس نے میرا شریک بنایا۔ میں اس سے بے نیاز ہوں۔

امام احمد رحمہ اللہ اس مقام پر بہت سی احادیث ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

"اگر جہاد کے عمل میں ریاء کے علاوہ کوئی دوسری نیت کارفرما ہو جیسے خدمت کا معاوضہ یا حصولِ غنیمت کا احساس پیدا ہو جائے یا سفرِ جہاد میں مالِ تجارت ساتھ لے لے تو ایسی صورت میں یہ عمل بالکل ضائع نہ ہوگا بلکہ جہاد کے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔"

ابن رجب رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ:۔

"تجارت کرنے والے، مزدوری کرنے والے اور کرایہ پر کام کرنے والے کو جہاد میں اسی قدر اجر ملے گا جس قدر کہ اُس کی نیت خالص ہوگی اور ان کو وہ درجہ نہ ملے گا جو ایسے آدمی کا ہے جو خالص اللہ کے لیے اپنے مال اور اپنی جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔"

وہ شخص جو مزدوری لے کر جہاد میں شرکت کرتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:۔

"ایسا شخص اگر صرف روپے پیسے کی غرض سے جہاد میں شرکت نہیں کرتا، بلکہ اُس کی نیت اعلائے کلمۃ اللہ بھی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، اس شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو اپنا قرض وصول کرنے کے لیے نکلا، اگر مل گیا تو ٹھیک، ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔"

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِذَا أَجْمَعَ أَحَدُكُمْ عَلَى الْغَزْوِ فَعَوَّضَهُ اللّٰهُ رِزْقًا فَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ ۔	جب کوئی تم میں سے جہاد کا مصمم ارادہ کرلے اور پھر اللہ اسے رزق بھی عنایت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
وَأَمَّا إِنْ أَحَدُكُمْ أُعْطِيَ دَرَاهِمَ غَزَا ۔ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَغْزُ فَلَا خَيْرَ فِيْ ذٰلِكَ	اور تم میں سے وہ شخص جسے روپیہ پیسہ مل جائے تو جنگ میں شریک ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو شرکت نہیں کرتا۔ ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ایک قول منقول ہے۔ وہ کرایہ کے اونٹوں والے اور مزدور اور تاجر کے حج کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ حج مکمل ہے۔ ان کے اجر و ثواب میں کمی نہ ہوگی۔"

کیونکہ سفرِ حج کا مقصد صرف حج کرنا تھا، کاروبار مقصود نہ تھا۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"ابتدا میں نیت خالص تھی، بعد میں ریا پیدا ہوگئی۔ تو اس صورت میں صحیح بات

وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ مرفوعًا : أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ ؟ قَالُوا بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ - (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجّال سے بھی زیادہ ہے ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہاں ضرور بتائیے۔

یہ ہے کہ اگر ریا کا خیال آیا اور پھر ختم ہوگیا تو ریا کا وقتی طور پر آجانا اجر میں حارج نہ ہوگا اور اگر ریا کا حملہ بدستور قائم ہے تو اس صُورت میں کیا یہ عمل ضائع جائے گا یا اس کی پہلی نیّت پر اجر مرتّب ہوگا؟ اس میں علما کا اختلاف ہے۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عمل ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کی ابتدائی نیّت کے مطابق اسے اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مفہوم کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کے عملِ حسنہ پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ:-

تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ (مسلم) — مومن کو دنیا میں یہ پہلی خوشخبری ملی ہے۔

قولهٗ : عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ مَرْفُوْعًا

صحیح ابن خزیمہ میں محمود بن لبید سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم — ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے

فَقَالَ : اَيُّهَا النَّاسُ ! اِيَّاكُمْ وَشِرْكَ السَّرَائِرِ — کہ اے لوگو! شرکِ خفی سے بچو۔

قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ۔ (رواہ احمد)

آپؐ نے فرمایا کہ وہ شرکِ خفی ہے۔ وہ اس طرح! کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو محض دکھلاوے کے لیے عمدہ طریقے سے ادا کرے۔

قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا شِرْكُ السَّرَائِرِ؟ قَالَ: يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ الرَّجُلِ اِلَيْهِ۔ فَذٰلِكَ شِرْكُ السَّرَائِرِ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرکِ خفی کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا "شرکِ خفی یہ ہے کہ انسان نماز پڑھنے لگے تو دوسروں کیلئے نماز کو اچھی طرح ادا کرے۔"

قولہٗ : اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ

اس شرک کو خفی اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا یہ عمل خالص اللہ کے لیے ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بباطن وہ غیراللہ کے لیے انجام دے رہا ہے، کیونکہ وہ نماز اس لیے ٹھیک ادا کر رہا ہے کہ اُسے لوگ دیکھ رہے ہیں۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں

كُنَّا نَعُدُّ الرِّيَاءَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلشِّرْكَ الْاَصْغَرَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ترین دور میں ہم ریا کو شرکِ اصغر سمجھا کرتے تھے۔

(رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الاخلاص، وابن جریر فی التہذیب والطبرانی والحاکم، وصححہ)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"شرکِ اصغر میں مندرجہ ذیل افعال، اعمال اور اقوال سرِفہرست ہیں۔

- معمولی قسم کی ریا۔
- کسی کام کو دکھلاوے کی غرض سے اچھا کرنا۔
- غیر اللہ کی قسم اٹھانا۔
- ایک دوسرے کو یہ کہنا کہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور تم چاہو گے۔
- یہ اللہ تعالےٰ اور آپ کی طرف سے ہے۔
- مَیں اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہوں۔
- میرے لیے اللہ تعالیٰ اور آپ کافی ہیں۔
- اللہ تعالیٰ اور آپ پر ہی میرا اعتماد ہے۔
- اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو یہ کام نہ ہوتا۔

مندرجہ بالا امور بعض اوقات شرکِ اکبر کا مقام بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اِس میں کہنے والے کے عقیدہ کو بہت بڑا دخل ہے۔"

اِس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ صحتِ عمل اور اس کی قبولیت میں اخلاص کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اخلاص کے ساتھ ساتھ عمل کا مطابقِ سُنّتِ نبوی ﷺ ہونا بھی عظیم ترین شرط ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ آیت "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"عمل خالص بھی ہو اور صواب بھی ہو۔"

دوستوں نے عرض کیا کہ خالص اور صواب میں کیا فرق ہے؟

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:-

"خالص یہ ہے کہ وہ عمل صرف اللہ کی خاطر کیا جائے اور صواب یہ ہے کہ سُنّتِ نبویؐ کے مطابق ہو۔ اگر عمل خالص ہو لیکن صواب نہ ہو یا صواب ہو اور خالص نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا۔"

زیرِ نظر حدیث میں بہت سے فوائد پنہاں ہیں۔ مثلاً

- آنحضرت ﷺ کی شفقت و محبت اُمت کے ساتھ۔
- اُمّت کی خیر خواہی۔
- صالحینِ اُمت کے لیے ریا کو فتنۂ دجال سے بھی زیادہ خطرناک محسوس فرمایا۔ آنحضرت ﷺ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْكَهْفِ۔

① سورۃ کہف کی آیت کی تشریح۔

الثانیۃ: أَلْأَمْرُ الْعَظِيمُ فِي رَدِّ الْعَمَلِ الصَّالِحِ إِذَا دَخَلَهُ شَيْءٌ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

② عملِ صالحہ میں جب غیر اللہ کی رضا کا دخل ہو جائے تو اس کے ضائع ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

الثالثۃ: ذِكْرُ السَّبَبِ الْمُوجِبِ لِذٰلِكَ وَهُوَ كَمَالُ الْغِنٰى۔

③ غیر اللہ کی رضا والے عمل کے ضائع ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مستغنی اور بے پرواہ ہے۔

نے جب صحابہ کرام کے متعلق قوتِ ایمانی کے باوجود ریا کا خطرہ محسوس کیا تو ان کے بعد آنے والے حضرات کی کیا وقعت اور حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

بعد میں آنے والے افرادِ اُمت تو بالاولیٰ شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

الرابعة: إِنَّ مِنَ الْأَسْبَابِ أَنَّهُ تَعَالَىٰ خَيْرُ الشُّرَكَاءِ۔

④ اِس کے ضائع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

الخامسة: خَوْفُ النَّبِيِّ ﷺ عَلَىٰ أَصْحَابِهِ مِنَ الرِّيَاءِ۔

⑤ آں حضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خطرہ محسوس فرمایا کہ کہیں ان کے قلوب میں ریاکاری کے جراثیم نہ پیدا ہو جائیں۔

السادسة: أَنَّهُ فَسَّرَ ذٰلِكَ بِأَنْ يُّصَلِّيَ الْمَرْءُ لِلّٰهِ لٰكِنْ يُّزَيِّنُهَا لِمَا يَرٰى مِنْ نَّظَرِ الرَّجُلِ إِلَيْهِ۔

⑥ ریاء کی تفسیر آں حضرت ﷺ نے خود یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نماز کو خالص اللہ کیلئے صحیح طور پر اور اطمینان سے اس لیے ادا کرے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔

باب

من الشرك إرادة الإنسان بعمله الدنيا

اس باب میں

اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان اگر دنیوی اغراض کے پیش نظر کوئی عمل کرے تو یہ بھی شرک کی تعریف میں آتا ہے۔

قولہ تعالیٰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا

جو لوگ بس اِسی دُنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں اور اس سے پہلے کے ترجمہ باب میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہ دونوں حقیقت میں مشترک ہیں کہ جب انسان اپنے کسی عمل سے لوگوں کی نظر میں اپنے لیے تزین و تصنّع اور ثناء و توصیف کی توقع رکھے تو، جیسا کہ پہلے باب میں منافقین کے سلسلے میں گزر چکا ہے، یہ ریا ہے۔

لوگوں کے سامنے اظہارِ تصنّع کر کے طلبِ دنیا کرنا اور ان سے مدحت و تکریم کے خواہاں ہونا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ اس نے اگرچہ نیک عمل کیا مگر ریا اس میں تفریق پیدا کر دے گی۔ کیونکہ اس سے اُس نے ساز و سامانِ دنیا کی تمنا کی۔ مثلاً حصولِ مال کے لیے جہاد کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے:۔

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ بندۂ دینار ہلاک ہوگیا۔

یا غنیمت اور دیگر چیزوں کو حاصل کرنے کی غرض سے میدانِ جہاد میں نکلا۔ جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی گفتگو کے آغاز میں قرآنِ مجید کی اس آیت

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا کہ جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا طالب ہے

کے معنیٰ و مفہوم کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین کے اقوال نقل کیے ہیں۔

اس ترجمہ اور اس سے بعد کے ترجمہ سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دُنیا کے لیے کوئی عمل کرنا شرک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کمالِ توحید کے منافی ہے اور اس سے ذخیرۂ اعمال ضائع ہو جاتا ہے۔ اعمال کے معاملے میں مفادِ دنیا کے حصول کی طلب کا جذبہ دِل میں پیدا کرنا بہت بڑی ریا ہے اور ایسے شخص کے کردار پر دُنیا مسلّط ہو جاتی ہے جس سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور مومن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس قسم کے اُمور سے ہمیشہ دامن کشاں رہتا ہے۔

قولہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیتِ کریمہ کے معنیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"جو شخص دُنیاوی زندگی میں اپنے اعمال کا بدلہ اور اس کی زیب و زینت کی خواہش کرتا ہے"

ہم اُس کے اعمال کا بدلہ صحت وتندرستی، اہل وعیال اور مال ومتاع میں مسرت وبہجت کی صورت میں عطا کرتے ہیں اور وہ اِس میں گھاٹے میں نہیں رہتے۔"

مندرجہ بالا آیت عام تھی اور اس کو درجِ ذیل آیت نے خاص اور مقید کر دیا کہ:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ۔ جو کوئی دُنیا کا خواہشمند ہو اسے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"جس شخص کی نیت، خواہش اور مقصود صرف دنیا ہی ہو، اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیتا ہے۔ ایسا شخص دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔ اس کے اعمال نامہ میں کوئی قابلِ ذکر عمل نہیں ہوتا جس کا اسے معاوضہ ملنا باقی ہو۔ البتہ مومن کو دنیا میں بھی اعمالِ حسنہ کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں بھی وہ اجرِ جزیل کا حقدار ہوگا۔"

ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث بیان کرتے ہیں:

"شفی بن ماتع اصبحی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے اندر ایک شخص کے اردگرد کثیر تعداد میں لوگ جمع ہیں۔ پوچھا کہ لوگوں نے کس شخص کو گھیر رکھا ہے؟ جواب دیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ درسِ حدیث دے رہے ہیں۔ شفی بن ماتع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَیں بالکل قریب جا کر اُن کے سامنے جا بیٹھا جب درس ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو مَیں نے عرض کی کہ مَیں آپ سے اللہ کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے وُہ حدیث سُنائیں جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سُنی اور یاد کی ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے:۔

مَیں آپ کو وہی حدیث سناؤں گا جو مَیں نے اس گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ہی سُنی تھی۔ اس وقت میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور شخص نہ تھا۔ یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہوگئے۔ کافی دیر کے بعد سنبھلے اور فرمانے لگے کہ آج مَیں تم کو وہی حدیث سناؤں گا جسے مَیں نے اس گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سُنا تھا اور اُس وقت میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی شخص نہ تھا۔ یہ کہہ کر پھر بے ہوش گئے۔ کافی دیر بعد ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔

نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ○

ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں اُن کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَنْزِلُ إِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَاثِيَةٌ فَأَوَّلُ مَنْ يُدْعٰى بِهٖ رَجُلٌ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ وَرَجُلٌ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ كَثِيرُ الْمَالِ۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم سے اُتر کر اپنے بندوں کے پاس آئے گا تاکہ اُن کا فیصلہ کر دیا جائے اور ہر اُمت گھٹنوں کے بل گری ہوگی۔ سب سے پہلے ان تین اشخاص کو بلایا جائے گا۔ قاری قرآن کو، شہید فی سبیل اللہ کو اور مال دار کو۔

فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْقَارِئِ أَلَمْ أُعَلِّمْكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلٰى رَسُولِي قَالَ بَلٰى قَالَ فَمَا ذَا عَمِلْتَ فِيمَا عَلِمْتَ؟ قَالَ كُنْتُ أَقُومُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ كَذَبْتَ وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ وَيَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ فُلَانٌ قَارِئٌ وَقَدْ قِيلَ لَكَ۔

سب سے پہلے قاری قرآن سے سوال ہوگا کہ میں نے جو قرآن اپنے رسولؐ پر اتارا تھا، کیا تجھے اُس کا علم نہیں سکھایا؟ قاری کہے گا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا، علم کے مطابق عمل کیا؟ قاری جواب دے گا اے ربِ کریم میں تمام دن اور رات تلاوت کرتا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی یہی کہیں گے، تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تو اس لیے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، وہ دنیا میں کہا جا چکا۔

وَيُؤْتٰى بِصَاحِبِ الْمَالِ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَلَمْ أُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتّٰى لَمْ أَدَعْكَ تَحْتَاجُ إِلٰى أَحَدٍ؟

مال دار شخص کو پیش کیا جائے گا اور سوال ہوگا، کیا تم کو اتنی وسعتِ مال نہ دی گئی کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا؟ وہ جواب دے گا۔ اے

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ؗ

مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے

قَالَ بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا اٰتَيْتُكَ؟ قَالَ كُنْتُ اَصِلُ الرَّحِمَ وَاَتَصَدَّقُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ كَذَبْتَ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ جَوَادٌ وَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ

اللہ تو بالکل ٹھیک اور صحیح کہتا ہے! اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جو کچھ تم کو ملا اُس کے مطابق عمل کیسا کیا؟ بندہ جواب دے گا کہ اے ربّ کریم! مَیں صلہ رحمی کرتا اور صدقہ دیتا رہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تم جھوٹ کہتے ہو۔ فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تمھیں سخی کہا جائے چنانچہ یہ دنیا میں کہا جا چکا۔

وَيُؤْتٰى بِالَّذِيْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ فِيْمَا ذَا قُتِلْتَ؟ فَيَقُوْلُ: اَيْ رَبِّ اَمَرْتَ بِالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتّٰى قُتِلْتُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ كَذَبْتَ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ۔ ثُمَّ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) عَلٰى رُكْبَتِيْ فَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ؟ اُولٰٓئِكَ الثَّلَاثَةُ

اب اس شخص کو پیش کیا جائے گا جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ کریم پوچھے گا، تم کیوں قتل ہوئے؟ بندہ جواب دے گا اے ربّ کریم! تُو نے جہاد کا حکم دیا اور مَیں تیرے راستہ میں دین کے دشمنوں سے لڑ کر شہید ہو گیا اللہ تعالیٰ کہے گا، تُو جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے تُو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ فرمائے گا تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور وہ کہا جا چکا۔ یہ واقعہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا، اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہی وہ تین

اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ تُسْعَرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ   قسم کے افراد ہیں جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم کی آگ جلائے گی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے زیر نظر آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس پر سیر حاصل بحث کی اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی، جن کا خلاصہ ہم قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں آپ نے فرمایا

"سلف سے کچھ اعمال ایسے منقول ہیں جن پر عوام عمل کرتے ہیں، مگر ان کا مطلب اور مفہوم نہیں سمجھتے مثلاً:۔

○ جب ایک شخص کوئی عمل صالح اللہ کی رضا کے لیے انجام دیتا ہے جیسے صدقہ خیرات، روزہ، نماز، رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور اُن سے حُسنِ سلوک، یا کسی پر ظلم کرنے سے رُک گیا۔ علی ہٰذا القیاس بہت سے اعمالِ حسنہ کرتا ہے لیکن ان اعمال کی بجا آوری میں آخرت کے اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ چاہتا ہے کہ دنیا میں ہی اُسے اس کا بدلہ مل جائے جیسے کہ وہ اپنے مال و متاع کی حفاظت کا خواہشمند ہو، اس میں اضافے کا طلب گار ہو۔ اپنے اہل و عیال کی عزت و آبرو، ان کی حفاظت ذہن میں ہو اور چاہتا ہو کہ وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کریں، ان اعمالِ حسنہ سے نہ تو وہ جنت کا طلبگار ہو اور نہ جہنم کے عذاب سے بچنے کی تمنا ہو۔ پس ایسے شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا قطعاً کوئی حصہ نہ ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس نوع کا ذکر فرمایا ہے۔

○ دوسری قسم پہلی قسم سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ کہ انسان عمل صالح انجام دے مگر نیت میں ریا اور لوگوں کو دکھلاوا ہو، آخرت میں کامیابی مدنظر نہ ہو۔

○ تیسری صورت یہ ہے کہ انسان اعمالِ صالحہ کی بجا آوری سے دنیاوی مال و متاع کا خواہشمند ہو۔ جیسے سفرِ حج میں مال و متاع حاصل کرنا مقصود ہو، یا دنیا کے حصول کی خاطر، یا کسی عورت سے شادی رچانے کی غرض سے ہجرت کرے یا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جہاد جیسے عمل عظیم میں جان خطرے میں ڈال دے یا دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض یہ ہو کہ بال بچوں کا پیٹ پال سکے، یا قرآن کریم حفظ کر کے کسی مسجد کی امامت کا خواہشمند ہو، جس سے اسے اچھی خاصی تنخواہ ملنے کی توقع ہو، جیسا کہ آج کل علمائے کرام اور ائمہ مساجد کا دستور ہے۔

وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (هُود: ۱۵، ۱۶)

(وہاں معلوم ہو جائیگا کہ) جو کچھ انھوں نے دُنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ عمل صالح تو رضاء الٰہی کے لیے کرے، لیکن ایسا عمل کرتا ہو جو اسے ایسے انکار کا مرتکب بنا دے جو دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دے جیسے یہود نصاریٰ کا عبادتِ الٰہی کرنا، ان کا روزے رکھنا، ان کا صدقہ و خیرات کرنا، جس سے ان کی اصل مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا حاصل کر لیں اور آخرت میں کامران ہو جائیں۔

یا اسلام کا دعویٰ کرنے والے وہ افراد جو کفر و شرک میں مبتلا ہیں جس سے انسان دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ کوئی ایسا عمل صالح کریں جس سے آخرت کے عذاب سے نجات اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کے کفر و شرک میں ملوث اعمال کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال بھی برباد ہو رہے ہیں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ اس قسم کے اعمال سے بہت ڈرا کرتے تھے جن کی وجہ سے صحیح اور درست اعمال بھی ضائع ہو جائیں۔

ایک بزرگ کا قول مشہور ہے:

لَوْ اَعْلَمُ اَنَّ اللهَ تَقَبَّلَ مِنِّيْ سَجْدَةً وَّاحِدَةً لَتَمَنَّيْتُ الْمَوْتَ لِاَنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: "اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ"

اگر مجھے علم ہو جائے کہ میرا صرف ایک سجدہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے تو میں موت کی آرزو کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ صرف متقین ہی کے اعمال قبول فرماتا ہے۔

آخری اور پانچویں قسم یہ ہے کہ انسان پانچوں نمازوں کی پابندی، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے اور آخرت میں اجر

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْلَۃِ۔

صحیح (بخاری) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رُوپے پیسے اور کپڑے لتے کا بندہ ہے وہ بدبخت ہے۔

ثواب کا متمنی ہوتا ہے۔ اس کے بعد کچھ ایسے اعمال کرتا ہے جن سے دنیا کا مال و متاع حاصل کرنا مقصود ہو، جیسے فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرتا ہے جس سے دنیا کمانا مقصود ہو جیسا کہ اکثر لوگ آج کل کر رہے ہیں تو اس عمل پر اس کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔

بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قرآنِ کریم تین قسم کے لوگوں کا حال بیان کرتا ہے۔

○ اہلِ جنت کا،

○ اہلِ جہنم کا — اور

○ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن میں دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں، ان کے بارے میں قرآنِ کریم خاموش ہے۔ اس تیسری قسم میں مذکورہ بالا پانچویں قسم شامل ہے۔"

قولہ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ

ہلاک ہو جانے، شقی اور بدبخت ہو جانے اور منہ کے بل گر جانے کو تَعِسَ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے لیے بددعا کرنا

قولہ عَبْدُ الدِّیْنَارِ

دینار، یہ سونے کا سکہ ہے جو وزن میں ایک مثقال کے برابر ہے۔

قولہ عَبْدُ الدِّرْھَمِ

ایک ایسا چاندی کا درہم جس کا وزن جَو کے دانوں سے کیا جاتا ہے۔

زیرِ بحث حدیث میں درہم و دینار کے متلاشی کو درہم و دینار کا بندہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے عمل و کردار سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کی منزل مقصود ہی درہم و دینار ہوتی ہے۔

إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتُكِسَ وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتُقِشَ -

اگر اُسے دے دیا جائے تو خوش، اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ۔ یہ بدبخت ہو اور ٹھوکر کھائے، اگر اُسے کانٹا لگے تو نہ نکالا جائے ۔

پس جس شخص کا اصل مقصد ہی غیر اللہ ہو تو اُس نے اپنی عبادت میں اُسے اللہ کا شریک بنا لیا جیسا کہ آج کل لوگوں کی اکثریت اس میں گرفتار ہے ۔

قولہ : تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيصَةِ

ابو السعادت رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"ریشم کے کپڑے یا روئی کے اس کپڑے کو جس پر دھاریاں بنائی گئی ہوں، خمیصہ کہتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف دھاری دار سیاہ کپڑے کو ہی خمیصہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع خمائص آتی ہے۔"

قولہ : تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيلَةِ

ابو السعادت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذَاتُ الْخَمَلِ ہر قسم کے دھاری دار کپڑے کو کہا جاتا ہے ۔

قولہ : اُنْتُكِسَ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

" جو شخص بار بار بیماری میں مبتلا ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انتکس۔"

ابو السعادت رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"جو شخص اپنے سر کے بل پھر جائے اُسے انتکس کہتے ہیں ۔ یہ ایک قسم کی بددعا ہے۔"

الطیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" جب کسی کو حد سے زیادہ بددعا دی جائے تو اسے انتکس سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ

جب وُہ بالکل مایوس ہو جائے گا تو سر کے بل پھر جائے گا۔"

قولہ : وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ

"جب کسی کو کانٹا چبھ جاتے اور وہ اس کو موچنے وغیرہ سے نکلنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اُس وقت یہ جملہ بولا جاتا ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کی حالت ہی یہ ہو وہ بد دعا کا مستحق ہے جو اپنے انجام بد کو بچشم خود دیکھ کر روتا ہے۔

اور جو شخص اس مذکورہ حالت میں گرفتار ہو، وہ حدیث میں مذکورہ بد دعا کے اثرات اپنی آنکھوں سے اسی دنیا میں دیکھ لے گا اور آخرت میں تو بچنا ممکن ہی نہیں۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کو درہم و دینار، قطیفہ اور خمیصہ کا بندہ اور غلام قرار دیا اور یہ بد دعا بلفظ خبر ارشاد فرمائی یعنی جملہ " تَعِسَ وَ انْتَكَسَ وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ " یہ اس شخص کا حال ہے جو مصائب و مشکلات میں گھر جائے نہ تو وہ مصیبت سے نجات پا سکتا ہے اور نہ اسے کسی قسم کی اخلاقی کامیابی حاصل ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صفت تَعِسَ وَ انْتَكَسَ بیان فرمائی ہے۔ پس ایسا شخص نہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ اِس مصیبت سے گلو خلاصی حاصل کر سکتا ہے —— اور یہی حال اس شخص کا ہے کہ دنیوی مال و متاع کو اپنا مقصودِ حقیقی سمجھ لیتا ہے ایسے شخص کے متعلق ارشاد فرمایا کہ " اِنْ اُعْطِيَ رَضِيَ وَ اِنْ مُنِعَ سَخِطَ " یعنی اگر اس کی مُراد بر آئی تو خنداں و فرحاں ورنہ ناراض اور نالاں۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ (توبة - ۵۸)	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اگر اس مال میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں

ایسے لوگوں کی خوشی اور ناراضی غیر اللہ کے لیے ہی ہوتی ہے۔ یہی حال اُس شخص کا ہے جو خواہش کی خاطر مثلاً امارت کے لیے یا کسی پسندیدہ صورت یا اس جیسی اور خواہش کے پیچھے، اگر کامیابی کی منزل طے کر لی تو خوش ورنہ ناراض۔

ایسا شخص اپنی خواہشات کا بندہ اور غلام ہوتا ہے غلامی اور بندگی حقیقت میں دل کا فعل ہے انسان جس کی غلامی اور بندگی اختیار کر لیتا ہے تو وہ اس کا بندہ ہے اور جس کیلئے انسان رقت اختیار کر لے گا، اگر اس کی عبدیت کا دم بھرے گا تو گویا اُس شخص نے اس کی عبادت کی اور اسے خدا بنا لیا۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں

"دنیوی مال و متاع کا طلبگار بھی درہم و دینار کی عبادت اور اس کے لیے رقت اختیار کرتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:-

○ بعض ایسے امور ہیں جن کا انسان محتاج ہے۔ جیسے کھانا پینا، بیاہ شادی اور رہائش کے لیے مکان وغیرہ۔ ایسے امور صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے چاہئیں اور اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے، اگر اس کو یہ مال وغیرہ مل جاتا ہے تو وہ اس کو اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے۔ ایسے شخص کے سامنے یہ مال و متاع اس سواری کی مانند ہے جس پر وہ سوار رہتا ہے یا ایسے بستر کی طرح ہے جس پر آرام کرتا ہے۔

○ بعض ایسے امور بھی ہیں جو انسان کی ضروریات سے تعلق نہیں رکھتے۔ پس ایسے امور میں انسان کو اپنا دل نہ لگانا چاہیے۔ اگر بدقسمتی سے ایسے امور سے دل لگا بیٹھا، تو ان کا غلام اور بندہ بن کر رہ جائے گا اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان امور پر اعتماد اور بھروسہ کر لیتا ہے۔ اس صورت میں ایسے شخص کے ہاں حقیقتِ عبودیت اور حقیقتِ توکل کا شائبہ تک نہیں رہتا بلکہ عبادت بھی غیر اللہ کی کرتا ہے، توکل بھی غیر اللہ پر ہوتا ہے ایسا شخص حقیقتاً آپؐ کے اُن ارشادات کے تحت شمار ہوگا جن کے متعلق آپؐ فرماتے ہیں:

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْلَةِ

عبدالدرہم، عبدالدینار، عبدالخمیصہ اور عبدالخمیلہ سب گھاٹا اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

طُوبٰی لِعَبْدٍ

خوشخبری ہو اس بندے کو کہ

ایسا شخص ان امور کا غلام اور بندہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ سے بھی طلب کرے کیونکہ اگر اس کو یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو راضی اور خوش و خرم ورنہ ناراض اللہ تعالیٰ کے بندے کی صفت تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ اللہ کی رضا پر راضی اور اللہ کی ناراضی پر اس کی ناراضی موقوف ہو۔ جن امور کو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ پسند کریں یہ بھی ان کو ہی پسند کرے اور جو امور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہوں ان کو یہ بھی ناپسند کرے۔ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے، ایسے شخص کا ہی ایمان مکمل ہوتا ہے۔"

قولہ : طُوبٰی لِعَبْدٍ

ابو السعادات رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

" طوبیٰ جنت کے مقامات میں سے ایک جگہ کا نام ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کا نام ہے۔"

طوبیٰ کو ایک درخت سمجھنے کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابن وہب نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ	ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!
وَمَا طُوبٰى؟ قَالَ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ	طوبیٰ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جنت میں
مَسِيرَةُ مِائَةِ سَنَةٍ ثِيَابُ	ایک درخت کا نام ہے جس کے نیچے سو سال
أَهْلِ الْجَنَّةِ تَخْرُجُ مِنْ	تک چلنے کی مسافت ہے، اس کے خوشوں سے
أَكْمَامِهَا	اہل جنت کے کپڑے برآمد ہوں گے

مسند امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ	ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!

---

[1] اس روایت میں ابن لہیعہ اور ابن الہیثم دو راوی ایسے ہیں جن کو امام احمد اور ابو داؤد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ﷺ طُوْبٰى لِمَنْ رَاٰكَ	مُبارک ہے وہ جس نے آپؐ کو دیکھا
وَاٰمَنَ بِكَ قَالَ : طُوْبٰى	اور آپؐ پر ایمان لے آیا۔ آپؐ نے یہ سُن کر فرمایا:
لِمَنْ رَاٰنِيْ وَ اٰمَنَ بِيْ وَ	جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا، اس
طُوْبٰى ثُمَّ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ	کے لیے طوبیٰ ہے اور وہ شخص جس نے مجھے دیکھا
بِيْ وَ لَمْ يَرَنِيْ قَالَ لَهٗ	نہیں لیکن صرف سُن کر ایمان لے آیا اس کے لیے
رَجُلٌ : وَمَا طُوْبٰى ؟	دو بار طوبیٰ کی خوشخبری ہے۔ اُس شخص نے عرض
	کی یارسُول اللہ ﷺ! طوبیٰ کیا چیز ہے؟
قَالَ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ	آپؐ نے فرمایا طوبیٰ جنت کے درختوں میں
مَسِيْرَةُ مِائَةِ عَامٍ ثِيَابُ	سے ایک درخت ہے جس کا سایہ سو سال
اَهْلِ الْجَنَّةِ تَخْرُجُ	تک چلنے کی مسافت ہے۔ اس کے خوشوں سے
مِنْ اَكْمَامِهَا	اہلِ جنت کی پوشاکیں برآمد ہوں گی۔

صحیح بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں بھی احادیث مروی ہیں۔ اس سلسلے میں علّامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب و غریب اثر نقل فرمایا ہے جسے ہم قارئین کرام کے استفادہ کے لیے یہاں پورا نقل کرتے ہیں۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يُقَالُ	جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ
لَهَا طُوْبٰى يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ	ہے۔ اُس کے سایہ میں گھڑ سوار سو سال تک
ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا	بھی چلتا رہے تو اُس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔
زَهْرُهَا رِيَاطٌ	اُس کے پھول ریشمی کپڑے ہوں گے۔
وَوَرَقُهَا بُرُوْدٌ	اُس کے پتّے چادریں ہوں گی۔
وَقُضْبَانُهَا عَنْبَرٌ	اُس کی ٹہنیاں عنبر کی ہوں گی۔
وَبَطْحَاؤُهَا يَاقُوْتٌ	اُس کے کنکر یاقوت ہیں۔
وَتُرَابُهَا كَافُوْرٌ	اُس کی مٹی کافور کی ہے۔
وَوَحْلُهَا مِسْكٌ	اُس کا کیچڑ کستوری ہے۔
تَخْرُجُ مِنْ اَصْلِهَا اَنْهَارُ	اُس درخت کی جڑوں سے شراب، دودھ اور

اَلْخَمْرِ وَاللَّبَنِ وَالْعَسَلِ	شہد کی نہریں نکلتی ہیں۔
وَهِيَ مَجْلِسٌ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ	اہلِ جنّت کے باہم مل بیٹھنے کی یہ جگہ ہے۔
فَبَيْنَمَا هُمْ فِيْ مَجْلِسِهِمْ اِذْ	ایک دفعہ وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوں گے کہ
اَتَتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ مِنْ رَبِّهِمْ؛	اُن کے ربّ کی طرف سے فرشتے آجائیں گے۔ وہ
يَقُوْدُوْنَ نُجُبًا مَزْمُوْمَةً	بڑی تیز رفتار سواریاں لائیں گے جن کی مہاریں
بِسَلَاسِلَ مِنْ ذَهَبٍ وُجُوْهُهَا	سونے کی زنجیریں ہوں گی، اُن کے چہرے خوبصورتی
كَالْمَصَابِيْحِ مِنْ حُسْنِهَا وَوَبَرُهَا	کے لحاظ سے چراغ کی طرح روشن ہوں گے۔
كَخَزِّ الْمِرْعِزِيِّ مِنْ لِيْنِهٖ عَلَيْهَا	اُن کی اون نرمی میں مرعزی ریشم کی طرح ہوگی۔
رِحَالٌ اَلْوَاحُهَا مِنْ يَاقُوْتٍ وَ	اُن پر کجاوے ہوں گے جن کی پٹڑیاں یاقوت کی
دُفُوْفُهَا مِنْ ذَهَبٍ	ہوں گی۔ پالکیاں سونے کی ہوں گی۔
وَثِيَابُهَا مِنْ سُنْدُسٍ وَ	اُن کے اوپر سندس، استبرق ریشم کے کپڑے ہوں گے
اِسْتَبْرَقٍ فَيُنِيْخُوْنَهَا وَ	فرشتے اُن کو بٹھاتے ہوئے اہلِ جنّت سے عرض
يَقُوْلُوْنَ: اِنَّ رَبَّنَا اَرْسَلَنَا	کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ کے پاس
اِلَيْكُمْ لِتَزُوْرُوْهُ وَتُسَلِّمُوْا	اس لیے بھیجا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی زیارت
عَلَيْهِ	اور اُسے سلام عرض کرلیں۔
قَالَ: فَيَرْكَبُوْنَهَا	اہلِ جنّت ان سواریوں پر سوار ہو جائیں گے۔
قَالَ: فَهِيَ اَسْرَعُ مِنَ الطَّائِرِ	یہ سواریاں پرندوں سے بھی زیادہ تیز رفتار چلیں
وَاَوْطَأُ مِنَ الْفِرَاشِ	گی۔ بستر سے بھی زیادہ نرم و نازک ہوں گی
نَجَبًا مِنْ غَيْرِ مِهْنَةٍ	وہ بغیر کسی تکلیف کے دوڑیں گے۔
يَسِيْرُ الرَّاكِبُ اِلٰى جَنْبِ اَخِيْهِ	ہر ایک سوار اپنے ساتھی کے پہلو بہ پہلو باہم
وَهُوَ يُكَلِّمُهٗ وَيُنَاجِيْهِ	گفتگو کرتا ہوا جارہا ہوگا۔
لَا تُصِيْبُ اُذُنُ رَاحِلَةٍ مِنْهَا	کسی سواری کا کان دوسری سواری کے ساتھ
اُذُنَ صَاحِبَتِهَا	نہ چھوئے گا۔
وَبَرْكُ رَاحِلَةٍ بَرْكَ صَاحِبَتِهَا	کسی کا پہلو کسی کے پہلو سے نہ لگے گا۔

حَتّٰی اِنَّ الشَّجَرَۃَ لَتَنْتَحِیْ	چلتے چلتے اگر کہیں راستے میں کوئی درخت آ جائے
عَنْ طَرِیْقِھِمْ لِئَلَّا تُفَرِّقَ	تو خود وہ درخت راستے سے ہٹ جائے گا تاکہ
بَیْنَ الرَّجُلِ وَاَخِیْہِ	ان دونوں بھائیوں میں دُوری پیدا نہ ہو جائے۔
قَالَ : فَیَأْتُوْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ	چلتے چلتے رحمان ورحیم کی بارگاہ قدس میں جا پہنچیں
الرَّحِیْمِ فَیَسْفِرُ لَھُمْ عَنْ	گے۔ اللہ تعالیٰ اپنا روشن چہرہ اُن کے سامنے
وَجْھِہِ الْکَرِیْمِ	کھول دے گا۔
حَتّٰی یَنْظُرُوْا اِلَیْہِ	تاکہ یہ لوگ اُس کے چہرے کو دیکھ لیں۔
فَاِذَا رَاَوْہُ	جب زیارت کر لیں گے تو
قَالُوْا : اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ	کہیں گے کہ اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور
وَمِنْکَ السَّلَامُ	تجھ سے ہی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔
وَحَقَّ لَکَ الْجَلَالُ وَالْاِکْرَامُ	جلال واکرام کا صرف تو ہی حقدار ہے۔
قَالَ : فَیَقُوْلُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی	اہل جنت کی یہ بات سُن کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ
عِنْدَ ذٰلِکَ : اَنَا السَّلَامُ وَمِنِّی	مَیں ہی سلام ہوں اور سلامتی مجھ سے ہی حاصل کی جا
السَّلَامُ	سکتی ہے۔
وَعَلَیْکُمْ حَقَّتْ رَحْمَتِیْ وَمَحَبَّتِیْ	میری محبت اور رحمت تمہارے لیے واجب ہو
مَرْحَبًا بِعِبَادِیَ الَّذِیْنَ خَشُوْنِیْ	چکی ہے۔ میں اپنے بندوں کو خوش آمدید کہتا ہوں
بِالْغَیْبِ	جو مجھے دیکھے بغیر مجھ سے ڈرتے رہے
وَاَطَاعُوْا اَمْرِیْ	اور میرے احکام پر عمل کرتے رہے۔
قَالَ : فَیَقُوْلُوْنَ	اہل جنت عرض کریں گے کہ
رَبَّنَا اِنَّا لَمْ نَعْبُدْکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ	اے اللہ! ہم تیری کماحقہٗ عبادت نہ کر سکے
وَلَمْ نَقْدِرْ لَکَ حَقَّ قَدْرِکَ	اور تیری قدر کا بھی حق ادا نہ کر سکے
فَأْذَنْ لَنَا بِالسُّجُوْدِ قُدَّامَکَ	لہٰذا ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے تجھے
	سجدہ کریں۔
قَالَ : فَیَقُوْلُ اللّٰہُ : اِنَّھَا لَیْسَتْ	اللہ فرمائے گا کہ یہ جگہ عبادت اور تکلیف کی
بِدَارِ نَصَبٍ وَّلَا عِبَادَۃٍ	نہیں ہے۔

وَلٰكِنَّهَا دَارُ مُلْكٍ وَنَعِيْمٍ وَإِنِّيْ قَدْ رَفَعْتُ عَنْكُمْ نَصَبَ الْعِبَادَةِ فَسَلُوْنِيْ مَا شِئْتُمْ فَإِنَّ لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْكُمْ أُمْنِيَّتَهُ

یہ ایسا گھر ہے جہاں سے انعام واکرام کی بارش ہو گی۔ میں نے اب عبادت کرنے کا بوجھ ختم کر دیا ہے اب جو چاہتے ہو سوال کرو کیونکہ اس وقت جو مانگو گے وہ ملے گا۔

فَيَسْأَلُوْنَهُ حَتّٰى إِنَّ أَقْصَرَهُمْ أُمْنِيَّةً لَيَقُوْلُ: رَبِّ تَنَافَسَ أَهْلُ الدُّنْيَا فِيْ دُنْيَاهُمْ فَتَضَايَقُوْا فِيْهَا

چنانچہ کم از کم جس کا سوال ہو گا وہ یہ ہو گا کہ اے اللہ! دنیا والے دنیا کے حصول میں ایک دوسرے کی ریس کرتے رہے اور باہم خطرے میں مبتلا رہے۔

رَبِّ! فَآتِنِيْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ كَانُوْا فِيْهِ مِنْ يَوْمٍ خَلَقْتَهَا إِلٰى أَنِ انْتَهَتِ الدُّنْيَا

اے میرے رب! تو مجھے ہر وہ چیز عطا کر جو دنیا والوں کو تو نے ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا ختم ہونے تک دی تھی

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: لَقَدْ قَصُرَتْ بِكَ الْيَوْمَ أُمْنِيَّتُكَ

تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج تیری آرزوئیں بڑی مختصر ہیں۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَ دُوْنَ مَنْزِلَتِكَ

تو نے اپنے مرتبہ کے مطابق سوال نہیں کیا۔

هٰذَا لَكَ مِنِّيْ وَسَأُتْحِفُكَ بِمَنْزِلَتِيْ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْ عَطَائِيْ نَكَدٌ وَلَا تَصْرِيْدٌ

یہ تو میں نے تجھے دیا اور میں تجھے اپنے مرتبے کے مطابق تحفہ دوں گا کیونکہ میری عطا میں بخیلی اور کوتاہی نہیں ہے

قَالَ: ثُمَّ يَقُوْلُ اِعْرِضُوْا عَلٰى عِبَادِيْ مَا لَمْ تَبْلُغْ أَمَانِيُّهُمْ وَلَمْ يَخْطُرْ لَهُمْ عَلٰى بَالٍ

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں کے سامنے وہ چیزیں پیش کرو جہاں تک ان کی آرزوئیں نہیں پہنچیں اور ان کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا۔

قَالَ: فَيَعْرِضُوْنَ عَلَيْهِمْ حَتّٰى تَقْصُرَ بِهِمْ أَمَانِيُّهُمُ الَّتِيْ فِيْ أَنْفُسِهِمْ

پھر دوسرے ان کو یاد دلائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ یعنی وہ ساری چیزیں جو ان کے دل میں ہوں گی۔

فَيَكُوْنُ فِيْمَا يَعْرِضُوْنَ عَلَيْهِمْ بَرَاذِيْنُ[1]	پھر جو وہ ان پر پیش کریں گے ان میں گھوڑے بھی
مُقْرَنَةٌ عَلٰى كُلِّ اَرْبَعَةٍ مِّنْهَا	ہوں گے۔ ہر چار جتے ہوئے گھوڑوں پر ایک ہی
سَرِيْرٌ مِنْ يَاقُوْتَةٍ وَاحِدَةٍ	یاقوت کا تخت بچھا ہوا ہوگا۔
عَلٰى كُلِّ سَرِيْرٍ مِّنْهَا قُبَّةٌ مِّنْ ذَهَبٍ	اور ہر تخت پر خالص سونے کا ایک قبہ ہوگا۔
مُفْرَغَةٍ، فِيْ كُلِّ قُبَّةٍ مِّنْهَا	ان میں سے ہر قبّے میں جنتی بستر بچھے ہوں
فُرُشٌ مِنْ فُرُشِ الْجَنَّةِ مُظَاهَرَةٌ	گے۔
فِيْ كُلِّ قُبَّةٍ مِّنْهَا جَارِيَتَانِ مِنَ	ان میں سے ہر قبّے میں دو نوجوان سفید رنگ
الْحُوْرِ الْعِيْنِ	موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔
عَلٰى كُلِّ جَارِيَةٍ مِّنْهُنَّ ثَوْبَانِ	ان میں سے ہر لڑکی پر جنتی کپڑوں میں سے دو
مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ	کپڑے ہوں گے
وَلَيْسَ فِي الْجَنَّةِ لَوْنٌ اِلَّا وَ	اور جنت کا کوئی رنگ ایسا نہ ہوگا جو ان دونوں
هُوَ فِيْهِمَا	کپڑوں میں نہ ہو۔
وَلَا رِيْحٌ طَيِّبٌ اِلَّا قَدْ عَبِقَ	اور کسی عطر کی خوشبو ایسی نہ ہوگی جس کی مہک
بِهِمَا	ان کپڑوں سے نہ آتی ہو۔
يَنْفُذُ ضَوْءُ وُجُوْهِهِمَا غِلَظَ	ان کے چہروں کی چمک قبّے کی دبیز تہوں سے
الْقُبَّةِ	پار ہو جائے گی۔
حَتّٰى يَظُنَّ مَنْ يَرَاهُمَا مِنْ	یہاں تک کہ جو ان کو دیکھے گا وہ سمجھے گا کہ یہ قبّے
دُوْنِ الْقُبَّةِ	سے باہر ہیں۔
يُرٰى مُخُّهُمَا مِنْ فَوْقِ	ان کی ہڈی کا گودا پنڈلی کے اوپر سے ایسا نظر
سُوْقِهِمَا كَالسِّلْكِ الْاَبْيَضِ	آئے گا جیسے سرخ یاقوت میں سفید دھاگا پرو
فِيْ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ	رکھا ہو۔
يَرَيَانِ لَهٗ مِنَ الْفَضْلِ عَلٰى	وہ عورتیں اپنے شوہر کو دیکھ کر محسوس کریں گی کہ
صَحَابَتِهٖ كَفَضْلِ الشَّمْسِ عَلَى	اسکو اپنے ساتھیوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے سورج

[1] بَرَاذِيْنُ جمع ہے بِرْذَوْن کی۔ یعنی گھوڑے۔

اَلحِجارۃِ اَوْ اَفْضَلَ وَیَرٰی	کہ پتھر کے ٹکڑے پڑیا اس سے بھی بہتر اور وہ
لَہُمَا مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَدْخُلُ	بھی ان دونوں کو ایسا ہی دیکھے گا۔ پھر جنتی شخص
عَلَیْہِمَا	اُن کے پاس جائے گا
فَیُحَیِّیَانِہٖ	تو وہ اُسے سلام کہیں گی
وَیُقَبِّلَانِہٖ	اور اُس کا بوسہ لیں گی
وَیُعَانِقَانِہٖ	اور اُس سے بغل گیر ہوں گی
وَیَقُوْلَانِ لَہٗ	اور اُس سے کہیں گی۔
وَاللّٰہِ مَا ظَنَنَّا اَنَّ اللّٰہَ	خدا کی قسم ہمارے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ
یَخْلُقُ مِثْلَکَ	اللہ نے تجھ جیسے آدمی پیدا کیے ہوں گے۔
ثُمَّ یَأْمُرُ اللّٰہُ تَعَالٰی الْمَلَائِکَۃَ	اس کے بعد اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دے گا
فَیَسِیْرُوْنَ بِہِمْ صَفًّا فِی الْجَنَّۃِ	اور وہ فرشتے ان اہل جنت کو جنت میں صف
حَتّٰی یَنْتَہِیَ کُلُّ رَجُلٍ اِلٰی	بنا کر لے چلیں گے۔
مَنْزِلَتِہِ الَّتِیْ اُعِدَّتْ	اور چلتے چلتے اُس مقام تک جا پہنچیں گے جو
لَہٗ	اُن کے لیے رب کریم نے تیار کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے بھی اس اثر کو وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے ہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی روایت میں مندرجہ ذیل الفاظ زائد ہیں

فَانْظُرُوْا اِلٰی مَوَاہِبِ رَبِّکُمْ	اپنے رب کریم کے عطیات کو دیکھو
الَّذِیْ وَہَبَ لَکُمْ	جو تمہیں دیے گئے ہیں۔
فَاِذَا بِقِبَابٍ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی	بلند بارگاہ میں قبے ہوں گے
وَغُرَفٍ مَّبْنِیَّۃٍ بِالدُّرِّ	اور موتی اور مونگے سے بنے ہوئے
وَالْمَرْجَانِ	بالاخانے ہوں گے
اَبْوَابُہَا مِنْ ذَہَبٍ	اُن کے دروازے سونے کے ہوں گے
وَسُرُرُہَا مِنْ یَاقُوْتٍ	ان کی چارپائیاں یاقوت کی ہوں گی
وَفُرُشُہَا مِنْ سُنْدُسٍ وَاِسْتَبْرَقٍ	ان کے بستر سندس اور استبرق کے ہوں گے
وَمَنَابِرُہَا مِنْ نُوْرٍ	اور ان کے منبر نور کے ہوں گے

يَفُوْرُ مِنْ اَبْوَابِهَا وَعَرَاصِهَا نُوْرٌ	ان کے دروازوں اور صحنوں سے اس طرح کا نور
مِثْلَ شُعَاعِ الشَّمْسِ عِنْدَهٗ	نکلے گا کہ سورج کی شعاعیں اس کے مقابل ایک
مِثْلَ الْكَوَاكِبِ الدُّرِّيِّ فِي	ستارے کی حیثیت رکھتی ہوں گی
النَّهَارِ الْمُضِيْئِ	جبکہ وہ دن کی تیز روشنی میں ہو
وَاِذَا بِقُصُوْرٍ شَامِخَةٍ فِيْ اَعْلٰى	پھر اعلیٰ علیین میں یاقوت کے بلند محل ہونگے
عِلِّيِّيْنَ مِنَ الْيَاقُوْتِ يَزْهُوْ نُوْرُهَا	ان کی روشنی چمکتی ہوگی
فَلَوْلَا اَنَّهٗ مُسَخَّرٌ اِذًا لَالْتَمَعَ	اگر وہ روشنی تابع فرمان نہ ہوتی
الْاَبْصَارَ	تو آنکھیں چندھیا جاتیں
فَمَا كَانَ مِنْ تِلْكَ الْقُصُوْرِ	پھر ان محلوں میں سے جو محل
مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَبْيَضِ	سفید یاقوت کے ہوں گے
فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالْحَرِيْرِ الْاَبْيَضِ	اُن میں فرش بھی سفید ریشم کا ہوگا۔
وَمَا كَانَ مِنْهَا مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَخْضَرِ	اور جو محل سبز یاقوت کے ہوں گے
فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالسُّنْدُسِ الْاَخْضَرِ	وہاں فرش بھی سبز سندس کا ہوگا
وَمَا كَانَ مِنْهَا مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَصْفَرِ	اور جو محل زرد یاقوت کے ہوں گے
فَهُوَ مَفْرُوْشٌ بِالْاُرْجُوَانِ الْاَصْفَرِ	اُن میں فرش بھی زرد ریشم کا ہوگا
مُبَوَّبَةٌ بِالزُّمُرُّدِ الْاَخْضَرِ	اُن کے دروازے سبز زمرد
وَالذَّهَبِ الْاَحْمَرِ	اور سُرخ سونے
وَالْفِضَّةِ الْبَيْضَاءِ	اور سفید چاندی کے ہوں گے
قَوَائِمُهَا وَاَرْكَانُهَا مِنَ الْجَوْهَرِ	اُن کے ستون اور گوشے جواہرات کے ہوں گے
وَشُرَفُهَا قِبَابٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ	اور اُن کے بالاخانے موتیوں کے قبے ہوں گے
وَبُرُوْجُهَا غُرَفٌ مِنَ الْمَرْجَانِ	اور اُن کے برج مونگے کے کمرے ہوں گے
فَلَمَّا انْصَرَفُوْا اِلٰى مَا	پھر جب وہ خدا تعالیٰ کے عطیات کی طرف واپس
اَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ	آنا چاہیں گے
قُرِّبَتْ لَهُمْ بَرَاذِيْنُ	تو سفید یاقوت کے گھوڑے ان کے پاس لائے

مِنْ يَاقُوْتٍ اَبْيَضَ مَنْفُوْخٌ	جائیں گے
فِيْهَا الرُّوْحُ	جن میں رُوح ہو گی
تَحْتَهَا الْوِلْدَانُ	ان کے نیچے ہمیشہ رہنے والے لڑکے
الْمُخَلَّدُوْنَ	ہوں گے۔
بِيَدِ كُلِّ وَلِيدٍ مِّنْهُمْ حَكَمَةٌ	ہر بچے کے ہاتھ میں ان گھوڑوں میں سے
بِرْذَوْنٍ مِّنْ تِلْكَ الْبَرَاذِيْنِ	ایک ایک گھوڑے کی لگام ہوگی
وَلُجُمُهَا وَاَعِنَّتُهَا مِنْ فِضَّةٍ بَيْضَاءَ	اور اُن کی لگامیں سفید چاندی کی ہوں گی
مَنْظُوْمَةٌ بِالدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ	جن پر موتی اور یاقوت جڑے ہوں گے
سُرُرٌ مَّوْضُوْنَةٌ مَفْرُوْشَةٌ	اور ان پر بلند تخت بچھے ہوں گے
بِالسُّنْدُسِ وَالْاِسْتَبْرَقِ	سندس اور استبرق پڑا ہوگا
فَانْطَلَقَتْ بِهِمْ تِلْكَ الْبَرَاذِيْنُ	وہ گھوڑے ان جنتیوں کو لے کر
تَزِفُّ بِهِمْ	دوڑتے آئیں گے۔
فَيَنْظُرُوْنَ رِيَاضَ الْجَنَّةِ	ریاض الجنۃ کو دیکھیں گے
فَلَمَّا انْتَهَوْا اِلٰى مَنَازِلِهِمْ وَجَدُوْا	جب اپنے اپنے محلات تک پہنچیں گے تو
الْمَلٰٓئِكَةَ قُعُوْدًا	سامنے فرشتوں کو بیٹھا ہوا پائیں گے
عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ	جو نُور کے منبروں پر بیٹھے اُن کا انتظار کر رہے
يَنْتَظِرُوْنَهُمْ	ہوں گے تاکہ
لِيَزُوْرُوْهُمْ	ان کی زیارت کریں
وَيُصَافِحُوْنَهُمْ	اور ان سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کریں
وَيُهَنِّئُوْنَهُمْ كَرَامَةَ رَبِّهِمْ	اور رب کریم کی تکریم پر مبارکباد پیش کریں
فَلَمَّا دَخَلُوْا قُصُوْرَهُمْ	جب اپنے اپنے محلات میں داخل ہوں گے
وَجَدُوْا فِيْهَا جَمِيْعَ مَا	تو اُس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے
تَطَاوَلَ بِهٖ عَلَيْهِمْ	ان پر فضل و احسان کیا ہوگا
وَمَا سَأَلُوْا وَمَا	اور جو انہوں نے مانگا ہوگا اور جس کی خواہش
تَمَنَّوْا	کی ہوگی

وَاِذَا عَلٰی بَابِ کُلِّ قَصْرٍ	وہ دیکھیں گے کہ ان محلوں میں سے ہر محل کے
مِنْ تِلْكَ الْقُصُوْرِ اَرْبَعَةُ جِنَانٍ	دروازے پر چار چار باغ ہوں گے
جَنَّتَانِ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ	دو باغ تو بڑے لمبے ٹہنوں والے ہوں گے
وَجَنَّتَانِ مُدْهَآمَّتَانِ	اور دو باغ نہایت سرسبز ہوں گے
وَفِيْهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ	اور اس میں دو چشمے جوش مارتے ہوں گے
وَفِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ وَ	اور اس میں ہر میوے کے جوڑے ہوں گے
حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ	اور سیاہ آنکھوں والی حوریں خیموں میں ہوں گی
فَلَمَّا تَبَوَّءُوْا مَنَازِلَهُمْ وَاسْتَقَرُّوْا	جب یہ لوگ اپنے محلات میں آرام سے
قَرَارَهُمْ	بیٹھ جائیں گے تو
قَالَ لَهُمْ رَبُّهُمْ	اللہ تعالیٰ فرمائے گا
هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ	تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ
حَقًّا ؟	پورا ہو گیا یا نہیں ؟
قَالُوْا ، نَعَمْ وَرَبِّنَا	اہل جنت عرض کریں گے بخدا وہ وعدہ پورا ہو گیا
قَالَ ، هَلْ رَضِيْتُمْ ثَوَابَ	اللہ تعالیٰ پھر سوال کرے گا کہ کیا تم اپنے رب
رَبِّكُمْ ؟	کے اجر و ثواب پر خوش ہو؟
قَالُوْا : رَبَّنَا رَضِيْنَا فَارْضَ	اہل جنت عرض کریں گے اے اللہ! ہم
عَنَّا	راضی ہیں، تو بھی ہم پر راضی ہو جا
قَالَ ، بِرِضَائِيْ عَنْكُمْ	اللہ فرمائے گا میری رضا کی وجہ سے ہی تم کو
اَحْلَلْتُكُمْ دَارِيْ	میں نے اپنے گھر میں جگہ دی ہے
وَنَظَرْتُمْ اِلٰی	اور میری رضا کی بدولت ہی تم کو میرا چہرہ
وَجْهِيْ	دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے
فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَالُوْا	اہل جنت عرض کریں گے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ	تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ہم سے
عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا	غم کو لے گیا، بیشک ہمارا رب

أَخَذَ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَشْعَثَ رَأْسُهٗ، مُغْبَرَّةً قَدَمَاهُ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَ إِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ ۔

اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہے۔
پراگندہ سر، خاک آلود قدم۔ اگر پہرے پر ہے تو پہرے پر اور اگر فوج کے پچھلے حصّے میں ہے تو اسی میں اپنی ذمّہ داری نبھا رہا ہے۔

لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ	بخشنے والا اور قدر دان ہے
اَلَّذِيْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ	وہ جس نے ہمیں مستقل گھر میں اپنے فضل وکرم سے اتارا، ہمیں یہاں کبھی تکلیف نہ ہوگی اور نہ ہمیں کبھی تھکاوٹ ہوگی"

یہ عجیب وغریب اثر جو نقل کیا گیا ہے اس کے اکثر الفاظ کی تصدیق صحیحین کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔
طُوبیٰ کے بارے میں خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ
" طوبیٰ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کا نام ہے، اس کی شاخیں دُودھ سے بھری ہوں گی۔ چھوٹے چھوٹے بچے اس درخت کی ٹہنیوں سے دُودھ حاصل کرتے ہیں اور وہ بچہ جو قبل از اتمامِ مدتِ حمل پیدا ہوا وہ جنت کی نہروں میں قیامت تک رہے گا اور قیامت کے دِن چالیس سال کا نوجوان اٹھے گا۔" ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔

قولہٗ : اخذ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
یعنی مُشرکین اور کُفار سے جہاد میں مصروف رہتا ہے۔

قولہٗ : اَشْعَثَ پراگندہ سر

لفظ اَشْعَثَ چونکہ غیر منصرف ہے لہٰذا حالتِ جر میں مفتوح ہوتا ہے۔ اس کے غیر منصرف ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وصفیت، دوسری وزنِ فعل اور لفظ رَأْسُہٗ فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہے۔

یعنی جہاد کی مصروفیات کی وجہ سے وہ نہ تو سر میں تیل لگا سکتا ہے اور نہ بالوں کو سنوار سکتا ہے۔ اسی طرح دوسری نعمتوں سے بھی وہ کما حقہٗ فائدہ حاصل نہیں کر پاتا، اس لیے اس کی شکل وصورت گرد وغبار میں اٹی رہتی ہے۔

قولہٗ : مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ

لفظ مُغْبَرَّةٍ مجرور ہے کیونکہ یہ عَبْدٍ کی صفتِ ثانیہ ہے۔

قولہٗ : إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ

مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا بلکہ ہمہ وقت چوکس اور مستعد رہتا ہے۔

قولہٗ : وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ

اَلسَّاقَة لشکر کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مسکین طبع شخص کہ اگر اس کو لشکر کے بالکل پیچھے مجاہدین کے سامان وغیرہ کی حفاظت پر بھی متعین کر دیا جائے تو وہ اس کو عار محسوس نہیں کرتا۔ یعنی جس مقام پر بھی اس کو مقرر کیا جائے اسے بخوبی اور بطریقِ احسن نبھاتا ہے۔ رات اور دن، آندھی اور بارش کی بھی پروا نہیں کرتا کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجرِ جزیل اور ثوابِ کثیر کی توقع اور تمنا ہے اور محض اس کی رضا کا حصول اس کے پیشِ نظر ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"یہ شخص نہ اپنی شہرت کا طلبگار ہوتا ہے اور نہ اپنی برتری کا لوہا منوانے کا خواہشمند۔"

علامہ الخلخالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسے جو حکم ملتا ہے اُس پر پوری تندہی سے عمل کرتا ہے۔ جس جگہ اس کو کھڑا کر دیا جائے اسی مقام پر جم جاتا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا۔ حدیث میں الحراسۃ اور الساقۃ دو مقامات کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان دونوں مقامات میں مشقت اور محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔"

زیرِ نظر حدیث میں لشکر کی حفاظت اور وہ بھی الحراسہ اور الساقہ کی افضلیت کا پتا چلتا ہے۔

إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ - وَ إِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ -

اگر رخصت مانگے تو رخصت نہ ملے اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے

قولہ : إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ

یعنی اگر امرائے جنگ سے رخصت طلب کرے تو اسے رخصت نہیں ملتی کیونکہ امرائے جنگ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں صرف اللہ تعالے سے اجر و ثواب کا طالب ہوتا ہے۔ امرائے حرب کی خوشنودی اور ان کی خوشامد اس مجاہد کا مقصد ہی نہیں ہوتا۔

قولہ : وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ

اگر کسی وقت ایسے امور کے بارے میں، جن میں اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مضمر ہو، یہ مجاہد امراء و حکام کے ہاں سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش کو غیر اہم سمجھ کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ	کوئی پراگندہ بال گرد و غبار میں اٹا پڑا (حکام کے دروازے سے ہٹایا جانے والا اگر (اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ پر قسم اٹھائے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کر دیتا ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"زیر نظر حدیث میں بڑائی اور شہرت کو ترک کر دینے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے نیز تواضع اور انکساری کی فضیلت کو واضح کیا گیا ہے۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ کہنے لگے آج میں آپ حضرات کو وہ حدیث سنانا چاہتا ہوں جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا

حَرَسُ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ لَيْلَةٍ يُقَامُ لَيْلُهَا وَ يُصَامُ نَهَارُهَا (مسند امام احمد)	اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اسلامی لشکر کی حفاظت ایک رات چوکیداری کرنا ایسی ہزار رات سے افضل ہے جس میں انسان رات کو قیام کرے اور دن کو روزہ رکھے۔

علامہ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن المبارک کے حالات میں فرماتے ہیں کہ:

"نصیبین کے قاضی حضرت عبداللہ بن محمد نے کہا کہ محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ نے ہمیں بتایا کہ عبداللہ بن المبارک نے طرسوس کے مقام سے حضرت فضیل بن عیاض کی طرف ایک خط لکھوایا کہ جب تم مکہ مکرمہ پہنچو تو میرا یہ خط فضیل بن عیاض کو دے دینا۔ یہ واقعہ ۱۷۷ھ کا ہے۔ اس خط میں مندرجہ ذیل اشعار قابل غور ہیں حضرت عبداللہ بن المبارک لکھتے ہیں

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ أَبْصَرْتَنَا ۔۔۔ لَعَلِمْتَ أَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ

اے حرمین میں عبادت کرنے والے اگر تو ہمیں دیکھے تو تجھے معلوم ہو جائے کہ تو عبادت میں کھیلتا ہے

مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهُ بِدُمُوْعِهِ ۔۔۔ فَنُحُوْرُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ

جو آدمی اپنے رخساروں کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتا ہے وہ یہ سمجھ لے کہ ہمارے سینے خون سے رنگین ہوتے ہیں

أَوْ كَانَ يُتْعِبُ خَيْلَهُ فِيْ بَاطِلٍ ۔۔۔ فَخُيُوْلُنَا يَوْمَ الصَّبِيْحَةِ تَتْعَبُ

یا اگر کوئی اپنے گھوڑے کو باطل میں تھکاتا ہے تو ہمارے گھوڑے جنگ کے زور سے تھکتے ہیں

رِيْحُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَ نَحْنُ عَبِيْرُنَا ۔۔۔ رَهَجُ السَّنَابِكِ وَ الْغُبَارُ الْأَطْيَبُ

عنبر کی خوشبو تمہارے لیے اور ہماری خوشبو خون آلود سم اور پاکیزہ غبار ہے

وَلَقَدْ أَتَانَا مِنْ مَقَالِ نَبِيِّنَا ۔۔۔ قَوْلٌ صَحِيْحٌ صَادِقٌ لَا يُكْذَبُ

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچ چکی ہے اور یہ صحیح حدیث ہے جھوٹی نہیں ہے

لَا يَسْتَوِيْ غُبَارُ خَيْلِ اللّٰهِ فِيْ ۔۔۔ أَنْفِ امْرِئٍ وَ دُخَانُ نَارٍ تَلْهَبُ

کہ اللہ کے لشکر کا غبار اور آگ کا دھواں ایک ہی آدمی کی ناک میں جمع نہیں ہونگے

هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا
لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَا يُكْذَبُ

اور یہ اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں بول کر بتاتی ہے اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں کہ شہید مردہ نہیں ہے،

محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب میں حرم شریف میں پہنچا تو یہ خط میں نے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ اس خط کو پڑھ رہے تھے اور زار وقطار رو رہے تھے۔ خط پڑھنے کے بعد فرمانے لگے عبداللہ بن المبارک نے ٹھیک لکھا ہے اور مجھے وصیت فرمائی ہے۔ مجھ سے پوچھنے لگے کیا آپ ہی ان کے کاتب ہیں؟ میں نے عرض کی کہ ہاں میں ہی کتابت کے فرائض انجام دیتا ہوں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ اس خط کے جواب میں یہ حدیث لکھو۔ چنانچہ آپ نے درج ذیل حدیث مجھے لکھوائی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

اَنَّ رَجُلاً قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِيْ عَمَلاً اَنَالُ بِهٖ ثَوَابَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ؟ فَقَالَ : هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تُصَلِّيَ فَلَا تَفْتُرَ وَ تَصُوْمَ فَلَا تُفْطِرَ؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَنَا اَضْعَفُ مِنْ اَنْ اَسْتَطِيْعَ بِذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ طُوِّقْتَ ذٰلِكَ مَا بَلَغْتَ فَضْلَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِ لَيَسْتَنُّ فِيْ طِوَلِهٖ فَيُكْتَبُ لَهٗ بِذٰلِكَ حَسَنَاتٌ؟	ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے میں مجاہدین کے سے اجر کا حامل بن جاؤں۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اس طرح نماز پڑھ سکتے ہو کہ کبھی اس میں کمی نہ کرو اور اس طرح روزے رکھ سکتے ہو کہ انھیں کبھی ترک نہ کرو؟ اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بوجھ کو اٹھانے سے اپنے آپ کو کمزور پاتا ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اُس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تو اس کی طاقت بھی رکھے اور یہ دونوں فریضے انجام بھی دیتا رہے تب بھی تو مجاہدین فی سبیل اللہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ تمھیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ مجاہدین کے گھوڑے جب اپنی رسی میں دوڑتے ہیں تو ان کے نامہ اعمال میں اس کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔"

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: إِرَادَةَ الْإِنْسَانِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْأٰخِرَةِ

① وہ عمل جو آخرت کے لیے تھا اُس سے دنیا طلب کرنا۔

الثانیۃ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ هُوْدٍ۔

② سورۂ ہود کی آیت کی تفسیر

الثالثۃ: تَسْمِيَةُ الْإِنْسَانِ الْمُسْلِمِ عَبْدَ الدِّيْنَارِ وَ الدِّرْهَمِ وَ الْخَمِيْصَةِ۔

③ مسلمان کو درہم و دینار کے بندے کے نام سے پکارا جاسکتا ہے۔

الرابعۃ: تَفْسِيْرُ ذٰلِكَ بِأَنَّهُ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَ إِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ۔

④ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کی آرزو پوری ہوگئی تو راضی ورنہ ناراض۔

الخامسة | قوله: تَعِسَ وَ انْتُكِسَ

⑤ تعس وانتكس کی شرح

السادسة | قوله: وَ إِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ

⑥ اسی طرح واذا شيك فلا انتقش کے مفہوم کی وضاحت۔

السابعة | اَلثَّنَاءُ عَلَى الْمُجَاهِدِ الْمَوْصُوْفِ بِتِلْكَ الصِّفَاتِ۔

⑦ جو مجاہد مذکورہ صفات کا حامل ہو، اس کی تعریف۔

باب

من أطاع العلماء والأمراء في تحريم ما أحل الله أو تحليل ما حرم الله فقد اتخذهم أربابا من دون الله

اس باب میں

اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے حلال و حرام کی پرواہ کیے بغیر علما اور اُمرا کی اطاعت کرتا ہے وہ مشرک ہے کیونکہ اس نے اللہ کے سوا اُن لوگوں کو رب قرار دے لیا ہے

وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: "یُوْشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں۔

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے حلال اور حرام کی پروا کیے بغیر علماء اور امراء کی اطاعت کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ کیونکہ اس نے اللہ کے سوا ان لوگوں کو رب قرار دے لیا ہے۔

اس کی دلیل قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبۃ۔ ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اس آیت پر تفصیلی گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث پر بھی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

قولہ : یوشك ان تنزل علیکم۔

یوشک، بضم الیاء وکسر الشین ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ قریب ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ تمتع سے حج افراد افضل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ تمتع کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تو حج افراد کو افضل قرار دیتے

ہیں اور آپ تمتّع کو کیوں واجب ٹھہراتے ہیں ۔ ؟

اس کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔
وہ کہا کرتے تھے کہ جب بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا مروہ کے درمیان سات دفعہ دوڑ بھی لیا تو اپنے عمرہ سے حلال ہوگیا۔ وہ یہ چاہے یا نہ چاہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تمتّع کے افضل ہونے کی دلیل حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص طواف بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروۃ کرے تو اسے اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کر لینا چاہیے۔ اس پر حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی

يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِلْاَبَدِ؟ فَقَالَ: لِلْاَبَدِ

یا رسول اللہ! یہ حکم اسی سال کے لیے خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔

یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے۔

واضح احادیث کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ علمائے کرام یا ائمہ عظام کے دلائل اور ان کے اقوال کو ان پر ترجیح دے۔ کیونکہ قرآنِ کریم نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○

(نساء ـ ٥٩)

کہ اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

تمتّع کی افضلیت پر صحیح بخاری و مسلم اور دوسری کتب احادیث میں مندرجہ ذیل حدیث موجود ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں۔

لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ

جو مجھے اب معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم

أَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَ تَقُولُونَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ وَّ عُمَرُ

میں کہتا ہوں یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یوں کہا ہے۔

مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا اَهْدَيْتُ	ہو جاتا تو میں قربانی نہ لاتا اور اگر میرے
وَلَوْلَا اَنَّ مَعِیَ الْهَدْیَ	پاس قربانی نہ ہوتی تو میں احرام کھول
لَاَحْلَلْتُ[1]	دیتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

اِفْعَلُوْا مَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَلَوْلَا	میں جو تمہیں حکم دیتا ہوں وہی کرو اور
اَنِّیْ سُقْتُ الْهَدْیَ لَفَعَلْتُ	اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی
مِثْلَ الَّذِیْ اَمَرْتُكُمْ	وہی کچھ کرتا جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں

چنانچہ بعض لوگوں نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے صحیح احادیث کا معارضہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا

يُوْشِكُ اَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ،

یعنی قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے آنحضرت ﷺ کا طریقہ اور آپ کا ارشاد واضح ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ کسی شخص کے قول کی بنا پر ارشادِ نبوی ترک نہ کرے"

امام مالک رحمہ اللہ نے (مدینہ منورہ مسجدِ نبوی میں درس دیتے ہوئے) فرمایا تھا کہ

---

[1] یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

"ہم میں سے ہر شخص کسی کی بات کو رد کر سکتا ہے اور اس کی بات کو بھی ٹھکرایا جا سکتا ہے، مگر (آنحضرت ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اِس صاحبِ قبر کی حدیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔"

علمائے کرام رحمہم اللہ وقوعِ مسائل کے وقت ہمیشہ اجتہاد کرتے رہے۔ پس جس شخص کا اجتہاد صحیح ہوا اُسے دہرا اجر ملے گا اور جس شخص نے اجتہاد میں غلطی کھائی اُسے اس کی محنت اور اجتہاد کا اجر ملے گا جیسا کہ حدیثِ نبویؐ میں مذکور ہے۔

لیکن ان مجتہد علما کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی دلیل واضح ہو گئی تو اس پر عمل کر لیا اور اجتہاد ترک کر دیا۔

ائمہ کرام نے اجتہاد سے اُس وقت کام لیا جب کہ اُن کے علم میں آنحضرت ﷺ کا صحیح فرمان نہ تھا یا علم تھا لیکن اس میں دوسرا فرمانِ رسالت مآبؐ بھی موجود پایا، تو اس صورت میں اُنہوں نے اجتہاد سے مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش فرمائی۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے دور میں طلبِ حدیث کی صورت یہ تھی کہ براہِ راست اُستاذ کے پاس جا کر سماعِ حدیث کی جاتی تھی اور اس سلسلے میں کئی کئی سال کا سفر کر کے حدیث حاصل کی جاتی تھی۔ اس کے بعد یہ دور آیا کہ احادیث کو کتابی صورت میں مدوّن کر دیا گیا اور باقاعدہ اسناد سے حدیث کو درج کیا جانے لگا اور ہر حدیث کے متعلق یہ وضاحت کی گئی کہ یہ صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے یا موضوع فقہائے کرام نے مختلف مذاہب کی روشنی میں باقاعدہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان میں مجتہدین کے دلائل ذکر کیے، جس سے ایک طالبِ حق کے لیے صحیح راستہ آسانی سے معلوم ہو گیا۔ ہر امام نے اپنے اجتہاد کے لیے دلیل کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے آنحضرت ﷺ کا ارشاد پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا جائے اور پھر بھی وہ اپنے امام کی تقلید کی وجہ سے حدیثِ رسول ﷺ کو تسلیم نہ کرے تو اس کی سختی سے مخالفت اور تغلیط کرنی چاہیے کیونکہ وہ جان بوجھ کر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کو ترک کر رہا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے ہر شخص کی

وَقَالَ الْإِمَامُ اَحْمَدُ رحمہ اللہ : عَجِبْتُ لِقَوْمٍ عَرَفُوا الْإِسْنَادَ وَ صِحَّتَهٗ وَ يَذْهَبُوْنَ إِلٰى رَأْيِ سُفْيَانَ

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اُن لوگوں پر سخت تعجب ہے جو صحتِ حدیث کے بعد بھی حضرت سفیان رحمہ اللہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

بات کو قبول اور ردّ کیا جا سکتا ہے، سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے "

پس ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کسی عالم یا امام کے قول کو ترجیح دیتا ہے، اس سے انکار کرنا واجب ہے کیونکہ کسی مجتہد یا امام کی بات کو تسلیم کرنا صرف ان مسائلِ اجتہادی تک جائز ہے، جن میں کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی وضاحت نہ ملتی ہو لیکن جس مسئلہ میں کتاب و سنّت سے واضح رہنمائی ہوتی ہو اُس میں اجتہاد کی تردید ضروری ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے۔

قولہٗ : وَقَالَ الْإِمَامُ اَحْمَدُ : عَجِبْتُ لِقَوْمٍ عَرَفُوا :

امام احمد رحمہ اللہ کا یہ کلام فضل بن زیاد اور ابو طالب نقل کرتے ہیں فضل بن زیاد نے امام احمد سے مزید مندرجہ ذیل کلام نقل کیا ہے، جس میں امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" اطاعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں تینتیس مقامات پر بیان کیا گیا ہے پھر امام صاحب نے قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (النور - ۶۳)	رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔

امام صاحب نے اس آیت میں مذکورہ فتنے کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء - ۶۵)	نہیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے رب کی قسم۔ یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپؐ کو حکم نہ مان لیں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

ابوطالب کہتے ہیں۔ امام صاحب سے کہا گیا کہ

" بعض لوگ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ تو امام صاحب نے فرمایا

اَعْجَبُ لِقَوْمٍ سَمِعُوا الْحَدِيْثَ وَعَرَفُوا الْاِسْنَادَ وَ صِحَّتَهٗ يَدَعُوْنَهٗ وَيَذْهَبُوْنَ اِلٰى رَاْيِ سُفْيَانَ وَغَيْرِهٖ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (النور - ۶۳)	مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنی پھر اس کی سند کی صحت کے بعد اُسے چھوڑ کر سفیان رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔
اَتَدْرِىْ مَا الْفِتْنَةُ ؟	تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ کسے کہتے ہیں؟
اَلْفِتْنَةُ الْكُفْرُ،	فتنہ سے مراد کفر ہے،
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ	فتنہ قتل سے بھی گھناؤنا فعل ہے
فَيَدَعُوْنَ الْحَدِيْثَ عَنْ	حدیث رسول کو چھوڑ کر اپنی خواہشات

وَرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَتَغْلِبُهُمْ أَهْوَاؤُهُمْ إِلَى الرَّأْيِ — کی پیروی میں وہ اپنی آراء پر عمل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی امام صاحب سے مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے۔

قولہٗ : عَرَفُوا الْإِسْنَادَ

محدثین کرام اور دوسرے علماء کے ہاں جب کسی حدیث کی سند صحیح ثابت ہو جائے تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔

قولہٗ : وَيَذْهَبُوْنَ إِلَى رَأْيِ سُفْيَانَ

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے دور کے بہت بڑے امام، زاہد، عابد، فقیہ اور ثقہ تھے، ان کے معتقدین کثیر تعداد میں تھے جو ان سے اخذِ علم کرتے تھے۔ علماء کے ہاں ان کا ایک خاص مسلک مشہور ہے، جس کا تذکرہ ائمہ مذاہب کی کتب میں موجود ہے۔ جیسے

تمہید : ابن عبدالبر میں،

استذکار : ابن عبدالبر میں،

کتاب الاشراف علی مذاہب الاشراف : ابن المنذر میں،

المحلی : ابن حزم میں،

المغنی : ابن قدامہ میں،

قولہٗ : أَعْجَبُ لِقَوْمٍ عَرَفُوا الْإِسْنَادَ وَصِحَّتَهٗ

امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول ان لوگوں کی سخت تردید کر رہا ہے جو کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے ائمہ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے انسان کا دل قبولِ حق سے برگشتہ ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ آج کل مسلمانوں کی اکثریت اسی مرض میں مبتلا دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً جن لوگوں کو اہلِ علم کہا جاتا ہے، وہ اس کی عین زد میں ہیں انہوں نے ایک ایسا جال بچھا رکھا ہے جس سے گزر کر عام آدمی کتاب و سنت اور اتباعِ رسول ﷺ کی منزل تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ آنحضرت ﷺ کے اوامر و نواہی کی پوری طرح عظمت کر سکتا ہے اس قسم کے علماء کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ

لَا يُسْتَدَلُّ بِالْكِتَابِ وَ — قرآن و حدیث سے استدلال مجتہد

اَلسُّنَّةِ اِلَّا الْمُجْتَهِدُ ہی کر سکتا ہے اور اجتہاد کا دروازہ
وَالْاِجْتِهَادُ قَدِ انْقَطَعَ [1] اب بند ہو چکا ہے۔

ان کے خطرناک اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے۔

هٰذَا الَّذِیْ قَلَّدْتُهٗ اَعْلَمُ جس کی میں تقلید کر رہا ہوں وہ حدیث
مِنْكَ بِالْحَدِیْثِ وَ بِنَاسِخِهٖ اور حدیث کے ناسخ و منسوخ کو تم
وَمَنْسُوْخِهٖ سے بہتر سمجھتا تھا۔

اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں ہیں، جو وہ کرتے ہیں اور جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان آنحضرت ﷺ کی اتباع سے، جن کی صفت ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ہمارا پیغمبر ﷺ اپنی خواہش
سے کوئی بات نہیں کرتا۔

دُور ہٹ جاتے ــــــ یہ لوگ اُن افراد پر اعتماد کرتے ہیں جن سے خطاؤ اور غلطی کا ہر وقت امکان ہے کیونکہ ہر امام کے پاس شریعت کا پُورا علم نہیں بلکہ کچھ حصّہ علم ہے۔

لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ جب اُس کے سامنے کتاب وسُنّت کا حکم واضح ہو جائے تو وہ تمام ائمہ کے اقوال کو چھوڑ کر کتاب وسُنّت کو اپنا رہبر بنائے اور اس پر عمل کرے اور اس سلسلے میں کسی بڑے سے بڑے امام اور مجتہد کی مخالفت کی پروا نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف
رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی

---

[1] ان لوگوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھائی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہو گا۔

حدیث یہ ہے

لا تزال طائفۃ من امتی علی میری اُمّت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر
الحق منصورۃ لا یضرھم من قائم رہے گا۔ ان کی مخالفت کرنے اور
خذلھم ولا من خالفھم حتی اُنہیں رُسوا کرنے والا انہیں کوئی گزند نہ
یأتی امر اللہ وھم علی ذلک پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا فیصلہ آجائے۔

أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ○ پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر
(اعراف - ۳) دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو
مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ (عنکبوت - ۵۱)

اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

سابقہ صفحات میں اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کے اجماع کا فیصلہ گزر چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مقلد کو اہل علم میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

ابو عمر بن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر اجماعِ اُمت بیان کیا ہے۔

صاحب فتح المجید امام الموحدین علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب وسُنّت کے احکام واضح ہو جانے کے بعد اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں ائمہ کے قول کو چھوڑ دینا چاہیے۔ البتہ مقلدین کا گروہ اپنی بات پر مصر رہتا ہے، خواہ کتاب وسُنّت کی مخالفت ہی ہو رہی ہو۔ کیونکہ یہ لوگ کتاب وسُنّت سے بے بہرہ ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث سے کوئی شغف اور محبّت نہیں رکھتے بلکہ صرف اپنے امام کے قول کو تسلیم کرتے ہیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ائمہ کرام کی اتباع کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت میں یہ لوگ ائمہ کرام کی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی راہ سے بالکل دُور ہیں۔

البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی عبارت سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اگر کتاب وسُنّت کی کوئی واضح دلیل سامنے نہ ہو تو کسی بھی امام کی بات پر جسے وہ صحیح سمجھتا ہو عمل کیا جا سکتا ہے۔
ہاں! جس شخص کے سامنے کتاب وسُنّت کے دلائل موجود ہوں اور پھر وہ کسی امام کے

قول کی وجہ سے کتاب و سُنّت پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص کی مخالفت کرنی چاہیے۔

مقلدین چونکہ کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ ﷺ سے اعراض کناں ہیں اور اس کا مطالعہ نہیں کرتے اور مطالعہ کا موقع ملتا بھی ہے تو علماء اور فقہا کی کتب کے مطالعہ میں ڈوبے رہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ ﷺ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے اعمال میں ترکِ سُنّت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل یہود و نصاریٰ جیسی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو
اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا ہے۔

اس آیت کریمہ کی مزید تشریح حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت کرتی ہے جو آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

پس جو شخص اپنی اصلاح کا خواہش مند ہے اُسے چاہیے کہ علمائے کرام اور ائمہ عظام کی کتب کا مطالعہ کرتے وقت ان کے دلائل کی کتابُ اللہ اور سُنّت رسُولُ اللہ سے مطابقت پیدا کرے۔ کیونکہ مجتہدین اور ان کے متبعین اہلِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی بات کہتے وقت اس کی دلیل بھی ذکر کریں۔ اس لیے کہ مسائل میں حق بات تو ایک ہی ہوتی ہے۔ رہے ائمہ اور مجتہدین تو وہ بہرحال اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے مستحق ہیں خواہ اُن سے غلطی کا صدور ہی ہو جائے۔

حق کے متلاشی اور انصاف پسند شخص کو چاہیے کہ وہ ائمہ اور علماء کے دلائل کو خوب پرکھ لے اور کتاب و سُنّت سے ملائے تاکہ کتاب و سُنّت کے مطابق مسئلہ کی صحت واضح ہو جائے اور خطا و غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ اس چھان بین کے سلسلے میں کتاب و سُنّت میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ ہم صرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت اُن سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو اس کا فیصلہ کیسے کروگے۔؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ

وَ اللّٰهُ تَعَالیٰ یَقُوْلُ

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ (النور : ٦٣)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :
رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰهِ تَعَالیٰ	میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
قَالَ ، فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ ؟	نے سوال کیا کہ اگر تم کو کتاب اللہ میں اس کا حل معلوم نہ ہو تو؟ معاذ
قَالَ : فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم	رضی اللہ عنہ بولے۔ پھر میں سُنّتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔
قَالَ : فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ ؟	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ دونوں ہی میں تم کو اس کا حل معلوم نہ ہو تو پھر کیا کروگے ؟
قَالَ : اَجْتَهِدُ رَأْیِیْ وَلَا آلُوْ	معاذ رضی اللہ عنہ بولے، تو پھر میں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لوں گا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کا مرتکب نہ ہوں گا۔

قَالَ: فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدْرَهٗ وَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یُرْضِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (ابوداؤد)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جواب سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ایلچی کو وہ سمجھ عطا فرمائی جس سے اللہ کا رسول خوش ہے۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے بھی تقلید کی تردید اور مخالفت میں کوئی کمی نہیں رہنے دی کتاب وسنت کی موجودگی میں وہ تقلید کے بالکل قائل نہ تھے۔ کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں بعض مسائل کا علم نہیں ہے جس کا کسی دوسرے شخص کو علم ہوسکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو بہت سے مسائل کا علم تھا۔ اس سلسلے میں ان کے بے شمار اقوال موجود ہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اِذَا جَاءَ الْحَدِیْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَی الرَّاْسِ وَالْعَیْنِ

رسول اللہ ﷺ کی جب حدیث مل جائے تو سر آنکھوں پر۔

وَاِذَا جَاءَ عَنِ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَعَلَی الرَّاْسِ وَالْعَیْنِ

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہمارے سامنے ثابت ہوجائے تو سر آنکھوں پر۔

وَاِذَا جَاءَ عَنِ التَّابِعِیْنَ رحمہم اللہ فَنَحْنُ رِجَالٌ وَّ هُمْ رِجَالٌ

اور اگر تابعین کا قول ہو تو پھر وہ اور ہم سب انسان (برابر) ہیں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا

اِذَا قُلْتُ قَوْلاً وَّ کِتَابُ اللّٰهِ یُخَالِفُهٗ فَاتْرُکُوْا قَوْلِیْ

اگر میں ایک بات کہوں اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہو تو میرا قول اس

اس وقت وحی کا نزول ہو رہا تھا اور احکام مکمل طور پر نازل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے نزول کے بعد یہ سوال بھی باقی نہیں رہتا۔ مترجم

أَتَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ ؟ أَلْفِتْنَةُ الشِّرْكُ -

تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا، فتنہ سے مُراد شرک ہے۔

لِكِتَابِ اللهِ — کے مقابلے میں مسترد کردو۔

قِيلَ : إِذَا كَانَ قَوْلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يُخَالِفُهُ — امام صاحب سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ کا قول رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہو تو ؟

قَالَ : أُتْرُكُوا قَوْلِي لِخَبَرِ الرَّسُولِ ﷺ — تو امام صاحب نے کہا کہ پھر بھی میرے قول کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں ترک کردو۔

قِيلَ إِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ يُخَالِفُهُ ؟ — سوال کیا گیا کہ اگر آپ کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو تو؟

قَالَ : أُتْرُكُوا قَوْلِي لِقَوْلِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم — امام صاحب نے فرمایا کہ صحابہ کے قول کے ہوتے ہوئے میرے قول کو چھوڑ دو۔

ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

إِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِي خِلَافَ سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَخُذُوا سُنَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَدَعُوا مَا قُلْتُ — اگر میری کتاب میں میرا کوئی قول سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کے خلاف دیکھو تو میرے قول کو چھوڑ کر رسول اللہ کی حدیث کے مطابق عمل کرو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل قول سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں

إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ بِمَا يُخَالِفُ قَوْلِي فَاضْرِبُوا بِقَوْلِي الْحَائِطَ — اگر میرا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو

لَعَلَّهٗ إِذَا رَدَّ بَعْضَ قَوْلِهٖ أَنْ يَّقَعَ فِيْ قَلْبِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الزَّيْغِ فَيُهْلِكُ۔

جب انسان رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اُس کے دِل میں کجی پیدا ہوجانے کا امکان اُبھر آتا ہے جس سے اس کی ہلاکت یقینی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں

كُلُّ اَحَدٍ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ	ہر آدمی کی بات پر عمل بھی کیا جا سکتا
وَيُتْرَكُ اِلَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ	ہے اور اُس کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے
ﷺ	مگر آنحضرت ﷺ کی ہر بات کو تسلیم کرنا فرض ہے۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ان تصریحات کے بعد کسی شخص کے پاس کوئی وجہِ جواز نہیں کہ وہ خواہ مخواہ کسی امام کے قول کو کتاب و سُنّت کے مقابلے میں تسلیم کرے۔

تقلید کے ردّ میں علمائے کرام نے جو ارشادات فرمائے ہیں اگر ہم ان سب کا بیان کریں تو اختصار سے دُور نکل جائیں گے لہٰذا ایک طالبِ حق اور محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والے کے لیے ائمہ کے مندرجہ بالا ارشادات کافی ہیں۔

قولہٗ : لَعَلَّهٗ اِذَا رَدَّ بَعْضَ قَوْلِهٖ

یعنی اگر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کو ٹھکرا دیا تو پھر اس کے قلب میں کجی کا واقع ہوجانا لازمی ہے جس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

پتا چلا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کو ترک کرنے سے انسان کے دِل میں کجی اور ٹیڑھ پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں ہلاکت یقینی ہے۔ قرآنِ کریم اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔ پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو

عن عدیّ ابن حاتم رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ هٰذِهِ الْأٰيَةَ - إِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا إِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبۃ : ۳۱)

عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سُنا کہ

اُنھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سِوا اپنا ربّ بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابنِ مریم کو بھی۔ حالانکہ اُن کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں۔ پاک ہے وہ اُن مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الصف ۔ ۵)

اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے دِل ٹیڑھے کر دیے۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

قرآن کریم کی آیت فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کرنے والے کو شرک و کفر اور عذاب الیم سے ڈرایا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کفر کا موجب ہو سکتی اور عذاب الیم میں مبتلا کر سکتی ہے۔ یا ادنیٰ محض معصیت، عذاب الٰہی کا باعث بن جاتی ہے اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو حقارت سے ردّ کر دے تو اس سے وہ کفر کی

دلدل میں پھنس جاتا ہے جیسا کہ ابلیس لعین نے کہا تھا، جس کا حشر ہر شخص کے سامنے ہے۔"

آیت کریمہ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ کی تفسیر میں علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ ضحاک رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتا ہے، اگر کفریہ کلمات اس کی زبان سے نکلیں گے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔"

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں حرف عَنْ لایا گیا ہے۔ کیونکہ کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے چھپتے پھرتے اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

قولہٗ : أَوْ يُصِيبَهُمْ :

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کرنے کی پاداش میں اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مخالفین کو آ پکڑے۔

قولہٗ : عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ :

یہ حدیث کئی اسناد سے مروی ہے ابن سعد، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن جریر، ابن ابی حاتم، الطبرانی، ابوالشیخ، ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اسے روایت کیا ہے۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ صاحبِ جود و سخا حاتم بن عبداللہ بن سعد کے فرزندِ ارجمند تھے حضرت عدی رضی اللہ عنہ ماہِ شعبان ۹ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام کی دولت حاصل کی اور ایک سو بیس سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔

زیرِ نظر حدیث سے ثابت ہوا کہ حلال و حرام کی پروا کیے بغیر علما کی پیروی کرنا غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا دوسرا نام شرکِ اکبر ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کے شرک ہونے پر اس آیت کا آخری حصہ دال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○	ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ پاک

فَقُلْتُ لَهُ إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ قَالَ : أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللهُ فَتُحَرِّمُونَهُ ، وَ يُحَلِّلُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ فَتُحِلُّونَهُ ؟ فَقُلْتُ بَلَى - قَالَ ؛ فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ -

(رواه احمد و الترمذي وحسّنه)

تو عدی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے پوچھا اے عدی (رضی اللہ عنہ)! اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دیتے وقت تم اُن کی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے؟ عدی رضی اللہ عنہ بولے یہ تو درست ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی اُن کی عبادت ہے۔

(التوبة - ۳۱) ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اس سلسلے کی دوسری آیت یہ ہے

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ؕ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلٰٓى أَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝

(الانعام - ۱۲۱)

اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ ایسا کرنا فسق ہے۔ شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک واعتراضات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ لیکن اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو۔

چنانچہ جن ائمہ کرام کی تقلید کی جارہی ہے وہاں یہ شرک پوری طرح پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے امام کی مخالفت میں کتاب وسنت کی پروا نہیں کرتے اور نہ قرآن وحدیث کے دلائل پران کو اعتماد ہے اور بعض غالی قسم کے مقلد اپنے امام کی مخالفت کی صورت میں کتاب وسنت پر عمل کرنا مکروہ بلکہ حرام سمجھتے ہیں اور یہ کہہ کر کتاب وسنت کو ترک کر دیتے ہیں کہ "ہمارے امام کو ان دلائل کا زیادہ علم تھا دلائل پر غور کرنا صرف مجتہد کا کام ہے"

جو شخص ان کے سامنے کتاب وسنت کے دلائل پیش کرتا ہے، اکثر اوقات اس کی مذمت اور مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ بلاشبہ یہ اسلام کی اجنبیت اور بے چارگی کی دلیل ہے حالات اس قدر متغیر ہو چکے ہیں کہ نتیجہ ہر شخص کے سامنے ہے اور سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اکثر لوگ پیروں کی اس عبادت کو تمام اعمال سے افضل سمجھتے ہیں۔ اس کا نام بدل کر ولایت رکھ دیا گیا ہے۔ علما کی عبادت ان کے علم وفقہ کو ماننا ہے۔ حالات کی سنگینی یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اب ایسے لوگوں کی عبادت کی جانے لگی ہے جو صالحین میں سے بھی نہیں اور اب علماء کی جگہ جہلا کی عبادت بھی شروع ہو چکی ہے۔

کتاب وسنت کے مقابلے میں امراء اور سلاطین کی اطاعت کرنا کوئی نئی بات نہیں خلفائے راشدین کے بعد سے آج تک مسلسل اس عذاب میں امت گرفتار ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ	پھر اگر یہ لوگ تمہاری بات قبول نہ کریں
فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ	تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی
اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ	پیروی کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ
مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ	کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت
هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ	کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں
(القصص ـ ۵۰)	دیتا۔

حضرت زیاد بن حدیر کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ	تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چیز اسلام کو
الْاِسْلَامَ ؟	مٹا دیتی ہے؟

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ النُّوْرِ -

① سورۂ نور کی آیت کی تفسیر۔

الثانیۃ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ بَرَآءَةَ -

② سورۂ برأت کی آیت کی توضیح۔

الثالثۃ: اَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى مَعْنَى الْعِبَادَةِ الَّتِيْ أَنْكَرَهَا عَدِيٌّ رضی اللہ عنہ -

③ عبادت کے جس مفہوم کا انکار حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اُس پر غور و فکر۔

قُلْتُ : لَا	میں نے عرض کی کہ نہیں۔
قَالَ : يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْقُرْاٰنِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ (رواه الدارمی)	فرمایا۔ عالم کی لغزشِ قدم، منافق کا قرآن کریم کو جھگڑے کا ذریعہ بنانا اور گمراہ ائمہ کا فیصلہ اسلام کی عمارت کو گرانے کا سبب بنتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کو قبول کرنے والوں اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں سے بنا دے۔ آمین

الرابعة: تَمْثِيلُ ابْنِ عَبَّاسٍ بِأَبِي بَكْرٍ وَّ عُمَرَ ، وَ تَمْثِيلُ أَحْمَدَ بِسُفْيَانَ ۔

④ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے مثال کے طور پر حضراتِ ابُوبکر و عُمر رضی اللہ عنہم کو بیان کیا اور امام احمد رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو۔

الخامسة: تَغْيِيرُ الْأَحْوَالِ إِلَىٰ هٰذِهِ الْغَايَةِ حَتّٰى صَارَ عِنْدَ الْأَكْثَرِ عِبَادَةُ الرُّهْبَانِ هِيَ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ وَ تُسَمَّى الْوِلَايَةَ ۔ وَ عِبَادَةُ الْأَحْبَارِ هِيَ الْعِلْمُ وَ الْفِقْهُ ، ثُمَّ تَغَيَّرَتِ الْحَالُ إِلَىٰ أَنْ عُبِدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَيْسَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ وَ عُبِدَ بِالْمَعْنَى الثَّانِيْ مَنْ هُوَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۔

⑤ حالات اِس حد تک تبدیل ہو چکے ہیں کہ اکثر لوگوں کے نزدیک پیروں کی عبادت بہترین عمل قرار پا گیا ہے اور اب اِس کا نام ولایت ہے۔ اور مولویوں کی عبادت ہوتی ہے، اِس کا نام عِلم وفقہ ہے۔ پھر اور حالات تبدیل ہُوئے تو اُن کو بھی پُوجا گیا جو نیک نہ تھے اور اُن کی عبادت بھی ہوئی جو جاہلِ مطلق تھے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

اے نبیؐ! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انھیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انھیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

قولہ تعالیٰ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۔

اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کتاب و سنت سے اعراض کر کے باطل جگہوں سے فیصلہ کراتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے طاغوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے جس میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ طاغوت کے بارے میں وضاحت سے فرماتے ہیں کہ طاغوت وہ ہے کہ جس کی وجہ سے انسان (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین کردہ) حدود سے تجاوز کر جائے خواہ وہ کوئی معبود باطل یا پیشوا یا مقتداء ہی کیوں نہ ہو؟ پس جو کوئی شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے فیصلہ کراتا ہے تو گویا وہ اپنا فیصلہ طاغوت کے ہاں لے گیا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو انکار کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ فیصلہ صرف کتاب اللہ اور سُنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہونا چاہیئے اور جس شخص نے کتاب و سُنّت کو نظر انداز کر دیا اور دوسرے دروازوں پر دستک دی تو اس نے حدود مقررہ سے آگے قدم زن ہونے کی جسارت کی اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حدود متعین فرمائی تھیں ان حدود سے باہر نکل گیا اور کتاب و سنت کے خلاف احکام کو وہ حیثیت دی جس کے وہ ہرگز مستحق نہ تھے۔

یہی صورت حال اس شخص کی ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ بھی اصل میں طاغوت ہی کی عبادت میں مشغول ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کی عبادت دو حال سے خالی نہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کا معبود اگر صالح انسان ہے تو اس کی عبادت شیطان کی عبادت متصور ہوگی ایسی عبادت کرنے والوں کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے

يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ أُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ اُنھیں طاغوت سے کُفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

(یونس-۲۸، ۲۹، ۳۰)

جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ (اپنی عدالت میں) اکٹھا کریں گے پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی پھر ہم ان کے درمیان اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ "تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے! ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ (تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو) ہم تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔"

اس وقت ہر شخص اپنے کیے کا مزہ چکھ لے گا، سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیے جائیں گے اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے گم ہو جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور خواہش کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دے یا شجر و حجر یا کسی ولی اللہ کی قبر کی عبادت کرنے کا پرچار کرے، جیسے مشرکین اپنے اصنام وغیرہ کی، جو صالحین اور ملائکہ کی شکل و صورت میں بنا کر رکھے گئے تھے عبادت کرتے تھے تو یہ وہ طاغوت ہے جس کی عبادت کرنے سے خود اللہ تعالیٰ نے روکا ہے لوگوں کو ان سے اظہار برأت کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ہو، اگر اس کی عبادت کی گئی تو یہ شیطانی فعل ہوگا۔ شیطان نے اپنے ان قبیح افعال اور مذموم اعمال کو بڑا مزین اور انتہائی خوب صورت بنا رکھا ہے یہ ایسے افعال ہیں جو توحید اور کلمۂ لاالٰہ الا اللہ کے بالکل الٹ ہیں۔ توحید کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر طاغوت کا انکار کر دے جس کی کسی نہ کسی صورت میں عبادت کی جا رہی ہو۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ	تم لوگوں کے لیے ابراہیم علیہ السلام اور
إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ	اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے
قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَ	کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا
مِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ	"ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں
كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ	سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی
بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ	بیزار ہیں ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے
أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ	اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے
وَحْدَهُۥٓ (الممتحنہ - ۴)	عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک کہ
	تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ"

لہٰذا جو شخص غیر اللہ میں سے کسی کی عبادت کرتا ہے وہ ان حدود سے تجاوز کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کو معبود گردانتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے طاغوت کہلاتی ہے"

اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے فیصلہ کرانے والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے پوری شریعت اسلامیہ کا انکار کر دیا ہو اور مزید برآں یہ کہ اس نے غیر اللہ کو اپنی اطاعت میں شریک ٹھہرالیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ (المائدہ - ۴۹)

پس اے محمد ﷺ! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء - ۶۵)

اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت بایں طور کرتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور جگہ سے فیصلہ کراتا ہے یا اپنی خواہشات کی تکمیل میں مگن ہے تو گویا اس نے عملاً ایمان اور اسلام کی رسی کو گردن سے اتار پھینکا ہے۔ اس کے بعد خواہ وہ کتنا ہی ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرے بے کار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے لفظ يَزْعُمُوْنَ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں عمل دعویٰ کے خلاف کیا جا رہا ہو۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل قرآن کریم کی زیر نظر آیت وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ہے حقیقت یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کرنا توحید کا سب سے اہم رکن ہے جب تک کسی شخص کے اندر یہ رکن نہ ہوگا اس وقت تک سے موحد کہنا غلط ہے تمام اعمال اور ایمان کی اساس اور مرکزی حیثیت توحید ہی کو حاصل ہے۔ اعمال کی صحت اور عدم صحت کا دارومدار توحید ہی پر ہے اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان

وَيُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ○ (النّسآء : ٦٠)

شیطان انھیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دُور لے جانا چاہتا ہے ۔

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرۃ-۲۵٦) لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ۔

اپنے فیصلے کو طاغوت کے پاس لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جانے والے کا اس پر ایمان ہے ۔

قولہٗ : وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا :

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ طاغوت کے پاس اپنے متنازعہ معاملات لے جانے اور وہاں سے فیصلہ طلب کرنے کا اصل محرک شیطان ہوتا ہے اور وہ اس قسم کی باتیں بہت ہی خوبصورت انداز میں انسان کے دل میں ڈالتا ہے ۔ اس طرح شیطان بے شمار لوگوں کو گمراہ کر چکا ہے ۔ کتاب و سنّت کو پس پشت ڈال کر طاغوت کو حکم ماننے اور فیصلہ کُن طاقت قرار دینے سے بڑی گمراہی اور ہدایت سے دُور کر دینے والی اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی ہے

اس آیت کریمہ میں یہ امور خاص طور پر بیان کیے گئے ہیں ۔

۱ ـــــــ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا شیطانی فعل ہے اور اسی کے وسوسہ سے انسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے

۲ ـــــــ دوسرا یہ ہے کہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے ۔

۳ ـــــــ تیسری بات یہ ہے کہ اسے صیغۂ مصدر کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے ۔

۴ ـــــــ چوتھی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ہدایت اور سیدھے راستے سے بہت دُور ہے

سبحان اللہ ! یہ قرآنِ کریم کس درجہ عظیم الشان اور بلیغ ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے پر کس قدر واضح دلائل موجود ہیں اس کو جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اور اپنے صادق اور امین بندے پر نازل فرمایا ۔

وَ إِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَ إِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ (النساء : ٦١)

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا۝ (النّساء : ٦٢)

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے، اور آؤ رسُولؐ کی طرف، تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہُوئی مصیبت اُن پر آن پڑتی ہے؟ اُس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیّت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔

قولہ: وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ :

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامت بیان فرمائی ہے کہ ان کے سامنے جب کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی جاتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا خواہ وہ کتنا ہی مدعی ایمان ہو حقیقت میں وہ ایمان کی دولت سے بالکل محروم ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"جس شخص کے سامنے متنازعہ فیہ مسائل میں کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی جائے اور وہ تسلیم نہ کرے تو وہ شخص منافق ہے۔"

قولہ: یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ،

قَوْلُهُ تَعَالٰی وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۙ قَالُوٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ○ (البقرة : ١١)

جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو اُنھوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

یَصُدُّوْنَ کے معنے اعراض کرنا۔

لوگوں کی اکثریت اس جُرم میں گرفتار ہے اور خصوصاً علماء۔ یہ نہایت افسوس ہے جو علم کے ہوتے ہوئے ایسے لوگوں کے اقوال کو سامنے رکھ کر کتاب وسُنّت سے اعراض کیے ہوئے ہیں جو کئی مسائل میں مرتکبِ خطا ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کا پابند کر رکھا ہے حالانکہ ان میں سے کسی کی تقلید کا کوئی جواز نہیں اور ایسے لوگوں کے اقوال کو قابل اعتماد ٹھہرا لیا ہے جن پر اعتماد کی ضرورت نہ تھی۔ مقلدین کا سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ وہ نصوص کتاب وسنّت کے مقابلے میں ائمہ کے اقوال کو پیش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قواعد شرعیہ ہی ایسے قواعد ہیں جن پر کلی اعتماد کیا جا سکتا ہے اور ان کے بغیر کسی اور چیز پر فتویٰ صادر کرنا قرین صحت نہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ سُنّتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع کی حیثیت ایک اجنبی اور مسافر کی سی ہو کر رہ گئی ہے ایسے شخص کو اس دور میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت کتاب وسُنّت سے روگرداں ہے اور اکثر مقامات پر ان دو بنیادی نصوصِ شرعیہ پر عمل متروک ہو چکا ہے۔ (واللہ المستعان)

قولہ: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا

ابو العالیہ نے لَا تُفْسِدُوا کے معنی لَا تَعْصُوا کیے ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر اکساتا ہے تو گویا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زمین و آسمان میں اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ (یوسف - ۷۳)

ان بھائیوں نے کہا: خدا کی قسم! تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر نافرمانی فساد فی الارض ہے۔

زیر نظر آیت کریمہ کا باب سے تعلق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سے فیصلہ کرانا منافقین کا کام ہے جو درحقیقت فساد فی الارض ہے۔

پیش نظر آیت کریمہ میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ خواہشات کے بندوں کے اقوال سے ہوشیار اور چوکس رہنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ اپنے دعووں کو بہت ہی خوب صورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہل ہوا کے فریب سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے جب تک کہ وہ اپنی بات کی دلیل کتاب وسنّت سے پیش نہ کریں، کیونکہ ان کی یہ عادت ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ فساد فی الارض کی اس سے بڑی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔

فساد فی الارض سے خودبخود ایسے امور مرتب ہوتے ہیں جن سے انسان دائرہ حق سے باہر نکل کر باطل کی دلدل میں دھنس جاتا ہے

نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. آمین

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر، دین دنیا اور آخرت میں دائمی عافیت کے طالب ہیں

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کی اکثریت اسی وہم میں گرفتار ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین کی پختگی کی نعمت عطا فرمادی ہو، شہوات نفس کے غلبہ کے وقت ان کی عقل کامل ہو اور شکوک وشبہات کے مقابلے میں وہ بصیرت تامہ سے بہرہ ور ہوں۔ بس یہی وہ افراد ہیں جو شبہات اور وساوس سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ط

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ○ (الاعراف : ۵۶)

زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ۔
یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے

قولہ: وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا :

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابوبکر بن عیاش رقم طراز ہیں کہ

" زمین کے چپہ چپہ پر فساد برپا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر زمین اور اہل زمین کی اصلاح فرمائی اور اب جو شخص کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے وہ فساد فی الارض کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

" اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ فساد فی الارض یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی نافرمانی میں زندگی برباد کرے آنحضرت ﷺ کی بعثت اور شریعت اسلامیہ کی وضاحت سے اہل زمین کی اصلاح کے بعد کسی کا غیر اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا فساد فی الارض کی بدترین شکل ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت اور اس کی طرف دعوت دینا شرک ہے اور کتاب و سنت کی مخالفت درحقیقت فساد فی الارض اور شرک ہے پس شرک کرنا، غیر اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معبود ٹھہرانا اور آنحضرت ﷺ کے فرامین کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنا سب سے بڑا فساد فی الارض ہے۔

اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانا جائے، اسی کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے، اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے اور آپؐ کے علاوہ کسی بھی شخص کی بات پر عمل کرنے سے پہلے بڑے غور وفکر سے یہ دیکھ لیا جائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت تو نہیں کر رہا اور اگر خدانخواستہ کتاب وسنت کے برعکس بات کہہ رہا ہو تو اس کی بات کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کی مخالفت میں کسی کی سمع واطاعت ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

جو بھی دنیا کے حالات کا جائزہ لے گا تو اسے دنیا میں ہر خیر و بھلائی اور امن وسکون کا راز توحید باری تعالیٰ۔ اس کی بندگی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں پنہاں ملے گا اور دنیا میں موجود ہر شر۔ فتنہ وفساد، قحط وآفت اور دشمن کے تسلط کا سبب رسولِ مقبول ﷺ کی نافرمانی اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ دوسروں کی اطاعت کی طرف بلانے میں ملے گا

زیر نظر آیت کریمہ کا ترجمۃ الباب والی آیت سے تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوسروں سے فیصلہ کرانا تمام گناہوں سے بدترین گناہ ہے جو حقیقی طور پر فساد فی الارض ہے۔
اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے تمام متنازع فیہ مسائل میں صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے۔ تمام مومنین کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ○ (النساء - ۱۱۵)	اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

قولہ تعالیٰ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○ (المائدة : ٥٠)

(اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

قولہ: أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ؛

زیر نظر آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتا ہے جو اس کے ان احکام سے اعراض کرتے ہیں جن میں خیر ہی خیر ہے جن میں ہر قسم کے شر سے روکا گیا ہے اور ایسی آراء، اقوال اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کو ان لوگوں نے وضع کیا ہے جو شریعت اسلامیہ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں جیسے تاتاریوں نے چنگیز خان کی تقلید اور اس کی آراء کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر دیے۔ چنگیز خان نے یاسق کے نام سے ایک دستور مرتب کیا جو حقیقت میں مختلف مذاہب ــــ مثلاً یہودیت و نصرانیت اور ملت اسلامیہ سے مقتبس تھا اور اس انتخاب میں بھی اس نے اپنی خواہشات اور ذاتی نظریہ کو ملحوظ رکھا یہ ایسا مجموعہ ہے جسے اس کے پیروکار کتاب و سنت پر مقدم قرار دیتے اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں۔ پس جو شخص ایسے فعل کا مرتکب ہوگا وہ کافر ہے جس سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہ کرے اور معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑے تنازع میں کتاب و سنت کو حکم نہ مان لے۔"

قولہ: وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ؛

عَنْ عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ۔

قال النووي حديث صحيح، رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اس کی تمام خواہشات کتاب اللہ اور میرے طریقہ کے تابع نہ ہو جائیں۔

یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اچھا اور بہتر حکم کوئی نہیں ہے اور یہ اس باب سے تعلق رکھتا ہے جس میں افعل التفضیل کو ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں دوسری طرف مدمقابل نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص عقل وخرد سے اور غور وفکر سے کام لے گا اس کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے زیادہ عدل کہیں نہیں اللہ احکم الحاکمین ہے اور ماں سے بھی زیادہ اپنی مخلوق پر رحمت وشفقت کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی حاجتوں کو خوب جانتا ہے، وہ ہر چیز کے کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے۔ اس کے اقوال وافعال اور قضا وقدر میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں جاہلیت کے تمام فیصلوں کو کتاب وسنت کے فیصلوں کے مقابلے میں ترک کر دینے کی وضاحت کی گئی ہے اور جس شخص نے جاہلیت کے فیصلہ کو اپنایا اس نے حق اور احسن فیصلہ سے اعراض کیا اور باطل کو حق کے مقابلے میں ترجیح دی۔

قولہ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو :

امام نووی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق شیخ ابوالفتح نصر بن ابراہیم المقدسی الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الحجۃ علی تارک المحجۃ" میں اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

طبرانی، ابوبکر بن عاصم اور حافظ ابونعیم نے اربعین میں جس میں تمام صحیح احادیث نقل کرنے کی شرط قائم کی ہے، روایت کیا ہے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے اس حدیث کی مزید تائید ہوتی ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء - ٦٥)

اے محمد ﷺ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط (الاحزاب - ٣٦)

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔

فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ط (القصص - ٥٠)

اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں۔

قولہ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ

یعنی اس شخص کا شمار ان لوگوں میں سے نہ ہوگا جن کا ایمان کامل ہے اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرے گا اور جہنم کے عذاب سے نجات دے گا بلکہ اس کا شمار گناہگاروں میں ہوگا۔

قولہ: حَتّٰى يَكُونَ

جس چیز کی انسان خواہش کرے، اسے پسند کرے اور اس کی طرف مائل ہو، اس کو ہواء کہتے ہیں اگر وہ چیز شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو تو یہ ایمان مطلق کی علامت اور صفت ہے۔

اور اگر وہ چیز شریعت کے مخالف ہو، تو یہ ایمان کامل کے برعکس ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا — جس وقت زانی زنا یا چور چوری کرتا ہے

يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ — تو اس وقت (ناقص الایمان) مؤمن نہیں ہوتا

مطلب یہ ہے کہ انسان گناہ اور معصیت کی وجہ سے ایمانِ کامل کے درجہ سے گر کر عام مسلمان کے درجہ میں آجاتا ہے اور اس گناہ کی وجہ سے اس کا ایمان بھی ناقص ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو گناہ گار مؤمن، یا ایمان کی وجہ سے مؤمن اور گناہ کی وجہ سے فاسق کہا جا سکے گا۔ لہٰذا ایسا شخص محض ایسے ایمان کا حامل ہو گا جس کے بغیر اس کا اسلام غیر درست ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء - ۹۲) — تو ایک مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہوگا

سلف امت اور ائمہ اسلام کا کہنا ہے کہ قول، عمل اور نیت تینوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری سے ایمان میں اضافہ اور ان کی مخالفت سے ایمان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں کتاب و سنّت میں اتنے دلائل موجود ہیں جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ — اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے جو تمہارے

إِيمَانَكُمْ (البقرہ - ۱۴۳) — ایمان کو ضائع کر دے۔

اس آیت کریمہ سے وہ نمازیں مراد ہیں جو تحویلِ قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کے وفد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

آمُرُكُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ — میں تم کو صرف ایک اللہ کریم پر ایمان

أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ؟ — لانے کا حکم دیتا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ صرف

شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. الخ — اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟

(صحیح بخاری، مسلم و اہل السنن) — وہ ہے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت۔

ایمان میں اضافہ پر مندرجہ ذیل آیات شاہد ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا. (المدثر - ۳۱) اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ کرتا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (التوبہ - ۱۲۴) پھر ایمانداروں کا ایمان اور زیادہ ہو گیا

فرقہ مرجیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف قول کا نام ایمان ہے اور فرقہ اشاعرہ کا کہنا ہے کہ صرف تصدیق کا نام ایمان ہے۔

یہ دونوں عقیدے غلط اور باطل ہیں۔

عقلاً اور شرعاً یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حق کی نیت، اس پر عمل کرنا اور اس کا اقرار کرنا تینوں تصدیق ہیں پس اہل بدعت کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو اہل سنت کے عقیدہ کو رد کرتی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرۃ - ۱۷۷)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے ماننے۔

اس آیت سے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے اعمال مراد ہیں وہ اعمال جو خلاف شریعت سرانجام دیئے ان کو اللہ تعالیٰ نے الٰہ سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان - ۴۳)

کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ انسان جس چیز کی خواہش کرتا ہے وہ انسان کے دماغ پر سوار ہو جاتی ہے

زیر بحث حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"انسان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی محبت شریعت اسلامی کے احکام کے تابع نہ ہو جائے۔ جس کام کو کرنے کا حکم ہے اسے پسند کرے اور جس سے روکا گیا ہے اس سے نفرت کرے۔ قرآن کریم نے اسے بہت سے مقامات

پر بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو اس کے اوامر سے نفرت اور نواہی سے محبت کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ○ (محمد - ۲۸)

یہ اسی لیے تو ہو گا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیئے۔

پس مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اشیا سے ایسی محبت کرے جس کی وجہ سے عمل کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اگر کسی کی محبت اتنی زیادہ ہو جائے کہ مستحبات پر بھی عمل کرے تو یہ مزید فضیلت کا باعث ہو گی۔

اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ اشیاء سے ایسی کنارہ کشی کرے کہ اس فعل بد سے رکنے پر مجبور ہو جائے۔ اگر اس قدر کراہت محسوس کرے کہ اس فعل سے رک جائے جس کی کراہت تنزیہی ہے تو یہ بھی مزید فضیلت کا باعث ہو گی۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرتا ہے تو ضروری ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اشیاء سے محبت کرے اور ان کی ناپسند کو اپنی ناپسند سمجھے اور جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولِ کریم راضی ہوں ان سے وہ بھی راضی ہو اور جن پر وہ ناراض ہوں، ان پر یہ بھی ناراض ہو اور اسی محبت اور بغض کے مطابق اپنے اعضاء کے ساتھ عمل کرے اور اگر خدانخواستہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعویٰ کے باوجود ان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت میں نقص ہے۔ چاہیے کہ ایسا شخص توبہ کرے اور تکمیل محبت میں کوشاں رہے۔ کیونکہ عبادت کا اہم رکن محبت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر اپنی نفسانی خواہشات کو مقدم رکھنا تمام گناہوں کی جڑ ہے جس سے انسان جرائم کی تاریک وادی میں بہہ جاتا ہے۔

خواہشات کی اتباع پر مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ (القصص ـ ۵۰)

اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے!

اپنی خواہشات کو شریعت سے مقدم رکھنے سے بدعت وجود میں آتی ہے اسی وجہ سے بدعتی لوگوں کو اہل ہوا کے نام سے پکارا گیا ہے اور اللہ کی محبت پر اپنی خواہشات کو مقدم رکھنے سے بڑے بڑے جرائم اور گناہ صادر ہوتے ہیں۔ یہی حال شخصی محبت کا ہے۔ لہذا ان سے محبت شریعت اسلامی کے تابع ہونی چاہیے۔

پس ایک مؤمن شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ملائکہ، رسل، انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین سے اس لیے محبت کرے کہ ان سے اللہ تعالی محبت کرتا ہے۔ ایمان کی حلاوت کی سب سے بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان جس سے محبت کرے وہ صرف اللہ تعالی کی رضا کے لیے ہو اور اللہ کے دشمنوں سے بغض وعداوت کا معیار بھی اسی کو ٹھہرایا جائے۔ اگر یہ صورت پیدا ہو جائے تو تمام تر دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

پس جو شخص اللہ تعالی کے لیے محبت کرے،

اسی کے لیے بغض رکھے،

اسی کی رضا کے لیے دے اور۔

اسی کی رضا کے لیے ہاتھ روک لے۔

تو ایسے شخص کا ایمان کامل ہے۔

اور اگر کسی شخص میں مندرجہ بالا صفات اپنے نفس اور خواہش کے لیے ہیں تو اس کے ایمان میں نقص ہے۔ ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہیے حتیٰ کہ وہ سب کچھ للہ تعالی کی رضا کے لیے کرنے پر تیار ہو جائے۔"

زیر نظر حدیث کا ترجمۃ الباب سے تعلق یہ ہے کہ اس میں اہل ایمان، اہل نفاق اور اہل معاصی کے اقوال وافعال اور ان کے معتقدات میں بہت بڑا اور نمایاں فرق بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: كَانَ بَيْنَ رَجُلٍ مِّنَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ رَجُلٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ خُصُوْمَةٌ

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔

قولہ: وَقَالَ الشَّعْبِيُّ:

ان کا پورا نام یہ ہے

عامر بن شراحیل الکوفی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم، حافظ، علامہ اور صاحب فنونِ کثیرہ تھے

شعبی خود کہا کرتے تھے کہ

مَا كَتَبْتُ سَوْدَاءَ فِيْ بَيْضَاءَ — میں نے کبھی سیاہی کو سفیدی پر استعمال نہیں کیا۔[1]

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اٹھاسی برس تک زندہ رہے۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے قول کے مطابق منافق شخص یہود و نصاریٰ سے زیادہ کتاب و سنت کو بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ اہل ایمان سے اس کی دشمنی اور عداوت یہود و نصاریٰ سے زیادہ گہری ہوتی ہے۔ تاریخ عالم اس پر گواہ ہے کہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ جس قدر منافقین نے تعاون کیا ہے یہود و نصاریٰ نے اتنا تعاون نہیں کیا۔ اسلام اور ایمان کو مٹانے کی کوشش جتنی منافقین نے کی ہے دوسروں نے نہیں کی۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم اس حقیقت کو بخوبی جانتا ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک منافقین کا یہی حال اور کردار رہا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی باتوں میں آنے اور ان سے خصوصی قرب پیدا کرنے سے روکا ہے بلکہ قرآن کریم میں جابجا ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ — اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار اور منافقین

[1] یعنی یاد کرنے کے بعد لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

فقال اليهودي : نتحاكم إلى محمد لأنه عرف أنه لا يأخذ الرشوة۔

وقال المنافق : نتحاكم إلى اليهود لعلمه أنهم يأخذون الرشوة۔

فاتفقا أن يأتيا كاهنا في جهينة ليتحاكما إليه۔ فنزلت " ألم تر إلى الذين يزعمون " (الآية)

یہودی یہ جانتا تھا کہ محمدؐ رشوت نہیں لیتے اِس لیے ہم فیصلہ ان سے کرا لیتے ہیں اور دوسری طرف منافق یہ سمجھتا تھا کہ یہودی رِشوت کے عادی ہیں لہٰذا فیصلہ کسی یہودی سے کرایا جائے۔ چنانچہ فریقین اِس بات پر متّفق ہوگئے کہ قبیلہ بنی جُہَینہ کے کاہن سے فیصلہ کرا لیا جائے۔ تو اُنکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔
" اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ " (الآیۃ)

وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ پیش آؤ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ الْمَصِیْرُ ○ (التحریم ـ ۹) بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور واقعہ جس میں انہوں نے ایک منافق کو اس بنا پر قتل کر دیا تھا کہ وہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس اپنا فیصلہ لے جانا چاہتا تھا، اس میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ جو شخص کفر و نفاق کا علانیہ اظہار کرے اسے قتل کر دینا چاہیے۔

کعب بن اشرف یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ بے انتہا دشمنی اور عداوت رکھتا تھا۔ اس ملعون شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وہ تکلیف دی جو وہ دے سکتا تھا۔

وَقِيلَ نَزَلَتْ فِي رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فَقَالَ أَحَدُهُمَا نَتَرَافَعُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ الْآخَرُ إِلَى كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ آیت ان دو افراد کے بارے میں اُتری جن میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہیے اور دوسرا بولا کہ نہیں کعب بن اشرف سے فیصلہ درست رہے گا۔

اسی عداوت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور اس کے درمیان جو معاہدہ تھا وہ ختم ہوا اور اس کا قتل کرنا مباح قرار پایا۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کعب بن اشرف کی شرارتوں سے تنگ آکر فرمایا

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ ؟	کعب بن اشرف کو کون ٹھکانے لگائے
فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللهَ وَ	گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے
رَسُولَهُ	رسول کو بہت تکلیف دی ہے۔

محبوبِ خدا کی یہ آرزو دیکھ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بولے! کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔

محمد بن مسلمہ بولے، اجازت ہو تو میں آپ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہیں اجازت ہے۔

دربارِ نبوی سے اجازت پا کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سیدھے کعب بن الاشرف کے پاس پہنچے اور انتہائی رازداری سے بولے

اس شخص نے مختلف حیلوں بہانوں سے ہمارا مال ہتھیانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور ہمیں تنگ کر رکھا ہے۔

ثُمَّ تَرَافَعَا إِلَىٰ عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ أَحَدُهُمَا الْقِصَّةَ۔ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يَرْضَ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَكَذَالِكَ؟

قَالَ نَعَمْ! فَضَرَبَهُ بِالسَّيْفِ فَقَتَلَهُ۔

چنانچہ آپؐ سے فیصلہ لے کر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرانے کیلئے گئے تو ایک فریق نے سارا معاملہ کہہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے پوچھا، جو آپؐ کے فیصلے پر راضی نہ ہوا تھا، کہ تمہارا مخالف ٹھیک کہہ رہا ہے؟

اُس نے ہاں کہہ کر جواب دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا کام تمام کر دیا

کعب بن اشرف سن کر بولا۔

بخدا! تم ابھی مزید پریشانیوں کا منہ دیکھو گے

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

ہم نے اس کی اتباع تو کر لی ہے لیکن اب اس سے فوراً الگ ہو جانا اچھا نہیں لگتا۔ البتہ ہم اس انتظار میں ہیں کہ اب یہ کیا رویہ اختیار کرتا ہے دوران گفتگو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے کچھ قرض کی ضرورت ہے اگر ہو تو دے دیجیے

کعب بن اشرف نے پوچھا۔

قرض کے بدلے کیا چیز گروی رکھو گے؟

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جو چاہو۔

کعب بن اشرف بولا

اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بولے۔

تم پورے عرب سے حسین وجمیل ہو۔ ہماری عورتوں اور آپ میں کیا نسبت ؟

کعب بن اشرف۔

اچھا تو پھر اپنی اولاد کو رہن رکھ دو !

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

دیکھو! کل کلاں ہماری اولاد کو گالیاں دی جائیں گی کہ کھجور کے دو وسق کے بدلے میں ان کو گروی رکھا گیا تھا اور لوگ ہمیں مطعون ٹھہرائیں گے البتہ! ہم اپنے ہتھیار گروی رکھنے کو تیار ہیں بولو منظور ہے ؟

کعب بن اشرف نے جواب دیا۔

مجھے منظور ہے ۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

میں خود، حارث، ابی عبس بن جبر، عباد بن بشر اپنے ہتھیار لے کر حاضر ہونگے یہ وعدہ لیا اور واپس چلے آئے ۔

چنانچہ یہ لوگ وعدہ کے مطابق رات کو جب آئے تو کعب بن اشرف کی بیوی کہنے لگی کہ مجھے ان سے خون کی بو آرہی ہے ۔

کعب بن اشرف نے جواب دیا کہ

گھبرانے کی بات نہیں ان میں ایک محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور دوسرا اس کا رضاعی بھائی ہے اور تیسرا ابو نائلہ ہے اور دیکھو! ہم اہل کرم لوگ ہیں اگر شرفاء کو رات کے وقت بھی جنگ کے لیے بلایا جائے تو اسے قبول کرتے ہیں۔

دوسری طرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! جب کعب بن اشرف آجائے تو میں اس کے سر کو قابو میں کرنے کی کوشش کروں گا، میرا اشارہ پاتے ہی تم اس کو قتل کر دینا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ کعب بن اشرف ایک چادر اوڑھے ہوئے آگیا۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کعب کو کہنے لگے، کیا بات ہے آج تمہارے سر سے بہترین خوشبو آرہی ہے ؟

کعب بن اشرف بولا۔

ہاں! ٹھیک ہے۔ میرے نکاح میں فلاں عورت ہے جو اہل عرب میں بہترین خوشبو پسند کرتی ہے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

کیا میں خوشبو سونگھ سکتا ہوں؟

کعب بن اشرف بولا۔

کیوں نہیں

چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے یکے بعد دیگرے اس کے سر سے خوشبو سونگھی۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔

اگر اجازت ہو تو ایک دفعہ اور خوشبو سونگھ لوں؟

کعب بن اشرف نے اجازت دے دی۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کعب بن اشرف کے سر کو مضبوطی سے قابو میں کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دونکم (اپنا کام کرو) تو ساتھیوں نے فوراً اسے ٹھنڈا کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ وہ منافق جو اپنے نفاق میں حد سے تجاوز کر گیا ہو اگر وہ اپنے نفاق کا اظہار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے گا، جیسا کہ صحیحین کی روایات اس پر شاہد ہیں۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے نفاق کے ظاہر ہو جانے کے باوجود ان کو اس لیے چھوڑ دیا تاکہ عام لوگوں کی دل شکنی نہ ہو۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ

لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ	میں منافقین کو اس لیے قتل نہیں کرتا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔

بَابُ

مَنْ جَحَدَ شَيْئًا مِّنَ الْاَسْمَآءِ وَ الصِّفَاتِ

اِس باب میں

اس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا منکر ہے

قولہ تعالیٰ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ○ (الرعد: ۳۰)

اور یہ لوگ رحمان کو نہیں مانتے۔ ان سے کہو کہ وہی میرا ربّ ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی میرا ملجاء و ماویٰ ہے۔

قولہٗ : وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ :

پیش نظر آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین قریش نے عناد اور بغض کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نام الرحمٰن کا انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ	اے نبی ﷺ! ان سے کہو۔
ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ	اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔ جس نام
اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ	سے بھی پکارو، اُس کے لیے سب اچھے
الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل۔۱۱۰)	ہی نام ہیں۔

الرحمٰن : اللہ کا نام بھی ہے اور صفت بھی اس نام سے پتا چلا کہ رحمت اللہ کی صفاتِ کاملہ میں سے ایک صفت ہے

مشرکین نے اللہ کے اسماء میں سے ایک ایسے اسم کا انکار کیا جو اللہ کی حمد اور اس کے کمال پر دال تھا، الرحمٰن کا انکار اصل میں اس کی صفت اور معنیٰ کا انکار ہے۔ جہم بن صفوان اور اس کے ساتھیوں کا گمان باطل یہ تھا کہ الرحمٰن، اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت نہیں جو اللہ کی ذات سے قائم ہو۔ اس کی دیکھا دیکھی معتزلہ اور اشاعرہ نے بھی اس صفت کا انکار کر دیا۔ اسی وجہ سے اکثر اہل سُنت نے ان دونوں فرقوں کو کافر قرار دیا ہے۔

علّامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ولقد تقلد کفرهم خمسون فی عشر من العلماء فی البلدان

واللالکائی الامام حکاه عنهم بل حکاه قبله الطبرانی

ترجمہ: مختلف شہروں میں ان کے کفر اختیار کرنے کی تصدیق پانچ سو علماء نے کی۔ امام لالکائی نے ان سے اس کو بیان کیا ہے۔ بلکہ اس سے پہلے طبرانی نے بھی بیان کیا ہے۔

فرقہ جہمیہ اور ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا تعطیل کی وجہ سے انکار کیا، جن صفات کو خود رب کریم نے اور آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ اس انکار اور تعطیل کے لیے انہوں نے ایسے اصول مرتب کیے جو بالکل غلط اور باطل تھے۔ انکار کی وجہ بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی صفات اجسام کی ہوتی ہیں، ان صفات کو مان لینے سے اللہ تعالیٰ کا جسم ماننا پڑے گا۔ اس نوع کے دلائل ان کی کم عقلی کی دلیل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق جیسی صفات خیال کیا۔ شروع شروع میں تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق سمجھ لیا تھا۔ آہستہ آہستہ صفات کاملہ کا انکار کیا اور ناقصات یعنی جمادات اور معدومات سے تشبیہ دی۔ پہلے تشبیہ دی اور پھر تعطیل تک پہنچ گئے اور تیسری مرتبہ ان کو ناقص اور معدوم اشیاء سے تشبیہ دینے کی جسارت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ کی صریح نصوص کا انکار کر دیا جس میں خود اللہ تعالیٰ نے اور آنحضرت ﷺ نے ایسی صفات بیان کی ہیں جو حقیقت میں اس کی عظمت اور جلالتِ قدر کے لائق ہیں۔

سلف صالحین اور ائمہ کرام ان تمام صفات کو تسلیم کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ یا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان فرمائی ہیں۔ ائمہ کرام نے ان تمام صفات کو بلا تمثیل اور بلا تعطیل مانا ہے۔

کیونکہ صفات میں بحث کرنا ذات میں بحث کرنے کے مترادف ہے۔ فرقہ معطّلہ والے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ثابت کرتے ہیں لیکن تشبیہ کے قائل نہیں ہیں۔ پس اہل سنت کا بھی یہی مسلک ہے لیکن اہلِ سُنّت ان صفات کو بھی بلا تشبیہ و تمثیل مانتے ہیں جو صفات کہ اللہ نے اپنے لیے یا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان فرمائی ہیں۔ ان صفات کو مخلوق سے تشبیہ نہیں دیتے اس لیے کہ اہل سنت کتاب و سنت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں تناقض کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن معطّلہ سرے سے کتاب و سُنّت کا ہی انکار کرتے ہیں اور اس میں تناقض ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں لہٰذا عقل اور نقل دونوں لحاظ سے معطّلہ کا مذہب باطل ٹھہرا۔ اس پر اہلِ سُنّت، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اور تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

وفي صحيح البخاري قَالَ عَلِيٌّ: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُرِيدُونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُهُ؟"

صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ لوگوں کو وُہ باتیں سُناؤ جنھیں وہ پہچانیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا جائے؟

جہمیہ، معطلّہ، معتزلہ، اشاعرہ وغیرہ کے رد میں علمائے کرام نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان کی اس بدعت اور دُوسری غلط باتوں کی تردید کی ہے اور ان میں تناقض ثابت کیا ہے اور ان کے اس باطل رجحان کا پردہ چاک کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس سلسلے میں پیش پیش ہیں اور ان کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ بن احمد نے اس موضوع پر ایک کتاب بنام کتاب السنۃ لکھی ہے۔

عبدالعزیز الکنانی نے بشر المریسی کے رد میں کتاب الحیرہ تحریر فرمائی۔

ابی عبداللہ المروزی نے بھی اسی سلسلے میں "کتاب السنۃ" لکھی۔

عثمان بن سعید نے بشر المریسی کا رد لکھا۔

امام الائمہ محمد بن خزیمہ نے کتاب التوحید لکھ کر ان فرق باطلہ کے قلعہ پر ضرب لگائی۔

ابی بکر الخلال کی کتاب السنۃ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ابی عثمان الصابونی الشافعی،

شیخ الاسلام الانصاری،

ابی عمر بن عبدالبر النمری،

اور ان کے علاوہ ائمہ اربعہ کے معتقدین نے بہُت کچھ لکھا ہے۔

اہلِ حدیث علمائے کرام اور ان کے متاخرین جیسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ ابن قدامہ اور ان کے اصحاب میں کثیر علماء نے اس موضوع پر وافر ذخیرہ چھوڑا ہے۔

اہل بدعت کی کثرت اور مختلف آراء کے باوجُود ان پاک باز لوگوں نے سُنّتِ خیر الورٰی کو

بالکل پاک وصاف اور منزہ رکھنے میں اپنی عزیز عمریں کھپا دیں۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

قولہٗ : قَالَ عَلِیٌّ :

امیر المومنین ابو الحسن علی بن ابی طالب خلفائے راشدین میں چوتھے خلیفہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیر نظر جملہ ارشاد فرمانے کی ضرورت اس لیے محسوس فرمائی کہ ان کے دَورِ خلافت میں لوگ احادیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، وعظ وارشاد میں عام قصّے کہانیاں بیان کرتے وقت ایسی ایسی باتیں احادیث کے نام سے بیان کرنا شروع کر دی تھیں جن کا کوئی اصل نہ تھا لوگوں نے بعض روایات کو بالکل عجوبہ خیال کیا اور ان کی تردید بھی کی، تاہم ان میں بعض صحیح روایات بھی بیان کی جاتی تھیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واعظین کو ہدایات جاری فرمائیں کہ وعظ وارشاد میں صرف وُہ احادیث بیان کی جائیں جن کی صحت پر یقین ہو اور جن سے ایک عام آدمی کو دین کے سمجھنے میں مدد ملے۔ جیسے حلال وحرام کی وضاحت کرنا، جس کا ہر شخص مکلف ٹھہرایا گیا ہے ۔ بالکل گہرے اور پیچیدہ مسائل کو زیرِ بحث نہ لایا جاتے جن سے ایک عام آدمی حق کو قبول کرنے میں پس وپیش کرے اور جو اس کو تکذیب کی سرحدوں میں پہنچانے کا موجب بنتے ہوں۔ بالخصوص وہ باتیں ہرگز بیان نہ کی جائیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے اور جدل ونزاع کا موجب بنتی ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی بھی یہی عادتِ مبارکہ تھی کہ وُہ ایسے مسائل بیان فرماتے جن کا تعلق انسان کے دین، عبادات اور معاملات سے ہوتا تھا اور جن کا جاننا ہر شخص کے لیے ضروری ہوتا۔

عام لوگوں کو ابنِ جوزی کی کتب مثلاً المنعش ، المرعش اور تبصرہ کے مطالعہ سے روکا کرتے تھے کیونکہ ان میں ضروری اور انفع امور سے اعراض کیا گیا ہے اور ایسی چیزیں درج کی گئی ہیں، جن کا عقیدے سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ واعظین کو عام قصّے کہانیاں بیان کرنے سے روکا کرتے تھے ۔ کیونکہ یہ لوگ احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے

لَا یَقُصُّ اِلَّا اَمِیْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ خود امیر یا امیر کا نمائندہ ہی تقریر و وعظ بیان کر سکتا ہے۔

و روی عبد الرزّاق عن معمر عن ابن طاوس عن ابیہ عن ابن عبّاس

رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا إِنْتَفَضَ لَمَّا سَمِعَ حَدِيْثًا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الصِّفَاتِ إِسْتِنْكَارًا لِذٰلِكَ -

---

عبدالرزاق نے بواسطہ معمر بن طاؤس روایت کی، وہ اپنے باپ طاؤس کے واسطہ سے حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جسے صفاتِ الٰہی کے بارے میں ایک حدیثِ رسولؐ سن کر کپکپی آگئی گویا اُس نے اس حدیث کو ناپسند کیا اور اس کا منکر ہوا۔

اس قسم کی روک تھام کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ صراطِ مستقیم کی علم و عمل اور یقین محکم کے ذریعے حفاظت کی جائے اور بدعت و خرافات سے بچ بچا کر زندگی بسر کی جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو درست اور صحیح رکھ سکتا ہے اور اسی سے اس کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

قولہ : وَرَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ :

اس سے مشہور محدث یمن ابن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ مراد ہیں، جو بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے۔ یہ معمر بن راشد سے، جو امام زہری کے ساتھیوں میں سے ہیں کثرت سے روایات نقل کرتے ہیں کیونکہ معمر عبدالرزاق کے استاذ ہیں۔

قولہ عن معمر بِفَتْحِ الْمِيْمَيْنِ وَسُكُوْنِ الْعَيْنِ

ابوعروہ بن ابی عمرو راشدی الازدی الحرانی الیمانی۔
یہ امام محمد بن شہاب زہری کے ان بلند پایہ اصحاب میں سے تھے جو امام زہری رحمہ اللہ سے بہت سی روایات نقل کرتے ہیں۔

قولہ : عَنِ ابْنِ طَاؤُسٍ

ان کا نام عبداللہ ابن طاؤس الیمانی ہے۔ ان کے بارے میں معمر لکھتے ہیں کہ ابنِ طاؤس کو عربی زبان میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

ابن عیینہ کے قول کے مطابق یہ ۱۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

قولہٗ : عَنْ أَبِيهِ :

ان کا نام طاؤس بن کیسان الجندی تھا۔ اپنے دور میں علم وفضل کے مینار سمجھے جاتے تھے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ان کا نام ذکوان تھا۔

الشیخ عبدالرحمان بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میری معلومات کے مطابق طاؤس ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی تفاسیر لکھی ہیں۔ ابن طاؤس کو علم کا مرکز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

"تہذیب الکمال" میں امام زہری رحمہ اللہ کا ایک واقعہ منقول ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا

آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

زہری

مکۃ المکرمہ سے۔

عبدالملک بن مروان

مکۃ المکرمہ میں ایسا شخص کون ہے جس کے عام لوگ گرویدہ ہیں ؟

زہری

عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ

عبدالملک بن مروان

عطا بن ابی رباح کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

وہ عجمی ہیں۔

عبدالملک بن مروان

ان کی سربراہی کے کیا وجوہ ہیں ؟

زہری

عطا ابن ابی رباح کو دیانت و امانت اور صحتِ روایت کی وجہ سے عوام میں مقبولیت حاصل ہے۔

عبدالملک بن مروان

دیانت دار اور صاحبِ روایت شخص فی الواقع اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی عزت و تکریم کی جائے اور اس کی سیادت کو تسلیم کیا جائے۔

عبدالملک بن مروان نے پھر سوال کیا کہ

اہل یمن کس کی سیادت کے قائل ہیں؟

زہری

طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ کی سیادت کے

عبدالملک بن مروان

طاؤس بن کیسان عربی النسل ہیں یا عجمی؟

زہری

وہ بھی عجمی ہیں۔

عبدالملک بن مروان

طاؤس کی سیادت کی کیا وجہ ہے؟

زہری رحمہ اللہ

طاؤس کی سیادت کے وہی اسباب ہیں جو عطا ابن ابی رباح کی سیادت کے ہیں۔

عبدالملک بن مروان

اسی طرح ہونا چاہیے۔

عبدالملک بن مروان نے پھر پوچھا

اہلِ مصر کس کی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں؟

زہری

یزید بن حبیب کی سیادت کو

عبدالملک بن مروان

یزید بن حبیب کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

عجم سے

عبدالملک بن مروان نے سلسلۂ سوالات جاری رکھتے ہوئے پُوچھا

شام میں ایسا کون خوش نصیب ہے ؟

زہری

مکحول رحمہ اللہ

عبدالملک بن مروان

مکحول رحمہ اللہ کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

عجم سے ؟ یہ ایک نوبی غلام تھے انھیں بنو ہذیل کی ایک عورت نے آزاد کیا تھا۔

عبدالملک بن مروان

اہل جزیرہ کے ہاں کون محبوب خلائق ہے ؟

زہری

میمون بن مہران

عبدالملک بن مروان

میمون بن مہران کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

عجم سے

عبدالملک بن مروان

اہلِ خراسان میں کس کی سیادت کا سکہ چلتا ہے ؟

زہری

ضحاک بن مزاحم کی سیادت کا

عبدالملک بن مروان

ضحاک کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

عجم سے

عبدالملک بن مروان

اہلِ بصرہ میں کس کی سیادت کا لوہا مانا جاتا ہے؟

زہری

حسن بصری کی سیادت کا

عبدالملک بن مروان

حسن بصری کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

عجم سے

عبدالملک بن مروان

تجھ پر افسوس ! اب یہ بتاؤ کوفہ میں ایسا بلند بخت کون ہے ؟

زہری

ابراہیم النخعی

عبدالملک بن مروان

ابراہیم کا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ؟

زہری

عرب سے

عبدالملک بن مروان خوش ہو کر بولا

زہری ! تم نے مجھے خوش کر دیا ہے

بخدا ایک عرصے ان شہروں میں علمی اعتبار سے اہلِ عجم کی سیادت ہوگی، سرزمین عرب کے منبروں پر ان کے خطبے ہوں گے اور عرب سامنے ہوں گے

زہری

فَقَالَ مَا فَرَقُ هٰؤُلَاءِ، يَجِدُوْنَ رِقَّةً عِنْدَ مُحْكَمِهٖ وَ يَهْلِكُوْنَ عِنْدَ مُتَشَابِهِهٖ - انتہی

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان لوگوں کا ڈر عجیب ہے؟ محکم آیات سُن کر ان پر رقّت طاری ہو جاتی ہے اور متشابہ آیات سُن کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

اے امیر المؤمنین! دینِ اسلام ایک ایسا جوہر ہے کہ جو اس کی حفاظت کریگا لوگ اسی کی سیادت وامامت کو تسلیم کریں گے۔
اور جس بدبخت نے دینِ اسلام کو پسِ پشت ڈال کر اُسے ضائع کر دیا وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جائے گا۔

قولہٗ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :
ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق مفصل بحث سابق صفحات میں گزر چکی ہے۔ علمائے اُمّت نے ان کو حبر الاُمّت اور ترجمان القرآن جیسے خطابات سے نوازا ہے۔
رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو دُعا دیتے ہُوئے فرمایا تھا۔
اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اے اللہ! اِسے دین کی سمجھ اور
وَ عَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ تفسیر قرآن کا علم عطا فرما
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بڑے بڑے مفسرین نے روایت نقل کی ہے۔ جیسے مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاء بن ابی رباح اور طاؤس وغیرہ رحمہم اللہ

قولہٗ : مَا فَرَقُ هٰؤُلَاءِ ؟
حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے حاضرینِ مجلس سے سوال کیا کہ کیا بات ہے کہ یہ لوگ قرآنِ کریم کی محکم آیات سُن کر خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور احادیثِ صفات سُن کر منکروں کی طرح ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس قسم کی آیات سُن کر یہ لوگ اپنے سینوں میں ایمان کی حلاوت

اور مٹھاس محسوس کرتے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے تقاضا کرتا ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل اُلٹ نظر آرہا ہے
امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وکیعؒ نے اسرائیل سے وُہ حدیث بیان کی جس میں قیامت کے
دن اللہ تعالیٰ کا کرسی پر بیٹھنا مذکور ہے۔ چنانچہ یہ حدیث سُن کر ایک شخص کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔
وکیعؒ ناراض ہوکر فرمانے لگے
"ہم نے اس قسم کی احادیث اعمشؒ اور سفیانؒ سے سُنی ہیں اور حاضرین میں سے کوئی شخص بھی
ان کو بُرا نہ سمجھتا تھا۔"
اس مندرجہ بالا اثر کو عبداللہ بن احمد نے "کتاب الرّدّ علی الجھمیۃ" میں ذکر کیا ہے۔
ایسے لوگ جب اس قسم کی احادیث کو قبول نہیں کرتے تو ان کے سینوں سے ایمان کا وُہ جوہر
عنقا ہوجاتا ہے جس کا پایا جانا انتہائی ضروری ہے اور ان کی حالت وُہ ہو جاتی ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل
آیت میں ہے

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ	تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان
الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ	لاتے ہو اور دُوسرے حصّے کے ساتھ
بِبَعْضٍ (البقرۃ - ۸۵)	کفر کرتے ہو؟

چنانچہ ایسی صورت میں وہی شخص کفر سے محفوظ رہ سکتا ہے جو ایمان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو
اور یقینِ محکم کی دولت سے اس کا سینہ بھرا ہُوا ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ	وُہی خُدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر
الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ	نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح
مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ	کی آیات ہیں ایک محکمات جو کتاب
الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ	کی اصل بُنیاد ہیں اور دُوسری
فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ	متشابہات جن لوگوں کے دلوں میں
زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا	ٹیڑھ ہے وُہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ
تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ	متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور
وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا	ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

يَعْلَمُ تَأْوِيلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ	حالانکہ اُن کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی
وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ	نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم میں
يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ	پختہ کار ہیں، وُہ کہتے ہیں کہ "ہمارا اُن پر ایمان
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ	ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔"
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا	اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف
الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران۔ ۷)	دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

زیر نظر اثر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ایمان کے اس حصّے کا انکار کیا جس کا پایا جانا ضروری تھا۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی اور وُہ یہ کہ انہوں نے قرآنِ کریم کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس میں ایک مؤمن کو قطعاً شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اور بعض اوقات جن لوگوں میں سُوجھ بُوجھ کا مادہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا ہے وُہ قرآنِ کریم سے اللہ تعالیٰ کے منشاء و مطلب کو نہیں سمجھ پاتے۔ بلکہ اُلٹا مطلب سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی میں ڈُوب جاتے ہیں۔ جیسے خارجی، رافضی اور قدریہ وغیرہ بدعتی فرقوں کا حال ہے کہ یہ لوگ سب سے بڑا ظلم یہ کرتے ہیں کہ اپنی بدعات کے مطابق قرآنِ کریم کی آیات کی تاویل کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ صراطِ مستقیم سے کوسوں دُور نکل گئے اور بدعت و گمراہی کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اہلِ بدعت نے قرآنِ کریم کی آیات کے معنی میں تحریف کی ہے، اس سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

یہ لوگ اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے اس قسم کی بدعات کا شکار ہوتے اور دُوسری وجہ یہ ہُوئی کہ انہوں نے علومِ شریعت کو اس کے تقاضوں کے مطابق اخذ نہ کیا اور تیسری وجہ یہ ہُوئی کہ جن لوگوں کے سینوں میں اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ کے رموز و معارف ودیعت فرما دیے تھے، ان سے فیض حاصل نہ کیا۔

کیوں کہ ان حضرات نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ کوئی حکم دُوسرے حکم کے مخالف و معارض نہیں ہے اور بزرگانِ دین نے سب سے بڑا کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ متشابہ آیات کو محکم آیات سے اس طرح ملایا اور جوڑا کہ تعارض بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کا ابتدائے سے اب تک یہی دستور رہا ہے۔

فللّٰہ الحمد لا نحصی ثناء علیہ

متشابہ آیات میں علمائے سلف کے اقوال

مندرجہ ذیل حدیث الدر المنثور میں موجود ہے، جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عربی	اردو
كَانَ الْكِتَابُ الْاَوَّلُ يَنْزِلُ مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَّاحِدٍ	پہلی کتاب، ایک ہی دروازے سے ایک ہی طریقے پر نازل ہوتی تھی۔
فَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ مِنْ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ	لیکن قرآن مجید، سات ابواب سے، سات طریقوں پر نازل ہوا اور وہ ہیں
زَجْرٌ وَّ اَمْرٌ وَّ حَلَالٌ وَّحَرَامٌ وَّمُحْكَمٌ وَّمُتَشَابِهٌ وَّاَمْثَالٌ	زجر، امر، حلال، حرام محکم، متشابہ اور امثال
فَاَحِلُّوْا حَلَالَهٗ	حلال کو حلال قرار دو۔
وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ	اور حرام کو حرام سمجھو۔
وَافْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ	جو حکم ملتا ہے اس پر عمل کرو۔
وَانْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ عَنْهُ	جس عمل سے روکا جائے اس سے رُک جاؤ۔
وَاعْتَبِرُوْا بِاَمْثَالِهٖ	جو امثال بیان کی گئی ہیں ان سے نصیحت حاصل کرو۔
وَاعْمَلُوْا بِمُحْكَمِهٖ	محکم آیات پر عمل کرو۔
وَاٰمِنُوْا بِمُتَشَابِهِهٖ	اور متشابہات پر ایمان رکھو اور اس بات کا
وَقُوْلُوْا: اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا	اقرار کرو کہ ہم سب آیات پر ایمان لائے اور تمام قسم کی آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

قرآنِ کریم کی آیت کہ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ (الآیہ) کی تفسیر میں عبد بن حمید رحمہ اللہ اپنی مسند میں قتادہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

طَلَبَ الْقَوْمُ التَّأْوِيْلَ فَاَخْطَاُوْا التَّاوِيْلَ وَ اَصَابُوا الْفِتْنَةَ وَطَلَبُوْا مَا تَشَابَهَ فَهَلَكُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ	قوم نے تاویل کا مطالبہ کیا اور جن لوگوں نے تاویلات کیں وہ غلطی کھا کر فتنہ میں پھنس گئے اور متشابہات کا مطالبہ کر کے ہلاک ہو گئے۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ آیات محکمات کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیات محکمات میں سے یہ ہیں

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (الآیۃ) (الانعام - ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳)	کہو آؤ میں تم کو وہ پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔ (آخیر آیات تک)
وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ (الآیۃ) (بنی اسرائیل - ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹)	اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (آخر آیات تک)

ابن جریر نے ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ:

"محکمات سے ناسخ، جن پر عمل ہو رہا ہے اور متشابہات سے منسوخ آیات مراد ہیں۔"

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور اسحاق بن سوید رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ یحییٰ بن یعمر، اور ابو فاختہ دونوں نے محکم آیات یعنی جن کو ام الکتاب کہا گیا ہے، کے بارے میں باہم تبادلہ خیال کیا۔ ابو فاختہ کا کہنا تھا کہ:

"سورتوں کے ابتدا میں جو حروفِ مقطعات ہیں ان کو ام الکتاب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان ہی حروف سے قرآن کریم کو ترتیب دیا گیا ہے۔ جیسے "الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ" اور حروفِ مقطعات سے سورہ بقرہ کو مرتب کیا گیا ہے۔ جیسے الٓمٓ: اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور انہی حروف سے سورہ آل عمران کی ترتیب عمل میں لائی گئی"

لیکن یحییٰ کا کہنا یہ تھا کہ

وَ لَمَّا سَمِعَتْ قُرَيْشٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ "الرَّحْمٰنَ" أَنْكَرُوا ذٰلِكَ۔ فَأَنْزَلَ اللهُ فِيهِمْ: "وَ هُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ"۔

جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کو رحمٰن کا ذکر کرتے ہوئے سُنا تو اُنھوں نے آپؐ کے اِس ذکرِ رحمٰن کو بُرا سمجھا اور اِنکار کیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے اِن ہی کی بابت یہ آیت نازل فرمائی کہ "وہ رحمٰن کا اِنکار کرتے ہیں"۔

"محکم آیات جن کو امّ الکتاب کہا گیا ہے، ان سے وُہ آیات مراد ہیں جن میں فرائض، امر نہی، حلال وحرام اور دینِ اسلام کی بڑی بڑی حدود اور اہم مسائل کو بیان کیا گیا ہے"۔

ابنِ جریر نے محمد بن جعفر بن زبیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

"محکم آیات سے وُہ آیات مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حجت اور اُلوہیت و ربوبیت کے دلائل، اس کے نیک بندوں کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور باطل جھگڑوں کی تردید کی گئی ہے جس مقصد کو واضح کرنے کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں اس میں رد و بدل نہیں ہُوا۔

متشابہات سے وُہ آیات مراد ہیں جن کے معنی و مفہوم میں رد و بدل اور ان کی تأویل میں اختلاف واقع ہُوا، متشابہ آیات کے نزول کا مقصد لوگوں کا امتحان تھا۔ جیسے حلال و حرام میں آزمائش و ابتلا کیونکہ محکم آیات سے باطل کی طرف میلان اور حق و انصاف سے دُوری ممکن ہی نہ تھی۔

ابنِ ابی حاتم ــــ نے مقاتل بن حیان کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے جس میں لفظ امّ الکتاب کے بارے میں وُہ فرماتے ہیں کہ :

لیعنی یہ آیات کتاب کی وہ بنیادیں ہیں کہ جن پر رضامندی کا اظہار کیے بغیر کوئی صاحبِ دین نہیں ہو سکتا۔

اور متشابہات سے مراد حروفِ مقطعات ہیں جیسے الم۔ المص۔ المر۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا آثار و اقوال سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات، متشابہات میں سے ہیں اور جن لوگوں نے اسماء و صفات کو متشابہات میں شمار کرنے کی کوشش کی ہے وُہ اپنے دعویٰ میں معقول دلیل پیش نہیں کر سکے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد

قولہٗ : وَ لَمَّا سَمِعَتْ قُرَیْشٌ :

ابنِ جریر، قتادہ سے نقل کرتے ہُوئے کہتے ہیں

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مُسلمانوں اور قریشِ مکّہ کے درمیان معاہدہ صلح کی دستاویز لکھی جانے لگی تو سب سے پہلا جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لکھوایا

هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ یہ وُہ دستاویز ہے جس پر

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی

مشرکین قریش نے اس پر اعتراض کیا اور کہا

اگر ہم آپ کو رسول اللہ تسلیم کرنے کے بعد آپ سے جنگ کریں تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔

لہٰذا آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹا کر اس کی جگہ پر یہ جملہ لکھنا ہوگا

هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ یہ وُہ دستاویز ہے جس پر محمد بن

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عبداللہ نے صلح کی۔

مشرکین کا یہ اعتراض سُن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طیش میں آکر کہا۔ اے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں حکم دیجئے ہم ان قریش سے مقابلہ کے لیے تیار ہیں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو روکتے ہُوئے فرمایا، نہیں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں وہی لکھ دیا جائے۔

کیونکہ میں محمد بن عبداللہ ہُوں۔

چنانچہ یہی جملہ لکھ دیا گیا۔

اس کے بعد شروع میں کاتب صلح نامہ نے لکھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قریشِ مکہ نے اس پر بھی اعتراض کیا اور کہا۔

الرحمٰن کو ہم نہیں جانتے کہ وُہ کون ہے۔

یہ اعتراض اس لیے کیا گیا کہ اہلِ جاہلیت اپنے خطوط میں سب سے پہلے مندرجہ ذیل جملہ لکھا کرتے تھے۔

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ انکار سُن کر پھر کہا

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں حکم دیجئے ہم ان کو اس انکار کا مزہ چکھا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، طیش میں آنے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے یہ لوگ کہتے ہیں وُہی لفظ لکھ دیا جائے۔

ابن جریر رحمہ اللہ مجاہد کا قول نقل کر کے اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین قریش سے صلح کی تو صلح نامہ لکھتے وقت کاتب نے سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا اس پر قریش نے کہا کہ نہ ہم الرحمٰن لکھتے ہیں اور نہ الرحمٰن کو جانتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے اصول کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھیں گے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی ہٹ دھرمی پر یہ آیت نازل فرمائی وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی نقل کیا ہے جس میں وُہ فرماتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں" يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ" پڑھا کرتے تھے۔ اس پر مشرکین نے کہا۔ دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وُہ ایک ہی اللہ کو پکارتا ہے۔ لیکن عملاً رحمٰن اور رحیم دو ذاتوں کی عبادت کرتا ہے۔ ان کے اس غلط اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا	آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ خواہ
الرَّحْمٰنَ ۚ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا	اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔
فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى	جس نام سے بھی پکارو گے سو اس
(بنی اسرائیل - ۱۱۰)	کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: عَدَمُ الْإِيْمَانِ بِجَحْدِ شَيْءٍ مِّنَ الْأَسْمَآءِ وَ الصِّفَاتِ۔

① جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے تو وہ شخص ایمان سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔

الثانیۃ: تَفْسِيْرُ أٰيَةِ الرَّعْدِ۔

② سورۃ رعد کی آیت کی تفسیر

الثالثۃ: تَرْكُ التَّحْدِيْثِ بِمَا لَا يَفْهَمُ السَّامِعُ۔

③ جس بات کو مخاطب نہیں سمجھ سکتا اُسے چھوڑ دینا۔

الرابعۃ: ذِكْرُ الْعِلَّةِ أَنَّهٗ يُفْضِيْ إِلٰى تَكْذِيْبِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَلَوْ لَمْ يَتَعَمَّدِ الْمُنْكِرُ۔

④ اُس علت کا تذکرہ جو اللہ اور رسول ﷺ کی تکذیب تک پہنچا دیتی ہے، اگرچہ انکار کرنے والے کا یہ ارادہ نہ ہو۔

الخامسة **كَلَامُ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ لِمَنِ اسْتَنْكَرَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ وَ أَنَّهُ أَهْلَكَهُ۔**

⑤ حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ کا کلام کہ جو شخص ان میں سے کسی کا اِنکار کرے وہ اُسے ہلاک کر دے گی۔

باب

قول الله تعالیٰ

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ

یہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانتے ہیں۔ پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

قولہ تعالیٰ : يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ أَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○
(النحل : ۸۳)

یہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

قولہ : يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا :

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں چند علمائے کرام کے اقوال کو نقل فرمایا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" اس آیتِ کریمہ میں جس نعمت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں علمائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔ سفیان عن السدی منقول ہے کہ اس نعمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے۔"

بعض علمائے کرام کا بیان ہے کہ اس سورت میں جن انعامات کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مُنعم ہے لیکن ان مشرکین کا گمانِ باطل یہ ہے کہ وہ ان انعامات کے آباؤ اجداد کی طرف سے وارث ہیں۔

قولہ : قَالَ مُجَاهِدٌ :

یہاں سے شیخ التفسیر، امامِ ربانی، مجاہد بن جبر المکی مولیٰ بنی مخزوم رحمہ اللہ مراد ہیں۔ فضل بن میمون کا بیان ہے کہ میں نے مجاہد کی زبانی یہ سُنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ

"میں نے اپنا مصحف بارہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سُنایا، میری عادت یہ تھی کہ میں ہر ایک آیت پر رُک جاتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کرتا کہ

اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے ؟

اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ کیا ہوئی ؟

اس کا صحیح مفہوم کیا ہے ؟

جب میری تسلی ہو جاتی تو پھر آگے دوسری آیت پڑھتا۔"

قال مجاهد ما معناه : هو قول الرجل ، "هٰذَا مَالِيْ وَرِثْتُهُ عَنْ آبَائِيْ"۔

مجاہدؒ نے کہا۔ انسان کا یہ کہنا کہ "یہ میرا مال ہے ، مَیں اِس کا اپنے بڑوں کی طرف سے وارث بنا ہوں"۔

مجاہد رحمہ اللہ ۸۳ سال کی عمر پا کر ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

زیرِ بحث آیت کریمہ کے بارے میں ابن جریر رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

"اِس نعمتِ الٰہی سے گھر بار، چوپائے وغیرہ، کھانے پینے کی تمام اشیاء لوہے اور روئی وغیرہ سے بُنے ہوئے کپڑے مراد ہیں۔ کفارِ قریش یہ جاننے کے باوجود کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اس سے یوں انکار کرتے ہیں کہ

"یہ تمام اشیا ہمارے آباؤ اجداد کی ہیں جو ہمیں وارث بنا گئے ہیں۔"

بعض عُلما نے یہ معنٰی بیان فرمائے ہیں کہ

جب کفار سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھیں رزق کون دیتا ہے؟

تو جواب دیتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق رساں ہے۔ لیکن اس کا بایں طور انکار کر دیتے ہیں کہ

"ہم کو یہ رزق ہمارے معبُودوں کی سفارش سے ملا ہے۔"

قولہٗ وقال عون بن عبد الله

عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود الھزلی، ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ اپنے دَور کے بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔ ان کا تعلق کوفہ سے تھا۔ یہ اپنے باپ حضرت عبد اللہ، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایات نقل کرتے ہیں اور قتادہ، ابو الزبیر اور امام زہریؒ نے بھی ان سے روایات نقل کی ہیں۔ امام احمدؒ اور ابن معین نے عون کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ عون بن عبد اللہ ۱۲۰ھ ہجری کے بعد فوت ہوئے۔

وقال ابو العباس رحمه الله : بعد حديث زيد بن خالد الذي فيه:

"إِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَ كَافِرٌ" (الحديث)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے زید بن خالد جہنی کی اس حدیث کے بعد جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان درج ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مومن اور کچھ کافر ہو گئے۔

پیشِ نظر آیت " یعرفون نعمة الله ثم ینکرونها " کے متعلق عون بن عبد اللہ لکھتے ہیں :

" مشرکین کا انکارِ انعامات یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو یہ حالات پیدا نہ ہوتے ۔ یا اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو مجھ پر یہ مصیبت نہ ہوتی "

ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔

ابن جریر کے علاوہ دوسرے علماء نے اس آیت کریمہ کو عام رکھا ہے۔ کسی ایک معنی میں منحصر نہیں۔ یہی زیادہ بہتر ہے کہ اس آیت کی عمومیت کو برقرار رکھا جائے۔ واللہ اعلم

قولہ : قَالَ ابْنُ قُتَيْبَةَ :

ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری جو کہ مصر کے قاضی رہ چکے ہیں، جن کو لغت اور صرف و نحو میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مختلف علوم میں بہترین اور عمدہ کتب تصنیف فرمائیں۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ کتاب و سنت کی خدمت کرتے ہوئے بغداد میں گزارا۔ ان کے اساتذہ میں اسحاق بن راہویہ سرِ فہرست ہیں۔ ۲۷۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

قولہ : قَالَ أَبُو الْعَبَّاسِ رحمه الله :

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے دور کے جلیل القدر امام گزرے ہیں۔

وقد تقدّم وَهٰذَا كَثِيْرٌ فِی الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ يَذُمُّ سُبْحَانَهٗ مَنْ يُّضِيْفُ اِنْعَامَهٗ إِلٰى غَيْرِهٖ وَ يُشْرِكُ بِهٖ ۔

قال بعض السلف : هو كقولهم : كَانَتِ الرِّيْحُ طَيِّبَةً وَ الْمَلَّاحُ حَاذِقًا وَ نَحْوِ ذٰلِكَ مِمَّا هُوَ جَارٍ عَلٰى أَلْسِنَةِ كَثِيْرٍ

یہ حدیث پہلے سے گزر چکی ہے اور یوں کہا: ایسا حکم کتاب وسُنّت میں کثرت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو اُس کے انعامات اور اُس کی رحمت کی نسبت کسی دُوسرے کی طرف کرتے ہیں اور اسکا شریک ٹھہراتے ہیں۔

بعض سلف کا قول ہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ

"ہوا بہت ہی خوب تھی اور ملاح عقلمند تھا اور اسی طرح اور اقوال جو بہت سے لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔"

شیخ الاسلام کا زیر بحث کلام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حق تو یہ تھا کہ وہ انعامات جو اللہ کی طرف سے تھے اُن کی عمومیت کو برقرار رکھا جاتا کیونکہ اس عمومیّت کو مفسرین کرام نے بھی برقرار رکھا ہے، جس کی چند مثالیں مصنف رحمہ اللہ نے بیان کردی ہیں لیکن مُشرکین نے اپنی کم عقلی کی بنا پر ان کو غیراللہ کی طرف منسوب کردیا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ "فیہ مسائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

" ان باتوں سے دل میں اجتماعِ ضدّین پیدا ہوتا ہے اور ایسا کلام حقیقت میں نعمتِ خداوندی کا انکار ہے۔"

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَفْسِيرُ مَعْرِفَةِ النِّعْمَةِ وَإِنْكَارِهَا.

① نعمت کی پہچان اور اسکے انکار کی جتنی صورتیں ممکن تھیں، اُن کی وضاحت کرنا۔

الثانیۃ: مَعْرِفَةُ أَنَّ هٰذَا جَارٍ عَلٰى أَلْسِنَةِ كَثِيرٍ۔

② انکار کی جتنی صورتیں ہیں وہ اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہیں۔

الثالثۃ: تَسْمِيَةُ هٰذَا الْكَلَامِ إِنْكَارًا لِلنِّعْمَةِ۔

③ ایسے کلام کا نام انکارِ نعمت ہے۔

الرابعۃ: إِجْتِمَاعُ الضِّدَّيْنِ فِي الْقَلْبِ۔

④ دِل میں اجتماعِ ضدّین پایا جانا۔

باب قول اللہ تعالیٰ
فلا تجعلوا للہ
اندادا وانتم تعلمون
صدق اللہ
پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو
اللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

قول اللہ تعالیٰ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّ أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ : ۲۲)

پس (جب تم یہ جانتے ہو تو) دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

الند : مثل اور نظیر کو ند کہا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ند بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تمام عبادات کو یا کسی ایک عبادت کو غیر اللہ کے لیے ادا کرے۔

جیسے بتوں کے پجاری اپنے معبودانِ باطل سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کو نفع پہنچانے اور ان سے تکلیف دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کی سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔

پوری آیت اس طرح ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○	لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○	وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابو العالیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"لَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا"	اللہ کے شریک نہ بناؤ۔
ای عدلاء شرکاء	یعنی اس کے برابر شریک۔

ربیع بن انس، قتادہ، السدی، ابو مالک اور اسماعیل بن ابی خالد نے بھی یہی معنٰے بیان کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

"اپنے معبودانِ باطل کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراؤ کیونکہ وہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں تم اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں رزق دے سکے اور اس بات کو بھی تم اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہو کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس توحیدِ خالص کی تمہیں دعوت دے رہے ہیں وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔"

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مندرجہ بالا مفہوم بیان کیا ہے۔

قتادہؒ اور مجاہدؒ اس آیت کی تشریح میں انداد کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان لوگوں میں سے کسی کی اس طرح اطاعت کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

انداد کے بارے میں ابن زیدؒ کا قول یہ ہے کہ

"انداد، مشرکین کے وہ الٰہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہو اور جو صفات اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں اُن صفات کو اِن انداد میں تسلیم کر لیا گیا ہو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ندّ کے معنٰی شبیہ کیے ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ

"یہود و نصاریٰ اِس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ الٰہ ایک ہی ہے جیسا کہ تورات اور انجیل میں مذکور ہے۔"

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کریمہ کے مفہوم کی مزید وضاحت کے لیے ایک حدیث نقل کی ہے جو مسند احمد میں حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ کلمات کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔ ممکن ہے وہ اِس میں تاخیر کر دیتے کہ اتنے میں حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ کلمات کا حکم دیا ہے کہ ان پر خود بھی عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ یا تو یہ کلمات تم بنی اسرائیل کو پہنچا دو یا میں پہنچا دوں۔

یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بولے میرے بھائی! مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ اس معاملے میں مجھ سے سبقت لے گئے تو ایسا نہ ہو مجھے اللہ کی طرف سے عذاب دیا جائے یا زمین میں دھنسا دیا جائے۔

چنانچہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ حتیٰ کہ مسجد بھر گئی۔
انہوں نے ایک بلند مقام پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر قوم سے اس طرح خطاب فرمایا
"مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ کلمات کا حکم دیا ہے کہ خود بھی اِن پر عمل کروں اور تم کو بھی اِن پر عمل پیرا ہونے کا حکم دوں۔

پہلا حکم یہ ہے

اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا — تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

مُشرک کی مثال اُس غلام کی سی ہے جسے کوئی شخص اپنے خالص مال سے خرید کر اپنے کاروبار کا مختار بنا دے، لیکن یہ غلام شام کے وقت فروخت شدہ مال کی رقم اپنے آقا کے بجائے دُوسرے کسی شخص کے حوالے کرتا جائے۔ کیا غلام کی اس حرکت کو کوئی عقلمند شخص برداشت کرے گا؟ ہرگز نہیں!

پس اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا اور وہی رزق دیتا ہے۔ لہٰذا اسی کی خالص عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

دُوسرا حکم یہ ہے

وَآمُرُكُمْ بِالصَّلٰوةِ — مَیں تم کو نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہوں۔

جب تک اِنسان نماز کی حالت میں ہوتا ہے اور دُوسری طرف اِلتفات نہیں کرتا، اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

پس جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو کسی دوسری طرف عنانِ توجہ مبذول نہ کرو۔

تیسرا حکم یہ ہے

وَآمُرُكُمْ بِالصِّيَامِ — مَیں تم کو روزے کا حکم دیتا ہوں۔

روزہ دار کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کے پاس کستوری کی تھیلی ہو اور اُس کے تمام ساتھی اس کی خوشبو محسوس کر رہے ہوں۔

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کریم کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے

وَآمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ — مَیں تم کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا ہوں۔

صدقہ و خیرات کرنے والے شخص کی مثال اُس قیدی کی سی ہے جس کے ہاتھ دُشمن نے اس کی گردن سے باندھ دیے ہوں اور اُسے قتل کرنے کے لیے مقتل کی طرف لے جا رہے ہوں۔ وہ قیدی دشمن سے کہے کہ کیا میں اپنی جان جرمانہ ادا کر کے بچا سکتا ہوں ؟

اور وہ دشمن کے کہنے پر اپنا سب چھوٹا موٹا مال دے کر اپنے آپ کو بچا لے۔

پانچواں حُکم یہ ہے

وَآمُرُكُمْ بِذِكْرِ اللهِ كَثِيْرًا میں تم کو اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے والے شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کو پکڑنے کے لیے دشمن اس کا پیچھا کر رہا ہو اور یہ شخص ایک قلعہ میں آکر پناہ گزین ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے، وہ شیطان کی شرارتوں سے ایسا محفوظ رہتا ہے جیسے کسی مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو گیا ہو۔"

یہ پانچ اُمور ذکر کرنے کے بعد رسُولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہ ! مَیں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حُکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ وہ یہ کہ

۱ ــــ مُسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا۔

۲ ــــ اپنے امیر کی باتوں کو سُننا اور پھر

۳ ــــ اُس کی اطاعت کرنا۔

۴ ــــ اللہ کے لیے ہجرت کرنا۔

۵ ــــ اور اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر رہا تو گویا اُس نے اپنے گلے سے اسلام کی رسّی کو اُتار پھینکا، جب تک کہ وہ پھر واپس جماعت میں نہ مل جائے اور جو شخص جاہلیت کی رسم و رواج کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا شخص جہنّم کا ایندھن بنے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسُول اللہ ﷺ ! اگرچہ وہ شخص نماز اور روزہ کا پابند ہو جب بھی جہنّم کا ایندھن بنے گا ؟ تو رسُولِ اکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا :

وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ فَادْعُوا الْمُسْلِمِيْنَ

ہاں ! اگرچہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور اپنے آپ کو مُسلمان سمجھتا ہو۔ تم مُسلمانوں

بِاَسْمَائِهِمُ الَّتِیْ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ   کو اسی نام سے پکارا کرو جس نام سے اللہ
عَزَّوَجَلَّ الْمُسْلِمِیْنَ، الْمُؤْمِنِیْنَ   نے ان کو پکارا ہے۔ یعنی مسلمان، مومن،
عِبَادَ اللّٰهِ   اللہ کے بندے۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس آیت سے اس کی شہادت ملتی ہے

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَکُمْ وَرَزَقَکُمْ   کہ یقیناً اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور اسی نے
فَاعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ   تمھیں رزق عطا فرمایا۔ پس تم اسی کی عبادت
شَیْئًا   کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ

زیر نظر آیت کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنی چاہیے کیونکہ وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

زیر بحث آیت کریمہ سے اکثر مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت سی آیات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں ابونواس سے پوچھا گیا تو اُس نے فی البدیہہ اشعار میں اس کا جواب یوں دیا

تأمل فی نبات الارض وانظر   اِلیٰ اثار ما صنع الملیک
زمین کی انگوری میں غور کر اور دیکھ ان آثار کو کہ شاہ کی کاری گری نے کیا کچھ کر دیا
عیون من لجین ناظرات   باحداق ھی الذھب السبیک
چاندی کی آنکھیں ایسی نگاہوں سے دیکھتی ہیں جو پگھلا ہوا سونا معلوم ہوتی ہیں

علی قضب الزبرجد شاھدات
سونے کے منبر پر شہادت دینے والے کھڑے ہیں

بان اللہ لیس له شریک
کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ابن المعتز نے جو اشعار کہے ہیں وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں وہ کہتا ہے:

فیا عجباً کیف یعصی الالٰه   ام کیف یجحده الجاحد
تعجب ہے کہ منکر کیسے خدا کی نافرمانی کرتا ہے یا کیسے اس کا انکار کرتا ہے

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الآیة : أَلْأَنْدَادُ هُوَ الشِّرْكُ أَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ عَلٰى صَفَاةٍ سَوْدَآءَ فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَ هُوَ أَنْ تَقُوْلَ : وَ اللّٰهِ وَ حَيَاتِكَ يَا فُلَانُ وَ حَيَاتِيْ۔

وَ تَقُوْلُ : لَوْ لَا كُلَيْبَةُ هٰذَا لَأَتَانَا اللُّصُوْصُ۔ وَ لَوْ لَا الْبَطُّ فِي الدَّارِ لَأَتَانَا اللُّصُوْصُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں "انداد" سے مراد شرک ہے اور وہ اس سے زیادہ مخفی ہے جیسے کہ سیاہ چیونٹی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلے اور وہ اِس طرح کہ تم کہو، اللہ کی قسم، تیری جان کی قسم، اے فلاں، میری جان کی قسم۔

اور یہ کہے کہ اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آجاتے اور اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آجاتے۔

وفی کل شیئ له آیة تدل علی انه واحد

حالانکہ ہر چیز میں اس کی ایک علامت موجود ہی جو بتاتی ہو کہ وہ اللہ ایک ہی ہے

قوله : قال ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سب شرک ہے اور اس زمانے میں اس قسم کے الفاظ لوگ کثرت سے استعمال کرتے ہیں جو نہ توحید کی معرفت رکھتے ہیں اور نہ شرک کی سنگینی سے واقفیت، لہٰذا ہر شخص کو ان امور سے بچتے رہنا چاہیے کیونکہ یہ گناہ اکبر الکبائر میں سے ہیں اس لیے ان سے

وقول الرّجل لصاحبه : "مَاشَآءَ اللهُ وَشِئْتَ" وقول الرّجل : "لَوْ لَا اللهُ وَ فُلَانٌ" لَا تَجْعَلْ فِيهَا "فُلَانًا"۔ هٰذَا كُلُّهُ بِهٖ شِرْكٌ"۔ (رواه ابن ابی حاتم)

وعن عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ۔ (رواه الترمذي وحسّنه وصححه الحاكم)

اور یہ کہ انسان اپنے ساتھی سے کہے "جو اللہ چاہے اور تم چاہو" اور یہ کہ "اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا" تو اس میں "فلاں" نہ رکھ کیونکہ یہ سب باتیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی تعریف میں آتی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

سختی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تنبیہ ادنیٰ شرک سے اعلیٰ تک ممتد ہے۔

قولهٗ : فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ :

حدیث میں راوی نے حرف اَوْ استعمال کیا ہے۔ یہ راوی کو شبہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فَقَدْ كَفَرَ ارشاد فرمایا تھا یا فَقَدْ اَشْرَكَ

یہ بھی ممکن ہے کہ اَوْ بمعنی وَ ہو۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی

فَقَدْ كَفَرَ وَ اَشْرَكَ

اس دوسری صورت میں بڑے کفر سے چھوٹا کفر اور بڑے شرک سے چھوٹا شرک مراد ہوگا۔

وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ : لَأَنْ أَحْلِفَ بِاللهِ كَاذِبًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ بِغَيْرِهِ صَادِقًا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے غیراللہ کی قسم کھانے سے اللہ کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح اور ان ہی الفاظ سے روایت منقول ہے۔

قولہٗ : وقال ابن مسعودؓ : لأن احلف باللہ کاذبا
ہر شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن شرک تمام بڑے بڑے گناہوں سے زیادہ سنگین ہے اگرچہ شرک اصغر ہی کیوں نہ ہو۔
شرکِ اصغر جب تمام کبیرہ گناہوں سے زیادہ سنگین ہے تو اس سے شرکِ اکبر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو خلودِ جہنم کا موجب ہے۔

شرکِ اکبر میں سے چند اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

۱ــــــ غیراللہ کو مصائب و مشکلات میں پکارنا۔

۲ــــــ غیراللہ سے استغاثہ کرنا۔

۳ــــــ غیراللہ کی طرف توجہ اور رغبت کرنا۔

۴ــــــ اپنی حوائج اور ضروریات کو غیراللہ کے سامنے پیش کرنا۔

۵ــــــ قبروں کی تعظیم کرنا۔

۶ــــــ قبروں کی بایں طور تعظیم کرنا کہ ان کو وثن بنا لیا جائے۔

۷ــــــ قبروں پر تعمیرات کرنا اور بڑے بڑے قبے بنا ڈالنا۔

۸ــــــ قبروں میں مساجد تعمیر کرنا اور ان کو سجدہ گاہ قرار دینا۔

۹ــــــ صاحبِ قبر کے نام پر قبہ بنانا تاکہ صاحبِ قبر کی عظمت باقی رہے۔

۱۰ــــــ اور صاحبِ قبر کی طرف اقوال و اعمال اور دل سے متوجہ ہونا وغیرہ۔

• اُمتِ محمدیہ کی اکثریت ان افعال و اعمالِ شرکیہ میں غرق ہو چکی ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔
نام نہاد مسلمانوں نے قرآنِ کریم کی واضح اور بیّن آیات کو جن میں اس شرک کی نفی کی گئی ہے، ترک کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○
(الاعراف — ۳۷)

اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو بالکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی سچی آیات کو جھٹلائے۔ ایسے لوگ اپنے نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے گی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی رُوحیں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے۔ اُس وقت وہ اُن سے پوچھیں گے کہ بتاؤ اب کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم خدا کے بجائے پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ "سب ہم سے گم ہو گئے"۔ اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم واقعی منکرِ حق تھے۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جو اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارا کرتے تھے۔

ایک مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○
(الجن — ۱۸)

اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

ایک مقام پر فرمایا

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ○

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہو کہ "میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۝ (الجن ۔ ۲۰، ۲۱)

کہو۔ "میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں، نہ کسی بھلائی کا۔"

مشرکین کا بُرا ہو، کہ اُنھوں نے احکام الٰہی اور فرامین رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی مخالفت کی اور جس چیز سے روکا گیا تھا اُس پر عمل کیا۔

جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور غیر اللہ پر توکل اور بھروسہ کرنا وغیرہ۔

افسوس کہ بعض لوگوں نے اپنے اشعار میں یوں کہا

یا اکرم الخلق ما لی من الوذ به سواك عند حلول الحادث العمم

ان لم تکن فی معادی آخذا بیدی فضلًا، والافقل ، یا زلة القدم

فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

اے معزز ترین مخلوق! تیرے سوا میرا کوئی ایسا نہیں جس کی میں عام مصیبتوں کے آنے پر پناہ لے سکوں۔ اگر تو مہربانی فرما کر قیامت کو میرا ہاتھ نہ پکڑے۔ تو کہہ، ہائے قدم کا پھسلنا۔ تیری سخاوت میں سے دُنیا اور اس کی سوت (آخرت) ہے اور تیرے ہی علوم میں سے لوح و قلم ہیں۔

مندرجہ بالا اشعار میں کس قدر جہالت اور گمراہی بھری ہوئی ہے۔ شاعر اپنا عقیدہ بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ نجاتِ اُخروی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ غیر اللہ کی پناہ حاصل نہ کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر اُن حدود سے تجاوز کر گیا ہے جن سے تجاوز کرنا رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ (رواہ مالک وغیرہ)

میری تعریف میں غلو نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے متعلق غلو کیا تھا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں، مجھے صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسُول کہا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ

اے مُحمّد! ان سے کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وعن حذیفة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ :
"لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ فُلَانٌ
وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ
شَآءَ فُلَانٌ" (رواہ ابوداؤد بسند صحیح)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ "جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے"۔ بلکہ یہ کہو "جو اللہ چاہے اور پھر جو فلاں شخص چاہے"۔

وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ (الانعام - ۵۰)

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی اور اشعار میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ حقیقت میں یہ اشعار اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہیں۔

ان اشعار کا عقیدہ اکثر لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس باطل عقیدہ میں اہلِ علم بھی مبتلا دکھائی دیتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ان اشعار کا ورد اور وظیفہ کرنا اور ان کی عظمت کو ملحوظ رکھنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ آمین!

قولہٗ : عن حذیفة :

واؤ کا عطف معطوف اور معطوف الیہ کو مساوی حیثیت دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں دونوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ یہ عطف ترتیب اور تعقیب کا متقاضی نہیں ہوتا اور اگر عطف ثُمَّ کے ساتھ ہو تو اس میں تراخی پائی جاتی ہے اور مُہلت کا پہلو نکلتا ہے۔ اس صورت میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا مخلوق کو خالق کائنات کے ساتھ برابر قرار دینا شرک ہے۔

اگر کسی چھوٹی چیز میں برابری ٹھہرائی گئی ہے تو یہ شرکِ اصغر قرار پائے گا اور اگر کسی بڑی چیز میں برابری بیان کی گئی ہے تو شرکِ اکبر ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ مشرکین کا وہ قول جو وہ میدانِ حشر میں کہیں گے نقل کر کے فرماتا ہے کہ

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ یہ بہکے ہوئے لوگ (اپنے معبودوں سے)

وجاء عن ابراهيم النخعي رحمه الله أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَّقُوْلَ : أَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ بِكَ وَ يَجُوْزُ أَنْ يَّقُوْلَ : بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ۔ قَالَ وَ يَقُوْلُ : لَوْ لَا اللّٰهُ ثُمَّ فُلَانٌ وَ لَا تَقُوْلُوْا : لَوْ لَا اللّٰهُ وَ فُلَانٌ۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے، یہ نہ کہو کہ میں اللہ اور تیری پناہ چاہتا ہوں البتہ یہ کہنا جائز ہے کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور پھر تیری - یہ بھی کہہ سکتے ہو "اگر اللہ نہ ہوتا پھر فلاں شخص بھی نہ ہوتا" یہ نہ کہو "اگر اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا۔"

مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء - ۹۷، ۹۸)

کہیں گے کہ "خدا کی قسم، ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے - جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔"

قولہ : اَنَّهٗ يَكْرَهُ اَنْ يَّقُوْلَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَبِكَ

جائز اور ناجائز الفاظ استعمال کرنے کے بارے میں گزشتہ صفحات میں پوری تفصیل سے بحث گزر چکی ہے زیر نظر الفاظ کا استعمال اُن افراد کے بارے میں ہے جو زندہ اور حاضر ہیں اور جن کو کسی کام کے کرنے پر کوئی قدرت حاصل ہے۔

لیکن وہ افراد جو فوت ہو چکے ہیں، جن کو یہ علم بھی نہیں ہے کہ ہمیں کون پکار رہا ہے اور نہ ان کو نفع اور تکلیف دینے پر کوئی قدرت حاصل ہے۔ ایسے مُردہ افراد پر اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا حرام ہے اور کسی صورت میں بھی ان کی طرف رجوع کرنا اور ان کو مرکز توجہ ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔

اور جو شخص مُردوں سے کسی قسم کا سوال کرتا ہے یا مصائب و مشکلات کے وقت ان کو پکارتا ہے تو قرآن کریم نے اس کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے اور بار بار اس کے باطل ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس پر ہی بس نہیں بلکہ

قرآنِ کریم ایسے افراد کو مشرک قرار دیتا ہے کیونکہ مُردوں کو پکارنے والوں نے ان کو الٰہ بنالیا ہے۔ مُردوں کو پکارنا قول سے ہو یا عمل سے، ظاہرًا الفاظ سے پکارے یا بباطن، سب برابر ہے۔

پس جو شخص قرآن کریم میں غور و فکر کرتا ہے اور اپنی عقلِ سلیم سے کام لیتا ہے، وہ اپنے دین کے بارے میں صاحبِ بصیرت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

علم بلا محنت حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے کچھ اسباب ہیں۔ جن میں چند ایک اسباب کسی شاعر نے قلم بند کیے ہیں۔ وہ کہتا ہے

اخی لن تنال العلم الا بستة ۔۔۔ سأنبئک عن تفصیلها ببیان

ذکاء، وحرص، واجتهاد وبلغة ۔۔۔ وارشاد استاذ وطول زمان

اے میرے عزیز! تم اس وقت تک علم حاصل نہیں کر سکتے جب تک چھ اوصاف اپنے اندر نہیں پیدا کر لوگے۔ مَیں تمھیں وہ تفصیل سے بتاتا ہوں۔

دانائی، حرص، محنت، قابلیت، اپنے استاد کی رہنمائی اور اپنی عمر کو تحصیلِ علم میں کھپا دینا۔

حصولِ علم کے مندرجہ بالا چھ اسباب کے علاوہ اہم سبب یہ ہے کہ جس کو اللہ کریم قوتِ حافظہ اور فہم کی دولت سے مالا مال کرے اور وہ اپنے آپ کو تحصیلِ علم میں کھپا دے تو وہ بہت خوش نصیب شخص ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔۔۔ تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمھیں معلوم نہ تھا۔

وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ ۔۔۔ اور اس کا فضل تم پر بہت ہے۔

(النساء - ۱۱۳)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اِس موقع پر کیا ہی بہترین اشعار کہے ہیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں

والجهل داء قاتل وشفاؤه ۔۔۔ امران فی الترکیب متفقان

جہالت ایک مہلک بیماری ہے اور اس کی شفا ۔۔۔ دو چیزیں ہیں جو ترکیب میں متفق ہیں،

نص من القرآن او من سنة ۔۔۔ وطبیب ذاك العالم الربانی

قرآن پاک یا سُنّت کی نصِ صریح ۔۔۔ اور اس کا طبیب خدا پرست عالم ہے

والعلم اقسام ثلاث، ما لها ۔۔۔ من رابع والحق ذو تبیان

اور علم تین قسم کا ہے، اِس کی چوتھی قسم ۔۔۔ کوئی نہیں اور حق ظاہر ہے

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيْرُ آيَةِ الْبَقَرَةِ فِي الْأَنْدَادِ

① انداد کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر

الثانیۃ: أَنَّ الصَّحَابَةَ رضی اللہ عنہم يُفَسِّرُوْنَ الْآيَةَ النَّازِلَةَ فِي الشِّرْكِ الْأَكْبَرِ أَنَّهَا تَعُمُّ الْأَصْغَرَ

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ شرکِ اکبر کے متعلق جو آیت نازل ہوتی اسے شرکِ اصغر پر بھی محمول کرتے۔

علم باوصاف الالٰه وفعله ۔۔۔ وکذلك الاسماء للرحمٰن
خدا تعالیٰ کے اوصاف اور اسکے افعال کا علم ۔۔۔ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے اسماء کا علم

والامر والنهی الذی هو دینه ۔۔۔ وجزاؤه یوم المعاد الثانی
اور اوامر اور نواہی، جو اُس کا دین ہے ۔۔۔ اور اس کا بدلہ کل قیامت کو ملے گا،

والکل فی القراٰن والسنن التی ۔۔۔ جاءت عن المبعوث بالقراٰن
اور یہ سارے علوم قرآن اور اُس سُنّت میں ہیں؛ ۔۔۔ جو اس سے ثابت ہے جسے قرآن دے کر بھیجا گیا

واللّٰه ما قال امرؤ متحذلق ۔۔۔ بسواهما الا من الهذیان
خدا کی قسم کسی بھی بیوقوف نے ان کے سوا ۔۔۔ جو کچھ بھی کہا ہے وہ سب بکواس ہے

الثالثة أَنَّ الْحَلْفَ بِغَيْرِ اللهِ شِرْكٌ

③ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے۔

الرابعة أَنَّهُ إِذَا حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ صَادِقًا فَهُوَ أَكْبَرُ مِنَ الْيَمِينِ الْغَمُوسِ۔

④ غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھانا، اللہ کی جھوٹی قسم کھانے سے بھی بدترین فعل ہے۔

الخامسة أَلْفَرْقُ بَيْنَ الْوَاوِ وَثُمَّ فِي اللَّفْظِ۔

⑤ ”واؤ“ اور ”ثمّ“ کے الفاظ سے عطف میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

باب

ما جاء

فيمن لم يقنع بالحلف بالله

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہیں کھانی چاہیئے اور قسم لینے والے کا فرض ہے کہ قسم کے بعد اپنے مخالف سے متعلق حسن ظن رکھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَحْلِفُوا بِاٰبَآئِكُمْ مَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللهِ فَلْيُصَدِّقْ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں نہ کھاؤ۔ جس کیلئے اللہ کی قسم کھائی جائے وہ سچ سمجھے

قولہٗ : لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَآئِكُمْ

غیر اللہ کے نام کی قسم اُٹھانے کی نفی اور تردید کے بارے میں گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔

قولہٗ : مَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللهِ فَلْيُصَدِّقْ

سچی بات ایک ایسا عمل ہے جو اللہ کریم نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے اور قرآنِ کریم میں اِس عمل کی خصوصی طور پر ترغیب دی ہے، فرمایا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ○ (توبة - ۱۱۹)
اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ (الاحزاب - ۳۵)
راست باز مرد اور عورتیں۔

فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ○ (محمد - ۲۱)
اگر یہ لوگ اللہ تعالےٰ سے سچے رہتے تو اُن کے لیے بہت ہی بہتر تھا۔

متقی اور پرہیز گار افراد کی یہی علامتیں ہیں۔ ایسے ہی افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى
بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو اور اُس کے پیغمبروں

وَمَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللّٰهِ فَلْيَرْضَ، وَمَنْ لَّمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ۔ (رواہ ابن ماجۃ بسند حسن)

اور جس کے لیے اللہ کی قسم کھائی، اُسے راضی ہونا چاہیے اور جو راضی نہ ہو، وہ بندگانِ خدا میں سے نہیں ہے۔

اَلْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى	کہ دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور
وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ	یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر،
وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ	غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا	کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ	ہیں جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ	تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ	اور باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (البقرہ۔۱۷۷)	راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

قولہٗ : وَمَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللّٰهِ فَلْيَرْضَ وَمَنْ لَّمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ ـــــ شریعتِ اسلامیہ کی ہدایات اور احکام کی روشنی میں جب مدعا علیہ سے قسم اٹھوانے کی نوبت آجائے اور وہ اس سے قسم لے تو مدعی کو لازم ہے کہ اس کی قسم کا اعتبار کرے اور راضی ہو جائے۔

جب صُورتِ حال یہ ہو کہ ایک دُوسرے کے مُعاملات چل رہے ہوں تو مُسلمان کا مُسلمان پر حق ہے کہ اس کا عُذر قبول کرتے ہوئے یا تہمت و برائی سے اس کے اظہارِ برأت کے پیشِ نظر قسم کھانے والے کی قسم منظور کرے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کے ساتھ حُسنِ ظن رکھے جب تک کہ اُس کے خلاف کوئی بات واضح نہ ہو جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں بتایا گیا ہے۔

لَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ مُسْلِمٍ شَرًّا وَ اَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِي الْخَيْرِ مَحْمَلاً

یعنی مسلمان کی زبان سے جو بات نکلے، اُس سے شر کا مفہوم نہ لو جب تک کہ تم اِس سے خیر کا محل پاتے ہو۔

اِس حدیث میں تواضع، انکساری، اُلفت اور محبّت وغیرہ اوصاف پنہاں ہیں جو اللہ کریم کو انتہائی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ صاحبِ عقل و بصیرت شخص سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ ایسے اسباب اور اعمال ہیں جن کے انجام دینے سے لوگوں کے دِل اللہ تعالےٰ کی اطاعت پر جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ اوصاف جس خوش نصیب کے دِل میں ودیعت کر دیے جائیں وُہ حسنِ اخلاق کے اُس بلند ترین مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں یہ اوصاف سب سے وزنی ہوں گے۔ یہ مکارمِ اخلاق کی آخری کڑی ہیں جیسا کہ حدیث میں موجود ہے[1]۔

اے نفس کے خیر خواہ! اِن باتوں پر غور و فکر کر، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری صلاح و خیر خواہی کا باعث ہوں، جیسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری، ایسے کام کر، جن سے عام مسلمانوں میں خوشی اور مُسرّت پیدا ہو، ایسے امور سے اِجتناب کر، جن سے اپنی برتری اور دوسروں سے اِنقباض نمایاں ہو کیونکہ ان امور میں ایسا خطرناک پہلُو ہے جو نہ عقل میں آتا ہے اور نہ اِسے دِل ہی محسُوس کرتا ہے۔

اِس کی تفصیلات، کتبِ ادب وغیرہ میں درج ہیں، یہ موقع تفصیل میں جانے کا نہیں۔ تفصیلات دیکھنے کے لیے بڑی بڑی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

جس آدمی کو یہ چیز عطا کی گئی اور عمل کے قابل چیزوں پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی اور جن چیزوں کا چھوڑنا واجب ہے اُن کو چھوڑ دیا تو یہ چیزیں اُس کے دین اور عقل کے کمال کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ایک مسکین اور کمزور بندے کو توفیق دینے والا اور اُس کا مددگار ہے

---

[1] ترمذی میں ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما من شئ اثقل فی میزان المؤمن یوم القیٰمۃ من خلق حسن وان اللہ لیبغض الفاحش البذی" یعنی قیامت کے دن مومن کی میزان میں خلقِ حُسن سے زیادہ اور کوئی شے وزنی نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ بداخلاق، بدگو پر سخت غصّے کا اظہار کرتا ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلنَّهْیُ عَنِ الْحَلْفِ بِالْأٰبَاءِ

① والدین کی قسم اٹھانے کی ممانعت۔

الثانیۃ: أَلْأَمْرُ بِالْمَحْلُوْفِ لَهٗ بِاللّٰهِ أَنْ یَّرْضٰی۔

② جس شخص کے لیے اللہ کے نام کی قسم لی گئی اُسے قسم کے بعد راضی ہو ہونے کا حکم۔

الثالثۃ: وَعِیْدُ مَنْ لَّمْ یَرْضَ۔

③ جو شخص قسم لینے کے بعد بھی راضی نہ ہوا اُس کے لیے وعید۔

باب

قول

ماشاء اللہ وشئت

جو اللہ چاہے اور ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو آپ چاہیں'' کے الفاظ زبان سے نکالنا شرک ہے۔ زمانہ نبوت کے یہودی اور عیسائی بھی ان الفاظ کو شرک قرار دیتے تھے۔

عن قُتَیلَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ یَهُوْدِیًّا أَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ

حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا

قولہ : عَنْ قُتَیلَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

یہ صحابیہ انصاری مہاجرہ ہیں ، ان کے والد ماجد کا نام صیفی تھا۔ سنن نسائی میں ان سے روایت مروی ہے جو اسی باب میں درج ہے

حضرت عبداللہ بن یسار الجعفی اس جلیل القدر صحابیہ سے روایت نقل کرتے ہیں

زیر نظر حدیث سے پتا چلتا ہے کہ

- حق بات کہنے والا کوئی بھی ہو اسے تسلیم کر لینا چاہیے
- کعبہ کی قسم نہ اٹھانی چاہیے ، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہی وہ بیت اللہ ہے کہ حج اور عمرہ کرنے کے لیے جس کا قصد کرنا فرض ہے

اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی ممانعت عام ہے ، نہ کسی مقرب فرشتے کو ، نہ کسی نبی مرسل کو ، نہ بیت اللہ کو ، غرض یہ کہ کسی کو بھی اللہ کریم کے ساتھ شریک بنانا حرام ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل عوام بیت اللہ کی قسمیں اٹھانا اور اس سے ایسا سوال کرنا جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی پورا کر سکتا ہے جیسے قبیح عمل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہر عقل مند اور صاحب بصیرت شخص کے سامنے یہ مسئلہ واضح ہے کہ بیت اللہ نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کسی کو ادنیٰ سی مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اللہ کریم نے تو صرف اس کا طواف کرنا اور اس کے اندر عبادت کرنا جائز قرار دیا ہے اور اس کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبلہ مقرر فرمایا ہے بیت اللہ کا طواف کرنا جائز اور اس کے نام کی قسم اٹھانا اور اس سے دعاء و التجا کرنا حرام ٹھہرا دیا ہے۔

لہٰذا ہر عقل مند شخص کو ان امور میں جو بیت اللہ میں جائز اور بعض ممنوع ہیں ، فرق کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ساری دنیا مخالف اور دشمن ہو جائے۔

إِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ : تَقُوْلُوْنَ : مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ - وَ تَقُوْلُوْنَ وَ الْكَعْبَةِ

کہ تم لوگ بایں طور مرتکبِ شرک ہوتے ہو کہ کہتے ہو، جو اللہ چاہے اور تم چاہو' نیز کہتے ہو کعبہ کی قسم۔

قولہ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُوْلُوْنَ : مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ

انسان کتنی بھی تدبیریں سوچے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ارادہ، اللہ کریم کے ارادے کے تحت اور تابع ہے انسان کو اپنے ارادے کے انجام دینے کی قطعاً قدرت نہیں ہے جب تک کہ اللہ کریم نہ چاہے اور وُہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ جیسے فرمایا۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (التکویر۔ ۲۹)

اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ ربّ العالمین نہ چاہے

ایک دُوسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (الدھر۔ ۲۹، ۳۰)

یہ ایک نصیحت ہے اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے یقیناً اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔

ان آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ﷺ سے قدریہ اور معتزلہ کی تردید ہوتی ہے یہ دونوں فرقے تقدیرِ الٰہی کے منکر ہیں۔ ان گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے خلاف انسان کام کر سکتا ہے۔

فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ وَأَنْ يَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ۔ (رواہ النسائی وصحّحہ)

پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وہ قسم کھانا چاہیں تو (کعبہ کی قسم نہ کہیں بلکہ) ربِّ کعبہ کی قسم کہیں اور یہ کہیں کہ جو اللہ چاہے اور پھر تُو چاہے۔

ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید آئندہ صفحات "باب ما جاء فی منکری القدر" میں تفصیل سے آرہی ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ فرقے امّت محمّدیہ کے مجوسی ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا وہی عقیدہ اور موقف ہے جسے قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔وُہ یہ ہے کہ شریعت کے مخالف اور موافق اعمال و اقوال میں انسان کے تمام ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں۔انسان کے وُہ ارادے جو شریعت مطہرّہ کے موافق ہیں اللہ کریم ان سے راضی اور خوش ہوتا ہے اور وُہ عزائم جو شریعتِ اسلامیہ سے متصادم ہیں ان کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر ۔۷)	اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔لیکن وُہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

زیرِ نظر حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کعبہ کی قسم اُٹھانا شرک ہے کیونکہ آنے والے یہودی نے یہی کہا تھا کہ اِنَّكُمْ تُشْرِكُوْنَ اور اس پر آپ نے انکار نہیں کیا۔

و لہ ایضاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ۔ فَقَالَ أَجَعَلْتَنِىْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔

نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، کیا تُو نے مجھ کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ صرف یہ کہا کرو کہ جو اللہ تنہا چاہے۔

قولہ: وَلَهٗ اَيْضًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی گزشتہ حدیث کی تائید کرتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم اُٹھانا اور مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ کہنا شرک ہے۔

قولہ: اَجَعَلْتَنِىْ لِلّٰهِ نِدًّا:
اس جملہ میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو شخص کسی بندے کو اللہ کریم کے برابر قرار دے اگرچہ یہ برابری شرک اصغر میں ہی کیوں نہ ہو گویا اس نے اس کو اللہ تعالیٰ کا ندِ اور مثیل قرار دیا۔ خواہ یہ شخص مانے یا انکار کرے۔

اس سلسلے میں کم عقل اور جاہل لوگوں کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جن کا کہنا ہے کہ جب تک ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کریں اور شرکِ اکبر و شرکِ اصغر میں سے کسی منہی عنہ کا ارتکاب نہ کریں، اس وقت تک ہم مشرک نہ ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ

ولابن ماجة عن الطفيل اخی عائشة رضی اللہ عنہا لامّها قال : رَأَيْتُ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ كَأَنِّي أَتَيْتُ عَلَى نَفَرٍ مِّنَ الْيَهُودِ فَقُلْتُ : إِنَّكُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ - قَالُوا وَ إِنَّكُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ مَاشَاءَ اللهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ -

ابنِ ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مادر زاد بھائی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس پہنچا، میں نے کہا تم بہتر لوگ ہو اگر حضرت عُزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی بہتر لوگ ہو اگر یہ نہ کہو کہ "جو اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں"

قولہ : عَنِ الطُّفَيْلِ أَخِي عَائِشَةَ لِأُمِّهَا

طفیل بن عبداللہ بن سنجرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول تھے' والدہ کی طرف سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ ابن ماجہ میں ان سے یہی حدیث مروی ہے' جس کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

پیشِ نظر حدیث میں جس خواب کا تذکرہ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ سچا خواب تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تاکید بھی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں

مَا شَآءَ اللهُ وَ	جو اللہ چاہے اور
شَآءَ مُحَمَّدٌ	جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں

ثُمَّ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ مِّنَ النَّصَارٰی فَقُلْتُ إِنَّکُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا أَنَّکُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ۔ قَالُوْا وَ إِنَّکُمْ لَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا أَنَّکُمْ تَقُوْلُوْنَ۔ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ۔

فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَخْبَرْتُ بِهَا مَنْ أَخْبَرْتُ ثُمَّ أَتَیْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهٗ قَالَ هَلْ أَخْبَرْتَ بِهَا أَحَدًا؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ أَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ۔

پھر عیسائیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا، مَیں نے کہا تم بہت اچھے لوگ ہو اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے کہا کہ تم بھی اچھے لوگ ہو، اگر "جو اللہ اور محمدؐ چاہے" کے الفاظ نہ کہو۔

صبح ہوئی تو مَیں نے یہ بات کچھ لوگوں کو بتائی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ سے بھی یہ بات عرض کی۔ فرمایا کسی اور کو بھی بتایا؟ عرض کی جی ہاں! (آپؐ منبر پر کھڑے ہوئے) اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا۔

کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ

مَا شَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ — جو اکیلا اللہ چاہے کہا کرو۔

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ طُفَيْلًا رَأَى رُؤْيَا أَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَ مِنْكُمْ وَإِنَّكُمْ قُلْتُمْ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا فَلَا تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ۔

اما بعد! طفیل (رضی اللہ عنہ) نے ایک خواب دیکھا ہے جو تم میں سے بعض کو بتا بھی دیا ہے، تم ایک ایسا جملہ بولتے تھے کہ میں اس سے تم کو روکنے میں شرم محسوس کرتا تھا۔ تم آئندہ "جو اللہ اور محمدؐ چاہے" نہ کہا کرو، بلکہ کہا کرو "جو اکیلا اللہ چاہے"۔

اس میں شک نہیں کہ اس حدیث میں جس عمل پر عمل کرنے کو کہا گیا ہے وُہ اخلاص کا مکمل اور اعلیٰ ترین مقام ہے اور شرک سے بہت دُور ہے۔ کیونکہ اس میں اس توحید کی صراحت ہے جو تندید کے ہر پہلو کی نفی کرتی ہے۔ لہٰذا ہر عقل مند اور صاحب بصیرت شخص توحید اور اخلاص کے اعلیٰ مقام کو ہی اپنے لیے پسند کرے گا۔

قولہ: كَانَ يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا: روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَنَّهُ يَمْنَعُهُ الْحَيَاءُ مِنْهُمْ کہ مجھے اس سے حیا مانع تھا۔

طفیل رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی خواب سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس مذکورہ حدیث میں مذکور الفاظ کہنے کو سختی سے منع فرمایا اور دینِ اسلام کے مکمل ہونے تک اس مسئلہ کو بار بار ذہن نشین کرواتے رہے اور اس کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: مَعْرِفَةُ الْيَهُوْدِ بِالشِّرْكِ الْأَصْغَرِ

① شرکِ اصغر سے یہودیوں کا آگاہ ہونا۔

الثانیۃ: فَهْمُ الْإِنْسَانِ إِذَا كَانَ لَهُ هَوًى

② خواہشات کے دباؤ کے وقت انسان کا شرک سے متعلق خوب آگاہ ہونا

صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

طفیل رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی جھلک پائی جاتی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ

اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ

اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

شارح کتاب امام الموحدین علامہ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواب اگرچہ نیند ہی کی حالت میں دیکھا جاتا ہے لیکن یہ وحی کے درجہ میں آتا ہے۔ نبی کے خواب سے امر و نہی کے بارے میں وہی احکام مرتب ہوں گے جو براہِ راست وحی کے نزول سے ثابت ہوں

واللہ اعلم بالصواب

الثالثة قَوْلُهُ ﷺ أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا۔ فَكَيْفَ بِمَنْ قَالَ ؎

مَالِيْ مَنْ أَلُوْذُ بِهٖ سِوَاكَ

وَ الْبَيْتَيْنِ بَعْدَهٗ۔

③ رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے اور اُس شخص کے شرک میں کون سی کسر باقی رہ گئی ہے جس نے یہ اشعار لکھ دیئے کہ مَالِیْ مَنْ أَلُوْذُ بِهٖ الخ

الرابعة أَنَّ هٰذَا لَيْسَ مِنَ الشِّرْكِ الْأَكْبَرِ لِقَوْلِهٖ: "يَمْنَعُنِيْ كَذَا وَكَذَا"۔

④ مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ کہنا شرکِ اصغر ہے نہ کہ شرک اکبر۔ اس کے شرکِ اصغر ہونے کی دلیل آپؐ کا یہ ارشاد ہے کہ یمنعنی کذا وکذا

الخامسة أَنَّ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةَ مِنْ أَقْسَامِ الْوَحْيِ۔

⑤ اچھا خواب وحی کی اقسام میں سے ہے۔

السادسة أَنَّهَا قَدْ تَكُوْنُ سَبَبًا لِشَرْعِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ۔

⑥ اچھا خواب بعض اوقات کسی حکم کی وضاحت اور تشریح کیلئے دکھائی دیتا ہے۔

باب
من
سب الدھر فقد اٰذی اللّٰہ
اس باب میں اس اہم بات کی
وضاحت کی گئی ہے کہ زمانے
کو گالی دینا اللّٰہ تعالیٰ کو ایذا رسانی
کے مترادف ہے

وقول اللہ تعالیٰ وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ○ (الجاثیۃ : ۲۴)

اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دُنیا ہی کی ہے کہ یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں، صرف گمان سے کام لیتے ہیں۔

قولہٗ : وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا

اِس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ دہریہ اور کفار اور ان کے ہمنوا مشرکین عرب کے قیامت کے انکار کے بارے فرماتے ہیں کہ وہ دینوی زندگی کو ہی اصل قرار دیتے ہیں جس میں ایک کے بعد دوسری قوم آتی اور اپنی زندگی گزار کر چلی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک دوبارہ اٹھائے جانے اور قیامت کے برپا ہونے کا کوئی معقول جواز نہیں ہے یہ تھا مشرکین عرب کا عقیدہ جو معاد کے منکر تھے اور فلاسفہ الٰہیین کا بھی یہی عقیدہ ہے جو نہ تو ابتدائے آفرینش کے قائل ہیں اور نہ قیامت کو مانتے ہیں۔ نیز فلاسفہ دہریہ یا فلاسفہ دوریہ کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ لوگ صانع حقیقی کے منکر ہیں۔ مزید برآں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد دوبارہ ہر چیز اپنی پہلی شکل و صورت میں آجاتی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے اور رہے گا۔

پس ان لوگوں نے ہر معقول بات اور منقول دلائل کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ وَ مَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ

صحیح (بخاری) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ

وفی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ

یَسُبُّ الدَّھْرَ وَ اَنَا الدَّھْرُ اُقَلِّبُ

اللَّیْلَ وَ النَّھَارَ۔

صحیح (بخاری) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

ابنِ آدم زمانہ کو گالی دے کر مجھے تکلیف دیتا ہے کیونکہ مَیں ہی زمانہ ہوں دِن اور رات میں تبدیلی مَیں ہی کرتا ہُوں۔

وَمَا لَھُمْ بِذٰلِكَ مِنْ	ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں وہ صرف
عِلْمٍ اِنْ ھُمْ اِلَّا	ایک گمان رکھتے ہیں۔
یَظُنُّوْنَ ○	

ان مشرکین کی یہ اپنی خیالی باتیں ہیں، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

صحیحین، ابوداؤد اور نسائی کی وہ روایت جو سفیان بن عیینہ، عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا، اللہ کہتا ہے کہ

یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ	ابنِ آدم زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف
یَسُبُّ الدَّھْرَ وَاَنَا	دیتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں میرے
الدَّھْرُ بِیَدِیَ الْاَمْرُ	ہی ہاتھ میں تمام امور کی باگ ڈور ہے،
اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَ النَّھَارَ	دن اور رات میں تبدیلی میرا کام ہے،
وَفِیْ رِوَایَۃٍ	ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ
لَا تَسُبُّوا الدَّھْرَ فَاِنِّیْ	زمانے کو گالی نہ دیا کرو کیونکہ میں ہی
اَنَا الدَّھْرُ	زمانہ ہوں۔

وفی روایة — ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

لَا یَقُلِ ابْنُ اٰدَمَ، — ابن آدم کو یہ بات نہ کہنی چاہیے کہ

یَا خَیْبَةَ الدَّھْرِ — اے زمانے! تیرا ستیاناس ہو،

فَاِنِّیْ اَنَا الدَّھْرُ اُرْسِلُ — کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ دن رات

اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ فَاِذَا — کو میں ہی بھیجتا ہوں، میں جب چاہونگا

شِئْتُ قَبَضْتُھُمَا — ان کو ختم کر دوں گا۔

اس حدیث کے متعلق امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کو مختلف طرق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔

مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ زمانے کی مذمت کیا کرتے تھے۔ جب بھی اُن پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہو جاتی تو زمانے کو گالی دینا شروع کر دیتے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ان مصائب و مشکلات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہم کو زمانے کے نشیب و فراز نے تباہ کر دیا ہے، تو نتیجۃً ان کی گالیوں کا براہِ راست ہدف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہوتی۔ کیونکہ حقیقی طور پر وہ تمام اُمور جو مشرک سرانجام دیتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا زمانے کو گالیاں دینے سے روک دیا گیا۔"

ابن جریر رحمہ اللہ نے انتہائی کمزور سیاق سے اسی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ

کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّةِ یَقُوْلُوْنَ: — اہلِ جاہلیت یہ کہا کرتے تھے کہ

اِنَّمَا یُھْلِکُنَا اللَّیْلُ — دن اور رات ہی ہمیں تباہ و برباد

وَالنَّھَارُ وَھُوَ الَّذِیْ — کرتے ہیں، ہمیں موت و حیات زمانہ

یُھْلِکُنَا وَیُمِیْتُنَا وَیُحْیِیْنَا — ہی دیتا ہے۔ ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ

فَقَالَ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ — نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا — یہ کہتے ہیں ہماری صرف یہ دنیا ہی کی

الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا — زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے

وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ — ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

وَیَسُبُّوْنَ الدَّهْرَ فَقَالَ — یہ لوگ زمانے کو گالی دیتے ہیں چنانچہ

اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یُؤْذِیْنِیْ — اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ابن آدم زمانے

اِبْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ — کو گالی دے کر مجھے تکلیف دیتا ہے،

وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِیَ الْاَمْرُ — کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ تمام اُمور کی

اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ — زمام میرے ہی قبضے میں ہے۔ دن

اور رات میں تبدیلی میں ہی کرتا ہوں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ نے بھی اسی طرح اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔ ابن ابی حاتم کی سند

عن احمد بن منصور، عن سریج بن النعمان، عن ابن عیینۃ ہے۔

ایک دوسری سند یہ ہے کہ عن یونس، عن ابن وہب، عن الزہری، عن ابی سلمۃ، عن ابی ہریرہ

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ. یَقُوْلُ — کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُ تَعَالٰی یَسُبُّ ابْنُ — کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اٰدَمَ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ — نے فرمایا کہ ابن آدم زمانے کو گالی دیتا

بِیَدِیَ اللَّیْلُ وَ النَّهَارُ — ہے اور میں ہی زمانہ ہوں، دن اور رات

میرے ہی قبضے میں ہیں۔

اس حدیث کو صاحب الصحیح اور نسائی نے یونس بن یزید کے واسطے سے بھی روایت

کیا ہے۔

محمد بن اسحاق، عن علاء بن عبدالرحمن، عن ابیہ، عن ابی ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ — اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے اپنے

اِسْتَقْرَضْتُ عَبْدِیْ فَلَمْ بندے سے قرض طلب کیا اور اُس
یُعْطِنِیْ وَیَسُبُّنِیْ عَبْدِیْ نے مجھے نہیں دیا اور الٹا مجھے یوں گالی
یَقُوْلُ ، دی کہ
وَادَھْرَاہ ، وَاَنَا الدَّھْرُ ہائے زمانہ! کیونکہ میں ہی حقیقت میں
زمانہ ہوں۔

رسول کریم ﷺ کے ارشادِ گرامی لَا تَسُبُّوا الدَّھْرَ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَالدَّھْرُ کی تشریح میں امام شافعی رحمہ اللہ، ابو عبید رحمہ اللہ اور دوسرے کئی ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ

دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب پر کوئی مصیبت یا آفت آتی اور وہ کسی مشکل میں پھنس جاتے تو کہتے ہیں کہ یا خَیْبَۃَ الدَّھْرِ اس طرح وہ لوگ ان مصائب و مشکلات کو زمانے کی طرف نسبت کرتے اور زمانے کو گالی دیتے۔

چونکہ حقیقت میں تمام اُمور کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے لہذا ان مشرکین کی گالی براہِ راست اللہ تعالیٰ کو پہنچتی ہے اسی وجہ سے زمانے کو گالی دینے سے روکا گیا ہے کہ مشرکین عرب مصائب و مشکلات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے تھے اور غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ درحقیقت یہ لوگ زمانے کو نہیں بلکہ بالواسطہ اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے تھے۔

رسُولِ اکرم ﷺ کے زیرِ نظر ارشاد کی جس قدر تشریحات کی گئی ہیں اُن سب میں یہ تشریح احسن اور بہتر ہے۔ واللہ اعلم

ابن حزم رحمہ اللہ اور ان کے ہمنوا علمائے ظاہریہ نے اسی حدیث کو سامنے رکھ کر الدہر کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں شمار کیا ہے ان کا یہ قیاس اور اجتہاد درست نہیں ہے۔

الدہر کے معنیٰ کی خود اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ

اُقَلِّبُ اللَّیْلَ رات اور دن کو میں ہی بدل بدل کر لاتا
وَالنَّھَارَ ہوں۔

زمانے میں انقلاب و تغیر صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، ان میں بعض تغیرات کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں اور بعض کو ناگوار قرار دیتے ہیں۔ اس حدیث میں کچھ الفاظ زیادہ بھی مروی ہیں لیکن مصنف رحمہ اللہ نے ان کو نقل نہیں فرمایا۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

بِیَدِیْ تمام اُمور کی باگ ڈور میرے ہی ہاتھ
الْاَمْرُ میں ہے۔

وفي رواية: "لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ"۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے"

قولہ: وفي رواية: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ،

اس حدیث کے معنی گزشتہ حدیث کی تشریح میں واضح ہو چکے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ

وَاَنَا الدَّهْرُ اُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ — میں ہی زمانہ ہوں۔ رات اور دن میں تبدیلی کرنا میرا ہی کام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زمانے میں خیر و شر کا وقوع ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اُس کے علم میں ہے اور اس کی حکمتوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ جس میں کسی غیر اللہ کی قطعی طور سے شرکت نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

لہٰذا دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس سے حسنِ ظن رکھنا چاہیے اور انتہائی درماندگی اور بے بسی کی حالت میں اس کی رحمت کی اُمید ہونی چاہیے اور اسی سے توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الاعراف - ۱۶۸) — اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے اُن کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں

ایک مقام پر ارشادِ باری ہے کہ

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (الانبیاء - ۳۵) — اور ہم اچھے اور بُرے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے

فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا، یہ اکثر لوگوں کی زبان سے سنا گیا ہے اور جیسے شعراء ابن معتز اور متنبی وغیرہ کے اشعار میں بھی اس کی کثرت ہے۔

لیکن بعض سن و سال کو شدت سے تعبیر کرنا اس میں داخل نہیں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ سورۂ یوسف میں فرماتا ہے کہ

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ
پھر اس کے بعد سات سال قحط سالی کے آئیں گے۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ

ان اللیالی من الزمان مهولة نطوی وتنشر بينها الاعمار
راتیں زمانے کو ہولناک بنا دیتی ہیں، ان میں عمریں لپیٹی اور پھیلائی جاتی ہیں۔

فقصارهن مع الهموم طويلة وطوالهن مع السرور قصار
چھوٹی راتیں غموں کے ساتھ لمبی ہو جاتی ہیں،
اور لمبی راتیں خوشی کے ساتھ چھوٹی ہو جاتی ہیں۔

ابو تمام کہتا ہے کہ

اعوام وصل کاد ینسی طیبها ذکر النوی فکانها ایام
وصل کے سال اس درجہ پُر مسرّت ہیں کہ قریب ہے ان کی خوشی موت کے تذکرہ

ثم انبرت ايام هجر اعقبت نحوی أسی فکانها أعوام
کو بھی بھلا دے گویا کہ وہ دن ہیں۔ پھر ان کے پیچھے ہجر کے دن ظاہر ہوئے اور انہوں

ثم انقضت تلك السنون واهلها فكانها وكأنهم أحلام
نے مجھے غم میں مبتلا کر دیا گویا کہ وہ سال ہیں، پھر وہ سال، ان میں رہنے والے سب
رخصت ہو گئے اور یوں محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ سال اور وہ لوگ ایک خواب تھے

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَلنَّهْيُ عَنْ سَبِّ الدَّهْرِ

① زمانے کو گالی دینے سے روکنا۔

الثانیۃ تَسْمِيَتُهٗ اٰذٰى اللهَ -

② زمانہ کو گالی دینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔

الثالثۃ أَلتَّأَمُّلُ فِيْ قَوْلِهٖ "فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ"۔

③ لفظ ان اللہ ھو الدھر پر غور و فکر کرنا۔

الرابعۃ أَنَّهٗ قَدْ يَكُوْنُ سَابًّا وَ لَوْ لَمْ يَقْصِدْهُ بِقَلْبِهٖ۔

④ زمانے کو بُرا کہنا بعض اوقات گالی ہی ہوتا ہے اگرچہ اِنسان کے دِل میں گالی دینا مقصود نہ ہو۔

باب

التّسمّی بقاضی القضاۃ ونحوہٖ

مصنف رحمہ اللہ نے کسی کو "قاضی القضاۃ" کہنے کی ممانعت کے سلسلے میں یہ عنوان تجویز کیا ہے آئندہ سطور میں آنے والی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خالق حقیقی سے مشابہت پائی جاتی ہے

وفی الصحیح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ: "إِنَّ أَخْنَعَ إِسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمّٰى "مَلِكَ الْأَمْلَاكِ". لَا مَالِكَ إِلَّا اللهُ".

صحیح (بخاری) میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ حقیر شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی شہنشاہ نہیں ہے۔

قولہ: اِنَّ اَخْنَعَ اِسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ:

مَلِكُ الْاَمْلَاكِ کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بولا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے بڑا اور عظیم کوئی بادشاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ مالک الملک ذوالجلال والاکرام ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور وہ بھی عارضی طور پر اور جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے کہ وہ اقتدار کو ایک سے چھین کر دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ ثابت ہوا کہ دنیا کی سلطنت عارضی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ البتہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کی بادشاہت کامل اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ اس کو کبھی ختم ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں انصاف ہے۔ وہ اس کی وجہ سے کسی کو بلند کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی تفصیلات کو اپنے علم اور اپنے فرشتوں یعنی کراماً کاتبین کے ذریعہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان ہی اعمال کے مطابق انسان کو بدلہ ملے گا، اگر اچھے کام کیے تو اجر ملے گا، ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ	اے اللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لیے
وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ	ہیں اور ساری کائنات کی بادشاہت

قَالَ سُفْيَانُ رحمه الله: "مِثْلَ شَاهَانِ شَاهْ"۔
وفي رواية: أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ أَخْبَثُهُ۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں جیسے شاہان شاہ۔
ایک روایت میں "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب اور خبیث" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

وَبِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهُ، وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ، أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ	تیری ہی ہے ہمہ قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تمام امور کی باگ ڈور تیرے ہی قبضے میں ہے۔ اے اللہ! میں تمام بھلائیاں تجھی سے مانگتا ہوں اور ہر قسم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

قولہ: قَالَ سُفْيَانُ:
حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ مراد ہیں۔

شاہنشاہ اور ملک الاملاک دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے ملک الاملاک کو لغت عجم میں استعمال کرکے بتایا ہے۔

قولہ: أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ:
یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی مغضوب علیہ شخص۔

قولہ: وَأَخْبَثُهُ:
یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی خبیث النفس انسان۔

پس ایسے شخص کے بارے میں یہ دو امور بیک وقت جمع ہونے کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ اُس نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور دوسری وجہ یہ کہ لوگ اس کلمہ کی وجہ سے اسے

قولہ: "أَخْنَعَ" یَعْنِيْ أَوْضَعَ۔

أخنع کے معنیٰ سب سے زیادہ ذلیل وخوار۔

بڑا سمجھیں چنانچہ یہ دونوں وصف ایسے ہیں جن کا یہ اہل نہ تھا۔ نتیجۃً یہ شخص تمام مخلوقِ خدا سے زیادہ خبیث اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغضوب علیہ اور حقیر ترین بن گیا اور خبیث اور مبغوض شخص قیامت کے دن تمام مخلوق سے زیادہ حقیر اور ذلیل متصوّر ہوگا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کی بنا پر مخلوقِ خدا کے سامنے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتا رہا۔

قولہ: أخنع:

اس کے معنی ہیں اوضع یعنی ذلیل۔ یہی اخنع کے معنی ہیں اس کا وہی ترجمہ ہے جو اغیظ کا ہے کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔

زیرِ بحث حدیث میں ہر اس امر سے ڈرایا گیا ہے جس میں اپنے آپ کو بڑا بنانے کا اظہار کیا گیا ہو۔ اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں ابن ابی مجلز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن زبیر اور ابن عامر کے ہاں تشریف لائے تو حضرت ابن عامر نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ لیکن ابن زبیر بدستور بیٹھے رہے۔ یہ دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عامر سے کہا کہ آپ بھی بیٹھ جائیں کیونکہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ	جو شخص یہ چاہے کہ دوسرے لوگ
الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ	اس کے لیے کھڑے ہوں تو اس کو
مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ	اپنا ٹھکانا جہنم قرار دے لینا چاہیے۔

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے ہم آپؐ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: اَلنَّهْيُ عَنِ التَّسَمِّيْ بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ۔

① کسی کو ملك الاملاك کے نام سے موسوم کرنے کی ممانعت۔

لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (ابو داود)	عجمیوں کی طرح کسی کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوا کرو جس سے ایک دوسرے کی عظمت ہوتی ہو۔

قولہ: اَغْيَظُ رَجُلٍ ،

یہ صفت ان صفات سے ہے جن کو جوں کا توں سمجھنا ضروری ہے۔ اسی طرح کتاب و سنت میں جو صفات مذکورہ ہیں ان کا اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو لائق ہے ہم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو بلا تمثیل و تنزیہہ اور بلا تعطیل ثابت مانتے ہیں۔ اہلِ سنت، صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد تمام اسلامی فرقوں کا یہی مسلک اور مذہب ہے۔

اور وہ اختلاف جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے یہ تیسری صدی ہجری کے آخری دور کی پیداوار ہے اور اسی تفرق اور اختلاف کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ صراطِ مستقیم سے ہٹ گئی ہے۔

یہ بات ہر اس شخص کو معلوم ہے جو تاریخ پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔ واللہ المستعان

الثانیۃ اَنَّ مَا فِیْ مَعْنَاہُ مِثْلُہٗ کَمَا قَالَ سُفْیَانُ

② ہر وہ لفظ یا جملہ جس سے مَلِکُ الْاَمْلَاک کے معنیٰ ظاہر ہوں، اسکی ممانعت، جیسے سُفیان رضی اللہ عنہ نے مثال دے کر سمجھایا۔

الثالثۃ أَلتَّفَطُّنُ لِلتَّغْلِيْظِ فِيْ هٰذَا وَ نَحْوِهٖ مَعَ الْقَطْعِ بِأَنَّ الْقَلْبَ لَمْ يَقْصُدْ مَعْنَاهُ۔

③ اِس باب میں اور دُوسرے تمام مقامات پر، جہاں اِس قسم کی شدّت اختیار کی گئی ہے، اِس پر ٹھنڈے دِل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ دِلی کیفیت اِس کے مفہوم ومعنیٰ کی متحمل نہ بھی ہو پھر بھی اِس قسم کے القاب و اسما کا استعمال ممنوع ہے۔

الرابعۃ أَلتَّفَطُّنُ أَنَّ هٰذَا لِأَجْلِ اللهِ تَعَالٰى سُبْحَانَهٗ۔

④ اِس بات کو بھی خُوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس نوعیت کی تمام شدتیں صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت ہی کی وجہ سے اختیار کی گئی ہیں۔

باب

احترام اسماء اللہ تعالیٰ

اس باب میں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تعظیم کی جائے اور اسی بنیاد پر مشرکانہ ناموں کو بدل ڈالنا ضروری ہے۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی کُنیت ابوالحکم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا صرف اللہ ہی حکم ہے اور حُکم اُسی کا ہے۔

قولہ عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ رضی اللہ عنہ

صاحب خلاصۃ التذہیب کے قول کے مطابق ابوشریح الخزاعی کا نام خویلد بن عمرو تھا۔ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔ ان سے بیس احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم ان کی دو حدیث کی روایت پر متفق اور ایک حدیث میں امام بخاری منفرد ہیں۔

ابوسعید المقبری اور نافع بن جبیر کے علاوہ ایک جماعت نے ابوشریح سے روایت کی ہے۔ ابن سعد کی تصریح کے مطابق ابوشریح ۶۸ھ ہجری مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوشریح کا نام ہانی بن یزید الکندی تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں ان کا نام حارث الضبابی تھا مزیؒ نے یہی لکھا ہے۔

قولہ اَنَّهٗ كَانَ يُكَنّٰى اَبَا الْحَكَمِ :

کنیت وہ ہوتی ہے جو اَب یا اُم وغیرہ کے الفاظ سے شروع ہو جیسے ابالحکم۔ ام سلمہ وغیرہ۔ اور جو اس طرح نہ ہو اُسے لقب کہتے ہیں۔ جیسے زین العابدین وغیرہ لقب مدح یا ذم پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ اِنَّ اللهَ هُوَ الْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ :

دنیا اور آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما کر فیصلہ کرتا ہے جو اس نے اپنے تمام انبیاء و رُسل پر نازل فرمائی۔

ان فیصلوں کو سمجھنا اُمتِ محمدیہ کے اہل علم اور اصحابِ بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے آسان فرمایا کیونکہ بحیثیت مجموعی اُمتِ محمدیہ گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ بعض مسائل میں اگرچہ علمائے اُمت مختلف رجحانات رکھتے ہیں لیکن ان میں کسی ایک کا حق پر ہونا لازمی اور ضروری ہے لہٰذا جس خوش نصیب کو اللہ تعالےٰ

نے قوتِ فہم اور صحیح بات کو سمجھنے اور پرکھنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے اُس کے لیے حق بات کو پالینا کوئی مشکل کام نہیں اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اُس کی خاص توفیق سے ہی ممکن ہے اور یہ اللہ کریم کا خاص عطیہ اور اُس کا فضل ہے۔

ہم سب اللہ کریم سے اس عظیم عطیہ اور فضل کی بھیک مانگتے ہیں۔

قولہٗ وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ :

دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہو گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ (الشوریٰ ۔ ۱۰)	تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو۔ اس کا فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○ (النساء ۔ ۵۹)	اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے

لہٰذا متنازعہ فیہ مسائل میں اللہ تعالیٰ ہی کو حکم ماننا چاہیے۔ اس کی واحد صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور یا پھر اپنے جھگڑے کو رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی خدمت میں جا کر فیصلہ کروایا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔

اور اب آپ کی غیر موجودگی میں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی سُنّت اور احادیث کو مشعلِ راہ بنایا جائے اور اس کے مطابق اپنے اختلاف کو ختم کیا جائے۔

رسولِ کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت پوچھا کہ اے معاذ رضی اللہ عنہ!

بِمَ تَحْكُمُ ؟ فیصلہ کیسے کیا کرو گے ؟

قَالَ :	معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ
بِكِتَابِ اللهِ	کی کتاب قرآن کریم کے مطابق
قَالَ :	آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو قرآن کریم میں
فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ ؟	اس کا حل معلوم نہ ہو تو؟ معاذ نے عرض
قَالَ : بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ	کی پھر رسول اللہ ﷺ کی سُنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔
قَالَ :	آپ نے پھر سوال کیا کہ اگر سُنت میں
فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ ؟	بھی اس کا حل تمہاری نظر سے اوجھل ہو تو؟
قَالَ	معاذ بولے پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد
أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ	کروں گا۔
فَقَالَ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ	رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو
وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ	کر فرمایا سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے
إِلٰى مَا يُرْضِيْ رَسُوْلَ اللهِ	جس نے اپنے رسول ﷺ کے ایلچی کو وہ بات سمجھا دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاذ کو احکام شریعت سمجھنے، حلال و حرام میں فرق کرنے اور کتاب و سنت کے احکام سمجھنے میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے عرض کی تھی کہ اگر کتاب و سُنت میں کوئی واضح فیصلہ معلوم نہ ہوا تو پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔

لیکن آجکل احکام کتاب و سُنت سے ناواقف لوگ جس افراط و تفریط میں گھرے ہوئے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ کتاب و سُنت سے عدم واقفیت ہے وہ کتاب و سُنت سے جاہل ہونے کے باوجود اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

قیامت کے دن جب اللہ کریم اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے نزولِ اجلال فرمائے گا تو وہاں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوگی، وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ہر قسم کے اعمال سے آگاہ اور باخبر ہے وہاں انصاف

فَقَالَ إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَتَوْنِي فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ. فَقَالَ مَا أَحْسَنَ هٰذَا.

اُنھوں نے کہا میری قوم کے افراد جب کسی معاملے میں اِختلاف کرتے ہیں تو میرے پاس آجاتے ہیں، مَیں اُن کا فیصلہ کر دیتا ہوں جس پر دونوں فریق رضامند ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کیسی اچھی بات ہے۔

ہی انصاف ہوگا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ	اللہ تعالیٰ کسی پہ ذرہ برابر ظُلم نہیں کرتا۔
ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً	اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اُسے دو
يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ	چند کرتا ہے اور اپنی طرف سے بڑا اجر
اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (النساء - ۴۰)	عطا فرماتا ہے۔

قیامت کے دن فیصلہ بھلائی اور برائی کے درمیان ہوگا۔ ظالم کے ظلم کے مطابق اُس کی نیکیاں لے کر مظلوم کے حوالے کر دی جائیں گی اور اگر ظالم کے اعمال میں نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں اٹھا کر ظالم پر ڈال دی جائیں گی اور اس فیصلہ میں فریقین پہ ذرہ بھر زیادتی نہ ہوگی۔ بلکہ عدل وانصاف سے فیصلہ ہوگا۔

قَوْلُهٗ اِنَّ قَوْمِيْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِيْ شَيْءٍ:

ابوشریحؓ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قوم نے جب یہ دیکھا کہ ابوشریحؓ عدل وانصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور فریقین ان سے خوش ہوتے ہیں تو وہ اپنے اس وصف کی وجہ سے ہر شخص کے منظورِ نظر بن گئے۔ اسی کو صلح کہتے ہیں کیونکہ صلح کا دار و مدار ہی رضا پر ہے نہ کہ دوسرے پر بوجھ ڈالنے اور یہود و نصاریٰ کی طرح کہانت پہ اعتماد و انحصار کرنے پر۔

صلح کا دار و مدار اس پہ بھی نہیں کہ اہلِ جاہلیت کی طرح بڑوں کے اقوال کو مُستند سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ وہ کتاب وسُنّت کے خلاف اپنے اکابر اور اسلاف سے فیصلے کراتے تھے جیسے آجکل

فَمَالَكَ مِنَ الْوَلَدِ ؟ قَالَ شُرَيْحٌ وَ مُسْلِمٌ وَ عَبْدُ اللهِ : قَالَ فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ ؟ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ

فرمایا تیری اولاد کیا ہے؟ عرض کیا شریح، مسلم اور عبداللہ۔ فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح! فرمایا، تو ٹھیک ہے تم ابوشریح ہو۔

اہلِ طاغوت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو پسِ پشت ڈال کر اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں آجکل اُمتِ محمدیہ کی اکثریت اسی مرض میں مبتلا ہے۔

بعض مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے جس کی تقلید کرتے ہیں اس کے قول پر اعتماد کرتے ہیں اور صحیح مسلک یعنی کتاب وسنت کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

قولہ فَمَالَكَ مِنَ الْوَلَدِ :

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیت رکھنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے لڑکے کے نام سے کنیت رکھے۔

اس مسئلہ کی تائید میں محدثین کرام نے اور احادیث بھی نقل فرمائی ہیں۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: إِحْتِرَامُ أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَ صِفَاتِهٖ وَ لَوْ لَمْ يُقْصَدْ مَعْنَاهُ۔

① اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی عزّت و تکریم کرنی چاہیے اگرچہ استعمال کرتے وقت اس کا معنیٰ مقصود نہ ہو۔

الثانیۃ: تَغْيِيرُ الْإِسْمِ لِأَجْلِ ذٰلِكَ۔

② ربِّ کریم کے اسماء وصفات کی عزّت و تکریم کی وجہ سے نام تبدیل کر لینا۔

الثالثۃ: إِخْتِيَارُ أَكْبَرِ الْأَبْنَاءِ لِلْكُنْيَةِ

③ اپنی کنیت رکھتے وقت بڑے بیٹے کے نام کو اختیار کرنا ۔

باب
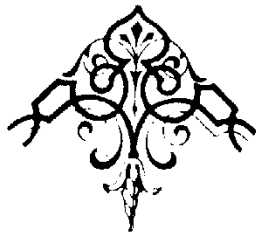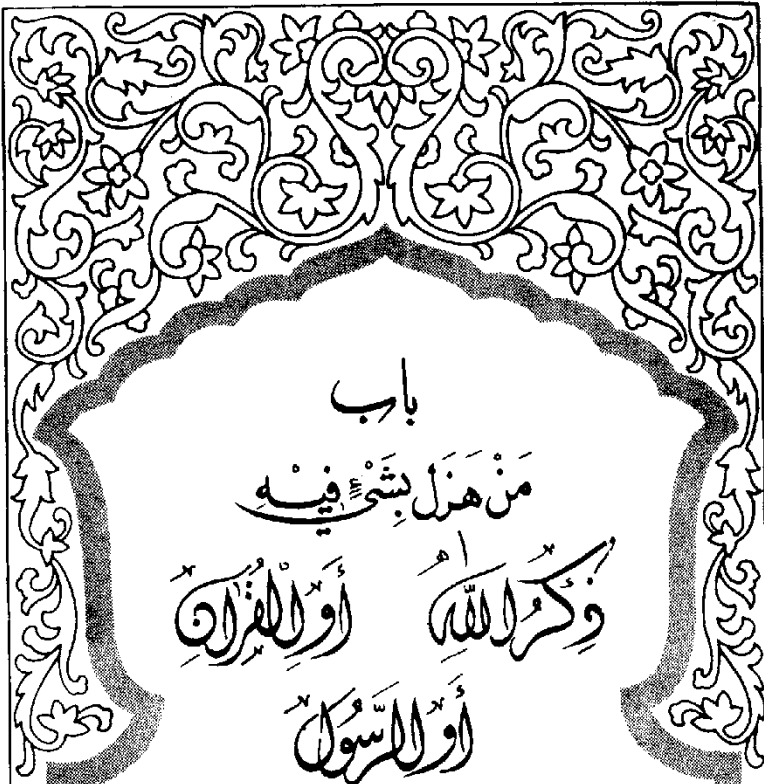
مَنْ هَزَلَ بِشَيْءٍ فِيهِ ذِكْرُ اللّٰهِ أَوِ الْقُرْآنِ أَوِ الرَّسُولِ

اس باب میں

یہ بیان کیا جائیگا کہ قرآن کریم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ایسی چیز کا مذاق اڑانا جس میں اللہ کریم کا ذکر ہے ایک کافرانہ فعل ہے

قول اللہ تعالیٰ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ (التوبة : ٦٥)

اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو "کیا تمھاری ہنسی، دل لگی اللہ، اس کی آیات اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ تھی"۔

قولہ: وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"ابو معشر مدنی نے محمد بن کعب قرظی وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ منافقین میں سے ایک شخص نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ

○ — ہمارے یہ قرا، پیٹ کے پجاری،

○ — زبان کے جھوٹے،

○ — اور میدانِ جنگ میں انتہائی بزدل ثابت ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس منافق کی اس غلط بات کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا، یہ منافق بھی آنحضرت کے پاس آیا۔ اس کی تیز رفتاری کے باعث کہ زمین کے چھوٹے چھوٹے پتھر اس کے قدموں سے الجھ رہے تھے ان کی پروا کیے بغیر وہ آپ کے پاس پہنچا اور آپ نے اس بے ہودہ بات کے متعلق سوال کیا تو اس منافق نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم تو آپس میں استہزا کر رہے تھے اور مذاق بازی ہو رہی تھی تاکہ سفر کی تکلیف محسوس نہ ہو آپ نے قرآن کریم کی تازہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی

أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ

اب عذرات نہ تراشو۔ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی

اِیۡمَانِکُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَۃٍ مِّنۡکُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَۃًۢ بِاَنَّھُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ۝ (التوبة - ٦٦)

دیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے۔

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ ہشام بن سعد عن زید بن اسلم عن عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سفر میں ایک مجلس میں ایک شخص نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

- ان قاریوں سے زیادہ پیٹ کا پجاری
- زبان کا جھوٹا
- اور میدانِ جنگ میں بزدل ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔

اس مجلس میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور تم منافق ہو۔ تمہاری یہ بات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابھی بیان کرتا ہوں۔ چنانچہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ کہہ سنایا اور اس کے جواب میں قرآن کی آیات بھی نازل ہو چکی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپ کی اونٹنی کے تسمہ کو پکڑے ہوئے ہے اور پتھر اس کے پیروں کو زخمی کر رہے ہیں۔

اس نے جواباً کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو مذاق میں باتیں کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جواب میں قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی۔

اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَھۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ ۝ (التوبة - ٦٥)

کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذرات نہ تراشو۔ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔

لیث نے ہشام سے اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ روایت کیا ہے۔

عن ابن عمر و محمد بن کعب و زید بن اسلم و قتادة رضی اللہ عنہم دخل

حَدِيثُ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ أَنَّهُ قَالَ رَجُلٌ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ مَا رَأَيْنَا مِثْلَ قُرَّائِنَا هٰؤُلَآءِ أَرْغَبَ بُطُونًا وَ لَآ أَكْذَبَ أَلْسُنًا وَ لَآ أَجْبَنَ عِنْدَ اللِّقَآءِ -

---

حضرت عبداللہ بن عمر، محمد بن کعب قرظی، زید بن اسلم اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ ان سب کی روایات آپس میں مل جل جاتی ہیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک منافق نے کہا کہ ہم نے پیٹ کا پجاری، زبان کا جھوٹا اور میدانِ جنگ میں سب سے زیادہ بزدل ان علم والوں سے کوئی نہیں دیکھا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جنگِ تبوک کے سفر کے دوران منافقین میں سے بنی اُمیّہ سے ودیعہ بن ثابت اور قبیلہ اشجع سے مخشی بن حمیر، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے سے کہنے لگے

"ان لوگوں نے بنو اصفر کے بہادروں کو جن کے ساتھ جنگ کے لیے ہم جا رہے ہیں یوں سمجھ لیا ہے جیسے کہ عرب آپس میں جنگ کرتے ہیں۔

بخدا مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کل رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

یہ جملہ ان منافقین نے مومنین کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے لیے کہا تھا۔

مخشی بن حمیر بولا۔

ہم میں سے ہر شخص ایک ایک سو کوڑے کی سزا کا مستحق ہے کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ ہماری اس ناروا بات پر قرآن نازل ہو چکا ہوگا۔

يَعْنِي رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَ أَصْحَابَهُ الْقُرَّاءَ.
فَقَالَ لَهُ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ كَذَبْتَ
وَ لٰكِنَّكَ مُنَافِقٌ لَأُخْبِرَنَّ رَسُوْلَ اللهِ
ﷺ فَذَهَبَ عَوْفٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ
لِيُخْبِرَهُ فَوَجَدَ الْقُرْاٰنَ قَدْ سَبَقَهُ۔

اِس قول سے اس کی مراد آں حضرت ﷺ اور آپؐ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو فوراً جواب دیا کہ تو جھوٹا اور پکّا منافق ہے۔ میں آنحضرت ﷺ کو تمھاری غلط بیانی سے ابھی آگاہ کرتا ہوں۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپؐ کو اس منافق کی بات بتائیں۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے قرآنِ کریم کی آیات نازل ہو چکی تھیں۔

اُدھر رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ، ان منافقین نے بے ہودہ باتیں کہہ کے اپنے آپ کو تباہ کرلیا ہے۔ ان سے پوچھو کہ تم نے اس قسم کی باتیں کی ہیں؟ اگر وہ انکار کریں تو ان سے کہہ دینا کہ تم نے یہ، یہ الفاظ کہے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جاکر ان منافقین سے جب یہ پوچھا۔ تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر معذرت کرنے لگے۔

اس وقت رسول اکرم ﷺ اپنی سواری پر کھڑے تھے۔ ودیعہ بن ثابت آنحضرت ﷺ کی سواری کی پیٹی پکڑ کر کہنے لگا کہ یارسول اللہ ﷺ!

"ہم تو آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔"

مخشی بن حمیر بولا۔ یارسول اللہ ﷺ! میرے اور میرے باپ کے نام نے مجھے تباہ

فَجَاءَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ قَدِ ارْتَحَلَ وَ رَكِبَ نَاقَتَهٗ - فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَتَحَدَّثُ حَدِيْثَ الرَّكْبِ نَقْطَعُ بِهٖ عَنَّا الطَّرِيْقَ -

---

یہ منافق بھی آں حضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا تاکہ عُذر خواہی کرے۔ اور آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑے تھے۔ بولا یا رسُول اللہ ﷺ ہم لوگ آپس میں دِل بہلا رہے تھے اور سواروں کی سی گپ لڑا رہے تھے جن سے راستہ کاٹنا مقصود تھا۔

و برباد کر دیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ سے مخشی بن حمیری معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ سچے دِل سے تائب ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام عبد الرحمٰن رکھا گیا۔

اس عبد الرحمٰن نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور ایسی جگہ پر شہادت ہو کہ میری جگہ کا بھی کسی کو پتا نہ چلے۔

چنانچہ اللہ نے ان کی دعاء کو شرفِ قبولیّت بخشا اور یہ فرزندِ اسلام جنگ یمامہ میں شہید ہو اور اس کی لاش کا بھی پتا نہ چل سکا کہ کہاں ہے۔

پیشِ نظر آیت کریمہ کی تفسیر میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"اِن منافقین میں سے ایک شخص نے جسے توقع تھی کہ مجھے معاف کر دیا جائے گا۔ کہا کہ میں قرآن کی آیات میں سے ایک آیت سُن رہا ہوں جس سے دِل ڈرتا ہے اور بدن کانپ جاتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اللہ سے عرض کناں ہوا۔

"اے اللہ کریم! مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما، میرے بارے میں کوئی شخص یہ نہ کہے۔ کہ میں نے اُسے غسل دیا تھا۔ میں نے اسے کفن پہنایا تھا،

قال ابن عمر رضی اللہ عنہ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مُتَعَلِّقًا بِنَسْعَةِ نَاقَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَ أَنَّ الْحِجَارَةَ تَنْكُبُ رِجْلَيْهِ وَ هُوَ يَقُولُ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَ نَلْعَبُ۔ فَيَقُولُ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ (أَبِاللهِ وَ آيٰتِهِ وَ رَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ○ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ) مَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَ مَا يَزِيدُهُ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، گویا میں اس وقت اسے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی اونٹنی کے کجاوے کی رسی پکڑے ہوئے ہے اور پتھر اس کے پیروں کو ہٹا رہے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ بلاشبہ ہم مذاق اور کھیل کرتے تھے۔

اور آپؐ یہ فرماتے تھے کہ کیا تمہاری دل لگی اور ہنسی اللہ تعالیٰ اور اسکی آیات اور اُس کے رسولؐ ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذرات نہ تراشو! تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ آپؐ اس کی طرف نہ توجہ فرماتے اور نہ اِس سے کچھ زیادہ بولتے تھے۔

یا میں نے اسے دفن کیا تھا۔ چنانچہ یہ شخص جنگِ یمامہ میں شہید ہوا۔ اس کے علاوہ تمام شہداء کو پہچان لیا گیا تھا۔"

قولہٗ: لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
یعنی اس غلط گفتگو اور مذاق واستہزاء کی وجہ سے تم کفر کے مرتکب ہوئے ہو۔ اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کردیں (جیسے مخشی بن حُمیر) تو دوسروں کو ضرور سزا ملے گی یعنی سب کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔

کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء اور مذاق کر کے بدترین جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان کو یہ فیصلہ سنادے کہ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

ان لوگوں کی بات درست نہیں جنھوں نے یہ کہا ہے کہ یہ لوگ زبانی ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں، اگرچہ یہ لوگ دل سے تو پہلے ہی کافر تھے۔

کیونکہ زبان سے ایمان کا اظہار اور دل سے کفر و انکار کرنا ظاہری کفر کے برابر ہے۔ لہذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ ایمان کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ وہ حقیقتاً پہلے ہی کافر تھے۔

اگر یہ مراد لیا جائے کہ "تم نے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اظہار کیا ہے" تو انہوں نے اس کا اظہار عام لوگوں کے سامنے نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے خاص آدمیوں میں کیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے خواص ہی کے ساتھ رہے اور الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ منافق ہی رہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں

" اگرچہ ان منافقین نے اعتقاداً نہیں بلکہ صرف زبان سے کفریہ کلمات کہے تھے کہ ہم نے مذاق اور استہزاء کے طور پر یہ کہا تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات بینات سے مذاق کرنا کفر ہے۔ مگر یہ اس شخص کے لیے ہوگا، جس نے اس بات کا آغاز کیا۔ اگر ان لوگوں کے دل میں ایمان موجود ہوتا تو وہ لوگ اس قسم کی گفتگو نہ کرتے۔

قرآن کریم یہ بات بار بار واضح کرتا ہے کہ دل سے ایمان کا اقرار کرنا ظاہری عمل کو مستلزم ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا گیا ہے

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ	یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ
بِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ	اور رسول ﷺ پر اور ہم نے
يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن	اطاعت قبول کی، مگر اس کے بعد ان
بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ	میں سے ایک گروہ (اطاعت سے)

بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ تا منہ موڑ جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ نہیں ہیں۔ (آیت ۵۱ تک)

(النور ۲۴: ۴۷، ۴۹، ۵۰، ۵۱)

ان آیات میں اس شخص کے ایمان کی نفی کی گئی ہے جو اطاعت رسول ﷺ سے اعراض کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان داروں کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان متنازعہ فیہ مسائل میں فیصلہ کردیں تو یہ پوری دلجمعی سے سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری ایمان کا جزو لاینفک ہے۔

زیرِ نظر واقعہ میں اس بات کو پوری طرح واضح کیا گیا ہے کہ بعض اوقات انسان کو کسی جملے یا عمل کی وجہ سے کافر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں دل کے ارادے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ دل کی مثال اُس سمندر کی سی ہے جس کا ساحل نہ ہو۔ نفاقِ اکبر سے خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ ان منافقین کے ناگفتہ بہ جملہ کہنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا تھا۔

"میں نے تیس ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے جو اپنے بارے میں نفاق سے بہت ڈرتے تھے۔"

نَسْأَلُ اللّٰهَ السَّلَامَةَ وَالْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

ہم اللہ تعالیٰ سے دُنیا اور آخرت میں سلامتی، عفو و درگزر اور عافیت کے طالب ہیں۔ آمین۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: وَ هِيَ الْعَظِيْمَةُ، أَنَّ مَنْ هَزَلَ بِهٰذَا أَنَّهُ كَافِرٌ۔

۱ سب سے اہم اور بڑا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے مذاق کرے وہ کافر ہے۔

الثانیۃ: أَنَّ هٰذَا تَفْسِيْرُ الْاٰيَةِ فِيْمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كَائِنًا مَّنْ كَانَ۔

② جو بھی اِس قسم کے گھناؤنے فعل کا مُرتکب ہوگا تو اِسی آیت کی روشنی میں اُس پر حکم لگایا جائے گا۔

الثالثۃ: اَلْفَرْقُ بَيْنَ النَّمِيْمَةِ وَ بَيْنَ النَّصِيْحَةِ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ۔

③ چغلی اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت کرنے میں فرق۔

الرابعۃ أَلْفَرْقُ بَيْنَ الْعَفْوِ الَّذِي يُحِبُّهُ اللهُ وَ بَيْنَ الْغِلْظَةِ عَلَى أَعْدَاءِ اللهِ۔

④ وہ عفو جسے اللہ کریم پسند کرتا ہے، اس میں اور اللہ تعالٰے کے دشمنوں سے سختی سے پیش آنے میں فرق۔

الخامسۃ أَنَّ مِنَ الْإِعْتِذَارِ مَا لَا يَنْبَغِي أَنْ يُّقْبَلَ۔

⑤ بعض ایسے بھی عذر ہیں جن کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

باب

قول اللہ تعالیٰ:

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ
هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن
رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ
لَلْحُسْنَىٰ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ○

جونہی سخت وقت گزر جانے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزا
چکھاتے ہیں، یہ کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا
کہ قیامت کبھی آئے گی لیکن اگر واقعی میں اپنے رب کی طرف
پلٹایا گیا تو وہاں بھی مزے کروں گا حالانکہ کفر کرنے والوں کو
لازماً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کرکے آئے ہیں اور انہیں
ہم بڑے گندے عذاب کا مزا چکھائیں گے

قول اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي ۙ وَمَآ أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ إِلٰى رَبِّيٓ إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا ز وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ○ (فصلت-۵۰)

قال مجاهد رحمہ اللہ: "هٰذَا بِعَمَلِي وَأَنَا مَحْقُوقٌ بِهِ".

جونہی سخت وقت گزر جانے کے بعد ہم اُسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں یہ کہتا ہے کہ "میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی لیکن اگر واقعی میں اپنے ربّ کی طرف پلٹایا گیا تو وہاں بھی مزے کروں گا۔" حالانکہ کفر کرنے والوں کو لازماً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں اور انہیں ہم بڑے گندے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

هذا لی کا مجاہد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ترجمہ یہ ہے "مجھے یہ مال میری محنت کی بدولت ملا ہے اور میں اس کا مستحق ہوں۔"

اِس آیت کریمہ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے کتاب التوحید میں مفسرین کی عبارات کو نقل فرمایا ہے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ۔ یہ عبارتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان کی بالکل تشفی ہو جاتی ہے۔ لہذا ہم ان عبارتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما "يُرِيدُ مِنْ عِنْدِيْ".

وقوله: "قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِيْ".

قال قتادة رحمہ اللہ: "عَلَىٰ عِلْمٍ مِّنْ مِنِّيْ بِوُجُوْهِ الْمَكَاسِبِ".

وقال آخرون: "عَلَىٰ عِلْمٍ مِّنَ اللهِ إِنِّي لَهُ أَهْلٌ". وَهٰذَا مَعْنَى قَوْلِ مُجَاهِدٍ رحمہ اللہ أُوتِيتُهُ عَلَىٰ شَرَفٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ترجمہ یہ ہے کہ "درحقیقت یہ مال میرا ہی ہے۔"

آیتِ کریمہ "انما اوتیته علی علم عندی" کے بارے میں قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "یہ مال مجھے میرے اُس علم کی بدولت ملا ہے جو کمائی کے متعلق مجھے تجربات حاصل ہیں۔"

بعض علماء نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ "مجھے یہ مال اِس لیے مِلا ہے کہ مَیں اللہ کے ہاں اس کا اہل تھا۔"

مجاہد رحمہ اللہ کے قول کا بھی یہی مفہوم ہے کہ "یہ مال مجھے میری بزرگی کی بنا پر مِلا ہے۔"

قولہ: قَالَ مُجَاهِدٌ

مجاہد رحمہ اللہ نے "هٰذَا لِيْ" کا مفہوم یہ ادا کیا ہے کہ "میں اپنے اعمال کی وجہ سے ان انعامات کا حق دار تھا"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "هٰذَا لِيْ" کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے کہ "یہ انعامات میری ہی کوشش کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں"

وعن ابي هريرة رضي الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِيْ إِسْرَاءِيلَ أَبْرَصَ وَ أَقْرَعَ وَ أَعْمَى ۔ فَأَرَادَ اللهُ أَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ ، أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین قسم کے شخص تھے ۔ ایک کوڑھی، ایک گنجا اور ایک اندھا ۔ اللہ نے ان کو آزمانا چاہا تو اُنکی طرف فرشتہ بھیجا ۔ فرشتہ کوڑھی کے پاس آیا اور پوچھا تجھے سب سے زیادہ کیا پسند ہے ؟

قولہ : اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ

قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے ۔ " چونکہ میں مختلف علوم وفنون کا ماہر تھا اس لیے ان کی وجہ سے مجھے یہ سب کچھ ملا ہے "

دوسرے علمائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ " چونکہ اللہ کو میرے بارے میں یہ علم تھا کہ میں اس کا اہل اور حقدار ہوں لہذا مجھے یہ سب کچھ دے دیا گیا ہے "

مجاہد رحمہ اللہ نے جو معنیٰ بیان کیے تھے وہ دوسرے علماء کے مفہوم کے خلاف نہیں ۔

جس قدر مفہوم بیان کیے گئے ہیں ان میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا بلکہ ایک ہی معنی واضح ہوتا ہے ۔

علامہ ابن کثیر اس آیت ثم اذا خولناہ نعمۃ الایہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

" اللہ کریم اس آیت کریمہ میں فرماتا ہے کہ انسان جب مصیبتوں اور

قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَ جِلْدٌ حَسَنٌ وَ يَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ بِهِ - قَالَ : فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ فَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَ جِلْدًا حَسَنًا -

اُس نے جواب دیا اچھا رنگ اور اچھی چمڑی اور یہ کہ یہ بیماری مجھ سے رفع ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اُس پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بیماری رفع ہو گئی۔ اب اُسے عمدہ رنگ بھی عطا کیا گیا اور بہترین چمڑی بھی عنایت فرمائی گئی۔

تکلیفوں میں محصور ہو جاتا ہے تو صرف اللہ کریم ہی کی طرف رجوع کرتا ہے، اسی سے مصائب کا حل چاہتا ہے، اسی کو پکارتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے اس کو انعامات سے نوازتا ہے تو پھر سرکشی اور نافرمانی پر اُتر آتا ہے اور اسے یہ کہتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں میں ان انعامات کا حق دار تھا۔ اگر اس کے ہاں میں ان کا حق دار نہ ہوتا اور یہ انعامات میرے حصے میں نہ آتے تو اللہ تعالیٰ مجھے ان سے کیوں کر نوازتا؟ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ اس کا یہ وہم باطل ہے۔ بلکہ ہم نے یہ انعامات اس لیے عطا کیے ہیں کہ اس کا امتحان لیں کہ آیا انعامات حاصل کر کے ہماری فرمانبرداری کرتا ہے یا نافرمانی؟ اگرچہ اس کے کردار کا ہم کو پہلے سے علم تھا یہ تو صرف امتحان تھا۔ اکثر لوگ ہماری اس حکمت کو نہیں جانتے۔ لہٰذا وہ اپنی جہالت اور کم فہمی کی بنا پر جو کہنا چاہتے ہیں کہتے چلے جاتے ہیں۔

قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟
قَالَ الْإِبِلُ أَوِ الْبَقَرُ - شَكَّ إِسحاق-
فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، وَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ
لَكَ فِيهَا - قَالَ فَأَتَى الْأَقْرَعَ
فَقَالَ: فَأَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟
قَالَ: شَعَرٌ حَسَنٌ وَ يَذْهَبُ عَنِّي
الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ بِهِ-

پھر سوال کیا کہ اب تمھیں کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟ جواب میں اُس نے اونٹ کہا یا گائے (راوی اِسحاق کو شک ہے) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور کہا اللہ تیرے لیے اس میں برکت پیدا کرے۔

پھر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اُس سے کہا تجھے کیا چیز زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا عمدہ بال اور یہ کہ یہ بیماری، جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت محسوس کرتے ہیں، مجھ سے رفع ہو جائے

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔یہ لوگ اپنی اس یاوہ گوئی میں اکیلے نہیں ہیں ان سے پہلی اُمتوں کو بھی ہم نے اسی طرح آزمایا تھا اور ان کا امتحان لیا تھا۔ انہوں نے بھی اسی قسم کی باتیں کی تھیں، وہ بھی ان ہی امور میں مبتلا ہوتے تھے اور یہی دعویٰ کرتے تھے۔

فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: لہٰذا ان کی باتیں بھی غلط تھیں اور اُن کے مال و دولت اور اُن کی کثرتِ تعداد نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔

قارون کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ وَ أُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا۔ فَقَالَ أَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ الْبَقَرُ أَوِ الْإِبِلُ۔ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا۔

اب فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور وہ بیماری ختم ہو گئی اور ساتھ ہی اُسے بہترین بال بھی عطا کیے گئے۔ اس کے بعد فرشتے نے اس سے پوچھا تمھیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ کہا گائے یا اونٹ۔ چنانچہ اس کو حاملہ گائے دی گئیں اور کہا اللہ تیرے لیے اِس مال میں برکت عطا کرے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ	ایک دفعہ جب اُس کی قوم کے لوگوں
لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا	نے اُس سے کہا "پھول نہ جاؤ۔ اللہ
يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ وَابْتَغِ	پھُولنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو مال
فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ	اللہ نے تجھے دیا ہے اُس سے آخرت
الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ	کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے
مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ	بھی اپنا حصّہ فراموش نہ کر احسان
اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا	کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ
تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ	احسان کیا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○	اور زمین میں فساد برپا کرنے کی
قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى	کوشش نہ کر۔ اللہ مفسدوں کو پسند
عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ	نہیں کرتا۔" تو اُس نے کہا "یہ سب
اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ	کچھ تو مجھے اُس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو

فَأَتَى الْأَعْمَى فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ أَنْ يَرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ- فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ-

قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ الْغَنَمُ- فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا- فَأَنْتَجَ هٰذَانِ وَ وَلَّدَ هٰذَا- فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْإِبِلِ، وَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْبَقَرِ، وَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ-

---

اب فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے سوال کیا کہ تجھے کون سی چیز پسند ہے؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ میری بینائی مجھے واپس لوٹا دے جس سے میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا اور اللہ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔ اس کے بعد پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟ کہا بکری چنانچہ اس کو حاملہ بکری عطا کی گئی۔ کچھ مدّت بعد ان سب کے ہاں اتنی تعداد میں بچے بڑھے کہ اُس کا ایک میدان اونٹوں کا ہوگیا، اُس کا ایک میدان گائے کا اور اُس کا بکری کا۔

قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ ‏ مجھ کو حاصل ہے۔" کیا اس کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اِس سے پہلے بہت

قَالَ : ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَ هَيْئَتِهِ فَقَالَ : رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ . أَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَ الْجِلْدَ الْحَسَنَ وَ الْمَالَ . بَعِيْرًا أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي .

پھر وہی فرشتہ کوڑھی کے پاس، اس کی پہلی شکل وصورت میں آیا اور کہا کہ میں مسکین آدمی ہوں، میرے تمام اسباب منقطع ہو چکے ہیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ میں آج اپنے وطن میں اللہ کی مدد اور پھر تیری مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ میں تجھ سے، اُس ذاتِ پاک کے ذریعے سے، جس نے تجھے خوبصورت رنگ، بہتر چمڑی اور مال عطا کیا ہے، یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایک اونٹ دے دے، جس پر میں سفر کر کے اپنے وطن پہنچ سکوں۔

جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○

(القصص ۔ ۷۸، ۷۷، ۷۶)

سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیّت رکھتے تھے؟ مجرموں سے تو اُن کے گناہ نہیں پوچھے جاتے۔

فَقَالَ أَلْحُقُوقُ كَثِيرَةٌ۔ فَقَالَ كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذِرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا، فَأَعْطَاكَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَالَ؟ فَقَالَ: إِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ۔ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَىٰ مَا كُنْتَ۔

اس نے کہا مجھے بہت سی ضرورتیں درپیش ہیں۔ فرشتے نے کہا غالباً مَیں تجھے پہچانتا ہوں، کیا تو کوڑھی نہ تھا؟ تجھ سے لوگ کراہت محسوس کرتے تھے، فقیر نہ تھا؟ تجھے اللہ عزّوجل نے یہ مال عطاء کیا۔

اس نے کہا یہ مال مجھے وراثت میں حاصل ہوا ہے، مَیں نے اسے اپنے باپ دادا سے پایا ہے۔ اس نے کہا اگر تو کذب بیانی کرتا ہے تو اللہ پھر تجھے ایسا ہی کردے جیسا کہ تو پہلے تھا۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ○

وہ کہنے لگے چونکہ ہم مال و اولاد کے لحاظ سے کثرت میں ہیں لہٰذا ہمیں سزا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قولہٗ تَقْذَرُنِي النَّاسُ

مطلب یہ ہے کہ لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے تھے، کیونکہ اس کی شکل و صورت بُری معلوم ہوتی تھی۔

وَ أَتَى الْأَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهٖ، فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا - وَ رَدَّ عَلَيْهِ مَا رَدَّ عَلَيْهِ هٰذَا - فَقَالَ : إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلٰى مَا كُنْتَ -

قَالَ : وَ أَتَى الْأَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ : رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَ ابْنُ سَبِيْلٍ، قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ -

---

بعدازاں وہ فرشتہ گنجے کے پاس اسی کی صُورت میں آیا۔ اس سے بھی وہی بات کی جو کوڑھی سے کی تھی اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا تو فرشتے نے اس سے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پھر ویسا ہی کر دے جیسا کہ تو اس سے پہلے تھا۔

پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا، اسی کی شکل و صورت میں۔ کہا میں ایک مسکین اور مسافر ہوں۔ میرا تمام سامانِ سفر اور زادِ راہ ختم ہو چکا ہے۔ آج مجھے اپنی پہنچ کے لیے اللہ کی مدد اور پھر تیری امداد کے سوا کوئی اور ذریعہ دکھائی نہیں دیتا

قولہٗ أَنْتَجَ دونوں نے اگائے اور اونٹنی سے

قولہٗ : وَلَّدَ هٰذَا اور تیسرے نے (بکری) سے بچے جنوائے

أَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ ۔

فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِيْ ،
فَخُذْ مَا شِئْتَ وَ دَعْ مَا شِئْتَ ۔ فَوَ اللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ ،

مَیں تجھ سے اُس ذات کا واسطہ دے کر، جس نے تجھے تیری بینائی لوٹائی، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں۔

اس نے جواب دیا مَیں اندھا تھا، اللہ نے مجھے بینائی کی نعمت عطا فرمائی، تیرا جو جی چاہے لے لے اور جو جی چاہے چھوڑ دے۔ اللہ کی قسم آج تُو جو کچھ بھی اللہ کے نام پر لے گا، مَیں اِس میں تجھ سے کوئی جھگڑا نہ کروں گا۔

قولہٗ : اِنْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ
یعنی ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہیں

قولہٗ : لَا أَجْهَدُكَ

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اور جتنا کچھ چاہتے ہو لے لو۔ میری طرف سے آپ کو کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی اور میں انکار بھی نہیں کروں گا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔

پیشِ نظر حدیث بہت اہم ہے۔ اس میں بے شمار عبرتیں اور نصیحتیں مضمر ہیں۔ غور فرمایئے کہ پہلے دو آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا اور نہ ان نعمتوں کو اللہ کریم کی طرف منسوب کیا اور نہ حقوق اللہ ادا کیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب کا شکار ہو گئے

فَقَالَ : أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا أُبْتُلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ وَ سَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ۔" (اخرجاه)

فرشتے نے کہا اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ تم آزمائے جا چکے۔ اللہ تجھ پر خوش ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔ (بخاری ومسلم)

البتہ نابینا شخص نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا حقوق اللہ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے شکر کے ان تینوں ارکان پر عمل کیا جن کے علاوہ شکر کا وجود ہی ممکن نہیں۔ شکر کے تین ارکان یہ ہیں۔

۱ــــ اقرار نعمت۔

۲ــــ انعامات کو منعم حقیقی کی طرف منسوب کرنا۔

۳ــــ انعام کرنے والے کی رضا کے مطابق انعامات کو خرچ کرنا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"حقیقت شکر یہ ہے کہ انسان انتہائی عجز وانکساری سے اللہ کریم کے انعامات کا دل سے اعتراف کرے اور دل کی گہرائیوں سے منعم حقیقی سے محبت رکھے۔ کیونکہ جو شخص اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے انعامات کی حقیقت کو نہیں سمجھتا وہ انعامات کا شکر ادا کیسے کر سکتا ہے؟

اور جو شخص انعامات کو تو پہچان لیتا ہے لیکن منعم کو نہیں پہچانتا وہ بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص انعام اور منعم کو تو پہچانتا ہے اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے اور انکار بھی نہیں کرتا لیکن منعم کے سامنے عجز وانکساری سے پیش نہیں آتا، نہ اُس سے محبت کرتا ہے اور نہ اس سے رضا کا اظہار کرتا ہے ایسا شخص بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ تَفْسِيرُ الْآيَةِ۔

① (سورہ حٰمٓ السجدہ کی) آیت کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

الثانیۃ مَا مَعْنَى: "لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي"۔

② آیتِ کریمہ "لیقولن ھذا لی" پر تفصیلی بحث

الثالثۃ مَا مَعْنَى قَوْلِهِ: إِنَّمَآ أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي

③ آیتِ کریمہ "انما اوتیتہ علی علم عندی" کے مفہوم کو تفصیل سے واضح کیا گیا ہے۔

الرابعۃ مَا فِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ الْعَجِيبَةِ مِنَ الْعِبَرِ الْعَظِيمَةِ۔

④ ان تین افراد کے واقعہ میں بڑی بڑی عبرتیں اور نصیحتیں پنہاں ہیں۔

اور جس نے نعمتوں اور منعم کو پہچانا، ان کا اقرار کیا، منعم کے سامنے جھکا اسے محبوب جانا، اس پر اور اس کی طرف سے ہر چیز پر راضی ہوا اور اُن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی اور اطاعت میں استعمال کیا وہ حقیقتاً شکر ادا کرنیوالا ہے۔ شکر کیلئے دل میں علم ہونا، علم کیمطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان منعم کیطرف میلان رکھتا ہے، اُس سے محبت کرتا ہے اور اُس کے سامنے عجز و انکساری سے پیش آتا ہے[1]۔

---

[1] مدارج السالکین: جلد ۲ صفحہ ۲۳۵، ۲۴۲

اس باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ نام اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ شرک فی الالوہیت اور شرک فی العبدیت ہے۔ عبدیت کی نسبت صرف اللہ کی طرف ہونی چاہیے اور سب لوگ اللہ تعالےٰ ہی کے بندے ہیں۔

قوله تعالیٰ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دے دیا

قولہ : فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا :

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پیشِ نظر آیت کریمہ کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبد الصمد حدثنا عمر بن ابراهیم حدثنا قتادة عن الحسن عن سمرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ : لَمَّا وَلَدَتْ حَوَّاءُ طَافَ بِهَا اِبْلِيْسُ وَكَانَ لَا يَعِيْشُ لَهَا وَلَدٌ فَقَالَ سَمِّيْهِ عَبْدَ الْحَارِثِ فَاِنَّهٗ يَعِيْشُ فَسَمَّتْهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَعَاشَ وَكَانَ ذٰلِكَ مِنْ وَحْيِ الشَّيْطَانِ وَاَمْرِهٖ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حوّاء کے بچہ پیدا ہوا تو شیطان اس کے پاس آیا۔ حضرت حوّاء علیہا السلام کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ ایک دفعہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے کہا کہ اس کا نام عبد الحارث رکھو گی تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ حوّاء علیہا السلام نے بچے کا نام عبد الحارث رکھ دیا اور وہ زندہ رہا یہ شیطان ہی کا وسوسہ اور حکم تھا

یہی روایت ابن جریرؒ نے بیان کی ہے لیکن ان کی روایت عن محمد بن بشار بندار عن عبد الصمد بن عبد الوارث مروی ہے۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام ترمذی نے عن محمد بن المثنیٰ عن عبد الصمد یہی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ حدیث "حسن غریب" ہے اور یہ روایت عمر بن ابراہیم کے علاوہ کسی شخص نے بیان نہیں کی۔

بعض اہلِ علم نے عبد الصمد سے بیان کی ہے لیکن مرفوعًا نہیں۔ البتہ مستدرک حاکم میں عبد الصمد سے مرفوعًا مروی ہے اور حاکم نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اسے روایت نہیں کیا

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا

تو وہ اس کی اِس کی بخشش و عنایت میں دُوسروں کو اُس کا شریک ٹھہرانے لگے۔

ابو محمد بن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عن ابی زرعة الرازی، عن ہلال بن فیاض، عن عمر بن ابراہیم اسی روایت کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے زیر نظر آیت کی تشریح میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے دو قول نقل کیے ہیں۔

۱۔۔۔ حدثنا ابن وکیع حدثنا سہیل بن یوسف عن عمرو عن الحسن قال:

كَانَ هٰذَا فِيْ بَعْضِ اَهْلِ الْمِلَلِ وَلَمْ يَكُنْ بِاٰدَمَ۔

یہ واقعہ سابقہ اُمتوں میں سے ایک شخص کا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۔۔۔ حدثنا بشر بن معاذ قال حدثنی یزید حدثنا سعید عن قتادة قال

كَانَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ هُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اَوْلَادًا فَهَوَّدُوْا وَنَصَّرُوْا

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی یہ خصلت تھی کہ جب ان کے ہاں اولاد پیدا ہوتی تو وہ اپنی اولاد کو یہودی اور عیسائی بنا لیتے تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ اثر صحیح سند سے منقول ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس سلسلے میں بہت سے اقوال نقل کرتے ہیں جیسا کہ

۱۔۔۔ حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اس کا نام عبد اللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھتے لیکن قضائے الٰہی سے بچہ زندہ نہ رہتا۔ ابلیس نے آکر کہا۔ اگر تم بچے کا نام تبدیل کر کے رکھو گے تو بچہ نہیں مرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد جب

فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (الاعراف : ١٩٠)

اللہ تعالیٰ بہت بلند و برتر ہے اُن مُشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

حضرت آدم و حواء کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں۔

"ابلیس نے آ کر طرح طرح کے وسوسے ڈالے اور انتہائی طمع سازی سے کام لیتے ہوئے کہنے لگا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ اب کے تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ یا کوئی چوپایہ؟ اگر تم نے میری ہدایت کے مطابق نام نہ رکھا تو بچہ ناقص پیدا ہوگا اور وہ مرجائے گا۔ اس سے پہلے حضرت آدم و حواء کے دو بچے فوت ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ لہٰذا اسی کے متعلق اللہ کریم فرماتا ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت منقول ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے کثیر جماعت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورۃ الصدر قول کو نقل کرتی ہے۔

جیسے مجاہد رحمہ اللہ عکرمہ رحمہ اللہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ طبقہ ثانیہ سے قتادہ رحمہ اللہ السدی رحمہ اللہ اور ان کے بعد آنے والے بہت سے اہلِ علم بھی اس کو نقل کرتے ہیں۔ متأخرین اہلِ علم اور مفسرین کی ایک بہت بڑی جماعت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کو نقل کرتی ہے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قال ابن حزم رحمه الله : إِتَّفَقُوا عَلَى تَحْرِيْمِ كُلِّ إِسْمٍ مُعَبَّدٍ لِغَيْرِ اللّٰهِ -

علّامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں مسلمانوں کا اِس بات پر اتّفاق ہے کہ جس نام میں غیر اللہ کی طرف عبدیت منسوب ہوتی ہو تو وہ نام حرام ہے

" اس قسم کے تمام اقوال اہل کتاب [1] سے اخذ کیے گئے ہیں "

شارح کتاب الشیخ عبد الرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن کثیر کا مذکورہ قول بعید از قیاس ہے۔

قولہٗ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ رحمہ اللہ

---

[1] حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :-

" اس قسم کے آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اہلِ کتاب میں سے کسی شخص کا ہے :- اس سلسلے میں ہمارا مسلک وہی ہے جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے حضرت آدم اور حوّا علیہما السلام مراد نہیں ہیں بلکہ ان کی اولاد میں کوئی ایسا شخص گذرا ہے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا کہ " فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ "

علّامہ ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب " الملل والنحل " میں رقمطراز ہیں کہ

" جن لوگوں نے اس واقعہ کو حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ ان لوگوں میں نہ تو دین کی سوجھ بوجھ ہے اور نہ شرم وحیا کا جوہر کیونکہ ان کی تمام روایات خرافات کا پلندہ، موضوع اور کذب وافتراء کا مجموعہ ہیں اور ان کی سند قطعاً صحیح نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی "

الشیخ عبد اللہ بن حسن آل الشیخ فرماتے ہیں کہ :۔

" اللہ تعالیٰ کا آیت کے آخر میں یہ فرمانا کہ " فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ " سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کے اِس حصّہ کا تعلق حضرت آدم اور حوّا سے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مشرکین مراد ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے فرمان، فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا سے حضرت آدم اور حوّاء علیہما السلام ہی مراد ہیں جیسا کہ شارح کتاب نے ذکر فرمایا ہے۔ نیز قرآنِ کریم کا ظاہری سیاق بھی اسی پر دلالت کناں ہے۔ واللہ اعلم

كَعَبْدِ عَمْرٍو ، وَعَبْدِ الْكَعْبَةِ ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ حَاشَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ"

جیسے عبد عمرو، عبد الکعبہ وغیرہ۔ صرف عبد المطلب اس سے مستثنیٰ ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ اندلس میں چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ان کا پورا نام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم القرطبی الظاہری ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے عمر کی ۷۲ بہاریں دیکھ کر ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے

قولہ: حَاشَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ

عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ ان کا مختصر نسب نامہ یہ ہے۔

عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان سے اوپر نسب نامے میں اختلاف ہے۔ بایں ہمہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

ابن حزم رحمہ اللہ نے علمائے کرام کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ غیر اللہ کی طرف کسی کی عبدیت منسوب کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اس کی الوہیت اور ربوبیت میں شرک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مخلوق، اللہ کی ملک اور اس کی غلام اور تابع ہے اور اس نے خاص اپنی ہی عبادت اور توحید ربوبیت اور الوہیت کے لیے ان کو اپنے بندے کہا ہے۔

پس ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کو ربوبیت اور الوہیت میں واحد و یکتا جانا۔

اور بعض ایسے افراد بھی ہوئے جنہوں نے الوہیت میں شرک کا ارتکاب کیا اور توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات کا اقرار کیا۔ ایسے افراد پر وہ احکام الٰہیہ جن کا تعلق قضاء و قدر سے ہے، جاری رہے۔

اللہ تعالیٰ ان ہی کے بارے میں فرماتا ہے۔

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ○ (مریم - ۹۳)

زمینوں اور آسمانوں کے رہنے والے سب کے سب اللہ کریم کے سامنے (دست بستہ) غلامانہ حاضر ہوں گے

اسی کو عبودیّت عامہ کہتے ہیں۔

البتہ عبودیّت خاصہ صرف مخلص اور فرمانبردار افراد کے لیے خاص ہے جیسے اللہ کا فرمان ہے

اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟

قولہ: حَاشَا عَبۡدَ الۡمُطَّلِبِ

کل اسم معبّد لغیر اللہ کے عموم سے عبد المطلب نام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس نام میں قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد غلامی سے ہے عبدیت سے نہیں۔

ہاشم کے بھائی مطلب مدینہ آئے۔ ان کے بھتیجے شیبہ نے قبیلہ خزرج کے بنو نجار میں اپنے ماموں کے ہاں پرورش پائی۔ کیونکہ ہاشم کی شادی بنو نجار میں ہوئی تھی۔ جس سے یہ پیدا ہوا۔ جب شیبہ بڑا ہوا تو اپنے چچا مطلب کے ساتھ اپنے آبائی شہر مکّۃ المکرمہ میں آگیا۔ اَھلِ مکہ نے جب اس کو دیکھا تو سفر کی وجہ سے اس کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا۔ اس سے وہ یہ سمجھے کہ یہ مطلب کا غلام ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو عبد المطلب کے نام سے مشہور کر دیا چنانچہ اصل نام پر دوسرا نام یعنی عبد المطلب کثرتِ استعمال کی وجہ سے غالب آگیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔ اصل حقیقت مقصود نہ رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ

اَنَا ابۡنُ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ

مَیں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

عبد المطلب کو عرب میں اور خصوصاً قریش میں بہت عظیم شخص سمجھا جاتا تھا۔ جاہلیت میں اشرافِ عرب اور قریش کا سردار مانا جاتا تھا۔ یہی وہ عبد المطلب تھا جس نے زمزم کا کنواں کھودا۔ چنانچہ سقایتِ زمزم کا منصب اس کو اور پھر اس کی اولاد کو وراثت میں ملا تھا۔ عبد المطلب کے بیٹوں میں سے ایک کا نام عبد اللہ تھا۔ عبد اللہ ہی کے گھر رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی عبد اللہ اپنے باپ عبد المطلب کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

حافظ صلاح الدین العلائی اپنی کتاب "الدرۃ السنیۃ فی مولد خیر البریہ"

میں رقمطراز ہیں۔

"جب حضرت آمنہ حاملہ ہوئیں تو اُس وقت عبداللہ کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔ اسی اثنا میں عبداللہ غذا وغیرہ کی تلاش میں اپنے ماموں بنوعدی بن نجار کے ہاں مدینہ آئے تو اسی سفر میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہوگئے۔"

علامہ الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنی پیدائش کے وقت سے اپنے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ جب فوت ہوئے ہیں اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس مہینے تھی اور کہا کہ بعض نے اس سے بھی کم بتایا ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ عبداللہ کی وفات کے وقت آپ ماں کے پیٹ میں تھے اور عبداللہ کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی، کیونکہ وہ کھجور حاصل کرنے کی غرض سے آئے تھے۔

بعض نے لکھا ہے کہ عبداللہ شام سے واپسی پر مدینہ سے گزرے تھے اور پچیس سال زندہ رہ کر وفات پائی۔

بقول واقدی عبداللہ کی عمر اور وفات کے بارے میں آخری قول صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ ابواء نامی مقام پر فوت ہوئیں۔ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جبکہ وہ ننھیال سے جو بنی عدی بن النجار سے تھے مل کر واپس مکۃ المکرمۃ کو جا رہی تھیں اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت چھ سال تین ماہ دس دن تھی۔ بعض مورخین کے قول کے مطابق آپ کی اس وقت عمر چار سال تھی اس سفر میں ان کی لونڈی ام ایمن بھی ساتھ تھی، جب آمنہ کا انتقال ہوگیا تو ام ایمن آنحضرت ﷺ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس مکۃ المکرمۃ لے آئی چنانچہ عبدالمطلب کی وفات تک آپ ان ہی کی کفالت میں رہے۔

دادا کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی عبدالمطلب وصیت کر گئے تھے کہ میرے مرنے کے بعد ابوطالب ان کی کفالت کرے۔ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی الآیۃ : قَالَ لَمَّا تَغَشَّاهَا
آدَمُ حَمَلَتْ فَأَتَاهُمَا إِبْلِيسُ فَقَالَ :
إِنِّيْ صَاحِبُكُمَا الَّذِيْ أَخْرَجْتُكُمَا
مِنَ الْجَنَّةِ لَتُطِيْعَنِيْ أَوْلَأَجْعَلَنَّ
لَهُ قَرْنَيْ إِيَّلٍ فَيَخْرُجُ مِنْ
بَطْنِكِ فَيَشُقُّهُ وَ لَأَفْعَلَنَّ وَلَأَفْعَلَنَّ
يُخَوِّفُهُمَا سَمِّيَاهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَأَبَيَا أَنْ
يُّطِيْعَاهُ فَخَرَجَ مَيِّتًا -
ثُمَّ حَمَلَتْ فَأَتَاهُمَا فَقَالَ مِثْلَ
قَوْلِهٖ فَأَبَيَا أَنْ يُّطِيْعَاهُ فَخَرَجَ مَيِّتًا -

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ نے سورۃ اعراف کی مذکورہ آیتِ کریمہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ "جب حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا آپس میں ملے تو یہ حاملہ ہوئیں۔ ابلیس ان کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں وہی ہوں جس نے تمھیں جنّت سے نکالا۔ میری بات مانو اور ہونے والے بچے کا نام عبدالحارث رکھنا ورنہ میں اس کے سر پر بارہ سنگا کے دو سینگ بنا دوں گا جس کی وجہ سے یہ بچہ تمھارا پیٹ چیر کر نکلے گا اور میں یہ کروں گا، وُہ کروں گا۔ لیکن حضرت آدم و حوّا علیہما السلام نے اس کی ایک نہ مانی، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ مُردہ تھا۔

حضرت حوّا پھر دوبارہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر پھر وہی کہا لیکن حضرت آدم اور حوّا علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی اور پھر مُردہ بچہ پیدا ہوا۔

ثُمَّ حَمَلَتْ فَأَتَاهُمَا فَذَكَرَ لَهُمَا فَأَدْرَكَهُمَا حُبُّ الْوَلَدِ فَسَمَّيَاهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ فِيمَا آتَاهُمَا۔" (رواہ ابن ابی حاتم)

ولہ بسند صحیح عن قتادة رحمہ اللہ قَالَ: شُرَكَآءَ فِي طَاعَتِهِ وَلَمْ يَكُنْ فِي عِبَادَتِهِ۔

پھر تیسری دفعہ حضرت حوا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے پھر آکر بہکانے کی کوشش کی چنانچہ اُن کے دِل میں بچے کی محبت پیدا ہوگئی اور انھوں نے بچہ پیدا ہونے کے بعد اُس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔

قرآنِ کریم اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے

کہ "جعلا لہ شرکآء"

ابنِ ابی حاتم نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے صحیح سند سے روایت کی ہے جس میں وہ زیرِ بحث آیت کے مفہوم کے بارے میں کہتے ہیں کہ "انھوں نے صرف شیطان کی بات مانی تھی، عبادت نہیں کی تھی۔"

قولہ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تفصیلی نوٹ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

قولہ: قَالَ قَتَادَةُ: شُرَكَآءَ فِي طَاعَتِهِ

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شرک کا یہاں ذکر ہوا ہے اس

و له بسند صحيح عن مجاهد في قوله : لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا ۔ قَالَ : " أَشْفَقَا أَنْ لَّا يَكُوْنَ إِنْسَانًا " ۔

وَ ذُكِرَ مَعْنَاهُ عَنِ الْحَسَنِ وَ سَعِيْدٍ وَ غَيْرِهِمَا ۔

نیز ابنِ ابی حاتم رحمہ اللہ نے بسندِ صحیح حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے آیت لئن اٰتیتنا کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ :

" وہ ڈرے کہ مُبادا ہمارا بچّہ بصورتِ انسان نہ ہو ۔ "

حضرت حسن بصری اور سعید رحمہما اللہ سے بھی اِسی طرح اقوال مروی ہیں ۔

کا تعلق نام کے بارے میں شیطان کا مشورہ مان لینے سے ہے ۔ اس شرک سے نہیں جو ممنوع ہے یہی توجیہ بہتر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے ماں باپ آدم و حوا نے صرف نام رکھنے کے معاملہ میں شیطان سے اشتراک کیا تھا ورنہ ان کا غیر اللہ کا بندہ بنانا مقصود نہ تھا ۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہے ۔

فیہ

مسائل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: تَحْرِيْمُ كُلِّ إِسْمٍ مُعَبَّدٍ لِغَيْرِ اللهِ

ہر وہ نام جس میں غیر اللہ کی طرف عبدیت کو منسوب کیا گیا ہو وہ نام رکھنا حرام ہے

الثانیۃ: تَفْسِيْرُ الْآيَةِ۔

② سورۂ اعراف کی آیت کی تفسیر۔

الثالثۃ: إِنَّ هٰذَا الشِّرْكَ فِيْ مُجَرَّدِ تَسْمِيَةٍ لَمْ تُقْصَدْ حَقِيْقَتُهَا۔

③ مذکورۃ الصدر حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کے واقعہ میں جس شرک کا ذکر ہے اس کا تعلق صرف نام رکھنے سے ہے حقیقی شرک مقصود نہ تھا۔

الرابعۃ: إِنَّ هِبَةَ اللهِ لِلرَّجُلِ الْبِنْتَ السَّوِيَّةَ مِنَ النِّعَمِ۔

④ کسی شخص کے ہاں صحیح سالم لڑکی کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

الخامسۃ: ذِكْرُ السَّلَفِ أَلْفَرْقَ بَيْنَ الشِّرْكِ فِي الطَّاعَةِ وَ الشِّرْكِ فِي الْعِبَادَةِ۔

⑤ سلفِ اُمت کا شرک فی الطاعۃ اور شرک فی العبادۃ میں فرق کو خوب واضح فرمانا۔

باب

قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالیٰ

وللّٰہِ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا وذروا الذین یلحدون فی أسمائہ ۵

اِس باب میں

اس حقیقت کو نکھار کر بیان کیا گیا ہے کہ اسمائے حُسنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، ان ہی کی وساطت سے اُس کے سامنے دستِ دُعا دراز کرو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں شِرک والحاد سے کام لیتے ہیں ان کو نظر انداز کر دو

وللہِ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا وذروا الّذین یلحدون فی أسمائہ ٥

اللہ تعالیٰ اچھے ناموں کا مستحق ہے۔ اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کریم کے ننانوے نام ہیں۔ جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ ایک ہے اور طاق سے محبت کرتا ہے"

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ امام بخاری نے ابی الیمان عن ابی الزناد عن الاعرج سند کے ساتھ روایت کی ہے

جوزجانی نے یہی روایت صفوان بن صالح عن الولید بن مسلم عن شعیب اپنی سند سے نقل کی ہے۔ اور یُحِبُّ الْوِتْرَ کے بعد مندرجہ ذیل اللہ کریم کے نام گنوائے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے ننانوے نام

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ

الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ

الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ

الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ

الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ

الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ

الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ

الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ

الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِيْ

الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ

الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ

الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيْ الْمُتَعَالِيْ الْبَرُّ التَّوَّابُ

الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيْ الْمُعْطِيْ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ

النُّوْرُ الْهَادِيْ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيْ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے مروی ہے اس حدیث کے علاوہ دوسری روایات میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر نہیں ہے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا کہنا ہے جیسا کہ ولید بن مسلم اور عبدالملک

بن محمد صنعانی نے زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ اس کو ایک سے زائد اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ اسماء کا ذکر حدیث کے اصل الفاظ میں نہیں، بلکہ انہوں نے یہ اسمائے حسنیٰ قرآن سے جمع کیے ہیں جعفر بن محمد، سفیان اور ابی زید لغوی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی کہا ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ

"یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے کے عدد میں منحصر نہیں ہیں۔ کیونکہ مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس شخص کو کوئی غم و حزن یا کسی قسم کی تکلیف پہنچے اور وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے تو اُس کے غموں کے بادل چھٹ جائیں گے اور مصائب و مشکلات کی جگہ خوشی اور مسرت حاصل ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سُن کر عرض کی کہ یا رسُول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم وہ دعا سیکھ لیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! اُسے ضرور یاد کر لو۔

دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ اِبْنُ	اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے
عَبْدِكَ اِبْنُ اَمَتِكَ	بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں میری
نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ	پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔
حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ	تیرا فیصلہ مجھ پر عدل و انصاف سے جاری ہے۔
اَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ	اے اللہ! تیرے تمام اچھے نام جو تو نے
هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ	اپنے لیے خود تجویز فرمائے ہیں یا تو نے
اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ	اپنی کتاب میں نازل کیے، یا اپنی مخلوق
اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ	میں سے کسی کو سکھلائے یا تو نے اُن کو
خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ	اپنے علم غیب میں منتخب کیا۔ ان کے
فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ	ذریعہ سے میں یہ سوال کرتا ہوں کہ تو
اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ	قرآن کریم کو میرے قلب کی بہار،
رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَ نُوْرَ صَدْرِيْ	میرے سینے کا نور، میرے غم کی جلا اور

ذکر ابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ : یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ : یُشْرِکُوْنَ۔ وَعَنْهُ : سَمَّوُا اللَّاتَ مِنَ الْاِلٰهِ وَالْعُزّٰی مِنَ الْعَزِیْزِ۔

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں "یُلْحِدُوْنَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ شرک کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ الحاد، یہ ہے کہ لفظ الجلالۃ (یعنی اللہ) سے اللّات کو اور العزیز سے عُزّٰی کو مشتق کیا تھا

وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ میرے غم واندوہ کو ختم کرنے کا ذریعہ اور سبب بنا دے۔

اس روایت کو ابو حاتم بن حبّان نے بھی اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔

- آیت کریمہ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ کے متعلق عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے۔ کہ اسماء میں ان لوگوں کا الحاد یہ تھا کہ انہوں نے اللات کو اللہ تعالےٰ کے اسماء میں شمار کیا۔

- چنانچہ اس آیت کے متعلق ابن جریج رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل قول نقل فرمایا ہے کہ "مشرکین لفظ اللہ سے اللات اور العزیز سے العزّی کو مشتق خیال کرتے تھے"۔

- قتادہ رحمہ اللہ نے یُلْحِدُوْنَ کا ترجمہ یُشْرِکُوْنَ کیا ہے۔ یعنی وہ شرک کرتے ہیں۔

- علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے الحاد کا ترجمہ تکذیب بھی نقل کیا ہے۔ کلام عرب میں الحاد اپنے مقصد سے انحراف بھی اور ظلم پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قبر میں لحد

وعن الأعمش رحمہ اللہ "يُدخِلُونَ فِيهَا مَا لَيسَ مِنهَا"

الحاد کے متعلق اعمش رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایسے ناموں کا اضافہ کرتے ہیں جو حقیقت میں اللہ کے نام نہیں۔

کو بھی اسی لیے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک جانب ہوتی ہے اور اس کا رخ گڑھے کی سمت سے قبلہ جانب ہوتا ہے

الحاد کے متعلق علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَحَقِيقَةُ الإِلحَادِ فِيهَا المَيلُ بِالإِشرَاكِ وَالتَّعطِيلِ وَالنُّكرَانِ

الحاد کی حقیقت میں شرک کی طرف میلان اور صفات کی تعطیل اور انکار بھی داخل ہے۔

اللہ کریم کے تمام نام اور اس کی تمام صفات ایسی ہیں جن سے انسان اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ایسے نام ہیں جو اس کی جلالت، عظمت اور کبریائی پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ

" الحاد کی کئی صورتیں ممکن ہیں جیسے

۱ —— اس کے اسماء وصفات سے بالکل انکار کر دیا جائے۔ یا

۲ —— ان کے معانی ومفہوم کو ترک کر دیا جائے اور ان کی تعطیل کو مانا جائے۔ یا

۳ —— ان کے اصل مقصد میں تحریف کر کے کوئی دوسرا مفہوم پیش کر دیا جائے۔ یا

۴ —— صحت وصواب کو چھوڑ کر تاویلات کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ یا

۵ —— یہی نام مخلوق کے رکھ دیے جائیں جیسے اہل اتحاد ملحدین نے کیا تھا یعنی انہوں نے یہی نام کائنات کی اشیائے مذموم ومحمود پر رکھ دیے حتیٰ کہ ان کے نمائندہ نے کہہ دیا کہ " بعینہٖ یہی چیزیں ممدوح ومذموم عقلاً وشرعاً

وعرفاً مسمیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان باتوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔

صاحب فتح المجید علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

متقدمین اور متأخرین تمام اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم کی وہ صفات جو اس نے خود اپنے لیے بیان کی ہیں یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ جیسے بھی اللہ کریم کی عظمت و جلالت کے لائق ہیں ان کو بلاتمثیل تشبیہ و تعطیل تسلیم کیا جائے. جیساکہ قرآنِ کریم میں کہا گیا ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○ (الشوریٰ۔ ١١)

کائنات کی کوئی چیز (نہ ذات میں اور نہ صفات میں) اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔

کیونکہ صفات میں گفتگو ذات کی گفتگو کی فرع ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی پر کلام کرنا دونوں پر کلام کرنے کے برابر سمجھا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حقیقی کا علم مخلوق سے کسی قسم کی تشبیہ و تمثیل دیے بغیر ماننا ضروری ہے اسی طرح اس کی حقیقی صفات کو مخلوق سے بلاتمثیل و تشبیہ جاننا ضروری ہے۔

لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات کے لیے بیان کردہ صفات، یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی گئی صفات کا انکار کرے۔ یا ان کی غلط تاویل کرے وہ فرقہ جہمیہ سے ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کو اپنا لیا ہے۔ ایسے ہی افراد کے بارے میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ (النساء۔ ١١٥)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ

فائدہ جلیلہ

کے عنوان سے تحت رقمطراز ہیں کہ

" جو صفت یا خبر اللہ کریم کی ذات کے لیے بیان ہو، اس کی چند اقسام ہیں

۱ ـــــ جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہیں۔ جیسے موجود اور ذات وغیرہ۔

۲ ـــــ جو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار پاتی ہیں جیسے علیم، قدیر، سمیع اور بصیر وغیرہ۔

۳ ـــــ جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہیں جیسے خالق، رازق وغیرہ۔

۴ ـــــ جو تنزیہ محض ہو وہ اس طرح کہ اس کے اندر کمال کا اثبات ہو نہ یہ کہ صرف نقائص کا انکار ہو۔ جیسے القُدُّوس۔ السَّلام

۵ ـــــ پانچویں صفت وہ ہے جس کا اکثر لوگوں نے ذکر نہیں کیا۔ یہ وہ اسم ہے جو بے شمار اوصاف پر دلالت کرتا ہے کسی خاص اور معین صفت کی وضاحت مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے مختلف معانی نکالے جا سکتے ہیں۔ جیسے مجید، عظیم، صمد،

مجید ایسی ذات کو کہا جاتا ہے جس میں بہت سی کامل صفتیں پائی جائیں۔ یہ لفظ وسعت اور کثرت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جیسے مثل مشہور ہے کہ

(۱) إِسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ کثرت سے آگ بھڑک اٹھی

(۲) وَأَمْجَدَ النَّاقَةَ عَلَفَهَا اس نے اونٹنی کو چارہ دیا

قرآن کریم میں ہے کہ

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ

مجید: اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت ہے۔ چونکہ اس میں وسعت، عظمت اور شرف ہے لہٰذا اسی بنا پر اس کو عرش مجید کہا گیا ہے۔

غور فرمائیے کہ کس طرح اس نام کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی دعا کے ساتھ ذکر کیا گیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا۔ چونکہ مقام نوازشات کی کثرت اور دوام کا طالب تھا۔ اس لیے حصول مطلوب کے لیے ایسے نام کا ذکر کیا گیا جو اس کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔

اِغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ — الٰہی مجھے بخش دے اور میرے اوپر رحمت فرما تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس دعائیہ جملہ میں اللہ کریم کے اسماء وصفات کے ذریعہ سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے وسیلہ حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے۔

ترمذی میں ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے

اَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ — یاذوالجلال والاکرام کے الفاظ کے ساتھ اصرار سے مانگو

ایک دوسری حدیث میں دعائیہ جملے یوں ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ — اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تیرے ہی لیے تعریف ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو احسان کرنے والا ہے، زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے۔ اے جلال اور بزرگی کے مالک۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے اس کی حمدوں کے وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے۔

اور جملہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ میں اسماء اور صفات دونوں کو وسیلہ بنایا گیا ہے قبولیتِ دعاء کا یہ سنہری موقع ہے۔ یہی وہ باب ہے جس کو توحید کے سلسلہ میں اہم مقام حاصل ہے۔

۶ چھٹی صفت وہ ہے جو دو ناموں یا دو صفات کے باہم ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ مفرد (اسماء صفات) پر اضافی صفت ہے جیسے الغنی الحمید، الغفور القدیر، الحمید المجید اسی طرح قرآن حکیم میں موجود باہمی ملی ہوئی عام صفات اور اسماء ہیں

اسی پر دوسرے ناموں اور صفتوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوئی ہیں۔ الغنی اور الحمید الگ الگ کامل صفتیں ہیں۔ جب ان دونوں کو جمع کریں گے تو تیسری صفت پیدا ہوگی۔

کیونکہ "الغنی" صفتِ کمال ہے اور الحمید بھی لیکن "الغنی" کا "الحمید" کے ساتھ ملنا ایک دوسرا کمال

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: إِثْبَاتُ الأَسْمَاءِ

① اللہ کریم کے اسماء کو ثابت کرنا۔

الثانیۃ: كَوْنُهَا حُسْنَى

② اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کا پاکیزہ ہونا۔

الثالثۃ: أَلْأَمْرُ بِدُعَائِهِ بِهَا۔

③ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰے کے ساتھ دعاء مانگنے کا حکم۔

الرابعۃ: تَرْكُ مَنْ عَارَضَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ الْمُلْحِدِيْنَ۔

④ وہ ملحدین جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں معارضہ کرتے ہیں اُن سے قطع تعلق کرنا۔

الخامسۃ: تَفْسِيرُ الإِلْحَادِ فِيْهَا۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کس قسم کا الحاد ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت

السادسۃ: وَعِيْدُ مَنْ أَلْحَدَ

⑥ جو شخص الحاد جیسے قبیح فعل کا مرتکب ہو، اس کے بارے میں وعید اور ڈانٹ

ہے گویا اس ذات اقدس کی غنیٰ پر بھی، اس کی حمد پر بھی اور دونوں پر بھی تعریف ہے۔ الغفور القدیر، الحمید المجید اور العزیز الحکیم ایسے ہی ہیں۔ اس (نکتہ) پر غور فرمایئے کیونکہ یہ اعلیٰ ترین معرفت ہے

فافہم وتدبر

باب

لَا يُقَالُ

السَّلَامُ عَلَى اللّٰہ

اِس باب میں اِس امر کی وضاحت کی گئی ہے
کہ "اللہ پر سلام ہو" کے الفاظ زبان سے
نکالنا درست نہیں ہے۔ یہ الفاظ ذاتِ خداوندی
کو زیب نہیں دیتے۔

وفی الصّحیح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال : إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّلٰوةِ قُلْنَا۔ أَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادِهٖ أَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّ فُلَانٍ۔

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَقُوْلُوْا أَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ:

ہم جب رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے کہ "اللہ پر اُس کے بندوں کا سلام ہو اور فلاں فلاں شخص پر بھی سلام ہو۔" یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ "السّلام علی اللہ" نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہے۔

قولہ : وَفِي الصَّحِيْحِ :

یہ روایت صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں مروی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم تشہد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں بیٹھتے تو علیٰ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ سے پہلے ہم اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ کہتے۔ نیز بعض لوگوں کا نام لے کر بھی ہم سلام کہتے تھے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ ممانعت کی وجہ امام ترمذی نے یہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَ مِنْهُ السَّلَامُ	اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے اور اُسی کی جانب سے سلامتی نازل ہوتی ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب فرض نماز ختم کرتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور یہ دعا بھی پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ	اے اللہ تو ہی سلام ہے اور سلامتی
مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ	تیری ہی طرف سے نازل ہوتی ہے۔
يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ	اے عظمت اور بزرگی والے! تو ہی بابرکت ذاتِ کبریا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی سلام ہوگا۔ قرآنِ کریم میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ ربِ کریم اہلِ جنت کو سلامتی کا پیغام دیگا۔ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ	ربِ رحیم کی طرف سے ان کو سلامتی
رَّحِيْمٍ ۝ (یٰس - ۵۸)	کا پیغام ہے۔

قولہٗ : اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ :

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم ہر نقص اور تمثیل سے پاک اور بے نیاز ہے۔ وہ ایسا ربِ کریم ہے جس میں کمال کی تمام صفات موجود ہیں اور ہر عیب اور نقص سے منزّہ ہے۔

علّامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "بدائع الفوائد" میں لکھتے ہیں۔

"السّلام اسم مصدر ہے۔ یہ اُن الفاظ میں سے ہے جن کا تعلق دعار سے ہوتا ہے۔ یہ انشاء اور خبر دونوں کو متضمن ہے۔ اس کا انداز خبریت، اندازِ انشائیت سے متناقض نہیں ہے۔

تشہد میں السّلام سے یہی معنی مراد ہیں۔

لفظ السّلام میں دو قول مشہور ہیں۔

۱ —— پہلا یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی برکتیں تم پہ نازل ہوتی ہیں۔ اس معنی کو اللہ تعالےٰ کے دوسرے اسماء کی بجائے السلام نام سے اختیار کیا گیا ہے

۲ —— دوسرا قول یہ ہے کہ السّلام مصدر ہے جس کے معنی السلامۃ کے ہیں۔ لہٰذا تشہد میں سلامتی ہی مطلوب ہے۔

جن لوگوں نے اس دوسرے قول کو پسند کیا ہے اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ نکرہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ کیونکہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہوتا تو اس طرح نکرہ ہرگز استعمال نہ ہوتا۔

اوران کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ "السلام" سے مذکورہ معنیٰ مراد نہیں بلکہ بحیثیت خبر دعا اور سلامتی کی اطلاع مطلوب ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں۔

"صحیح بات یہ ہے کہ دونوں معنوں میں حق اور صواب موجود ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک اصول مدِّنظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔ وہ یہ کہ۔

جو شخص اللہ تعالےٰ سے کسی بھی چیز کا سوال کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز کے مطابق اللہ کے ناموں کا انتخاب کرے، جو مطلوبہ سوال کے مناسب ہو۔ کیونکہ سائل نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو شفیع اور وسیلہ بنایا ہے۔ جب انسان اپنی دعا میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

ربِّ کریم! مجھے بخش اور میری توبہ قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی توبہ قبول کرنے اور بخشنے والا ہے۔

تو سائل اپنے مولا کریم سے دو چیزوں کا سوال کرتا ہے۔ اس نے اللہ کے اسماء میں سے دو کو وسیلہ بنایا ہے، جو حصولِ مطلب کے لیے ممد ومعاون ہیں۔

ایک دفعہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اللہ کریم کو کیسے پکارا کروں؟ تو آپ ؐ نے فرمایا یوں کہا کر۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ

اے اللہ! میں نے اپنے اوپر بے بہا ظلم کیے ہیں اور تیرے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں۔ لہٰذا اپنی خاص رحمت سے مجھے بخشش عطا فرما۔ اور مجھ پر اپنی

اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ رحمت نازل فرما۔ کیونکہ تو ہی غفور و رحیم ہے۔

پس تشہد ایسا مقام ہے جہاں ہر انسان کو سلامتی کی بھیک مانگنی چاہیے اور سلامتی انسان کے لیے ایک اہم چیز ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اپنے سوال کو اللہ کریم کے ایسے نام سے پکارا گیا ہے جس سے سلامتی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور وہ صرف السّلام ہے۔ پس لفظ السلام سے دوٗ معنیٰ مراد ہیں۔

۱۔۔۔۔ اللہ کریم کا ذکر۔

۲۔۔۔۔ سلامتی کا سوال کرنا۔

کیونکہ ایک مسلمان کو اسی کی اشد ضرورت ہے اور اصل مقصود بھی یہی ہے کہ انسان تمام آفات سے سلامت رہے۔

لہٰذا السّلام، جملہ سلامٌ علیکم کو متضمن ہے، جو کہ اللہ کے ناموں میں سے ایک ہے کیونکہ سلامتی اللہ کریم ہی کی طرف سے آتی ہے۔

اس فائدہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے نجات پلے اور ہر قسم کے شر اور عیوب سے کنارہ کش ہو جائے۔

اسی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے مختلف صیغوں سے مختلف معنیٰ مراد ہوں گے۔ جیسے

۱۔۔۔۔ سَلَّمَكَ اللّٰهُ ؛

۲۔۔۔۔ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ ؛

یہ جملہ مؤمنین پل صراط سے گزرتے ہوئے کہیں گے۔

۳۔۔۔۔ سَلِّمِ الشَّيْئَ لِفُلَانٍ :

یعنی یہ چیز صرف فلاں شخص کو دے دو۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ ایک شخص تر

رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشٰكِسُونَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ (الزمر - ۲۹)	وہ ہے جس کی ملکیت میں بہت سے کج خلق آقا شریک ہیں جو اسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص پورے کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔

سَلَمًا لِّرَجُلٍ کے معنی یہ ہیں کہ اِس میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں

اَلسَّلَمُ: امن کی حالت کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی جنگ کی حالت نہ ہو۔ کیونکہ فریقین میں سے ایک فریق دوسرے فریق کی زیادتی سے محفوظ اور بے خوف ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ باب مفاعلہ استعمال ہوتا ہے، چنانچہ بعض لوگوں نے مسالمۃ، مشارکۃ کے ہم مثل قرار دیا ہے۔

القلب السّلیم: بھی مستعمل ہے۔ قلبِ سلیم اس دل کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا عیب، کجی اور بغض وعناد نہ ہو۔ قلبِ سلیم وہی ہے جو صرف اللہ کے احکام کا مطیع و فرمانبردار ہو اور شرک وکفر، گناہ اور اللہ کی نافرمانیوں سے مجتنب ہو۔ یہی وہ دِل ہے جو حسن معاملہ، صدق اور محبت کی وجہ سے سیدھے راستہ پر گامزن ہے۔ اسی کے لیے اللہ کے عذاب سے نجات اور محض اس کے احسان سے کامیابی مقدر ہے۔

اَخَذَ اَلْإِسْلَامَ: بھی اسی مادہ سے ہے۔ کیونکہ اسلام کا مفہوم ہی اطاعت فرمانبرداری اور شرک کے ادنیٰ شائبہ تک سے خلاصی ہے اسی سے شرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکل کر انسان توحید کی روشنی میں داخل ہوکر رب العالمین کا مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے اور اپنے اعمال کو اللہ کے لیے خالص سرانجام دیتا ہے۔

اس کی مثال اس غلام کی سی ہوتی ہے جس کو اس کے مالک نے صرف اپنے ہی مال سے خریدا ہو جس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہ ہو۔

اسی بنا پر اللہ کریم نے اس مقام پر دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔۔۔۔ ایک اپنے خالص مُسلِم کی

۲۔۔۔۔ اور دوسری مُشرک کی

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيرُ السَّلَامِ۔

① لفظ "السلام" کی تفسیر۔

الثانیۃ: أَنَّهُ تَحِيَّةٌ۔

② یہی لفظ اہلِ جنت کا سلام ہونا۔

الثالثۃ: أَنَّهَا لَا تَصْلُحُ لِلّٰهِ۔

③ یہ لفظ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے درست نہیں۔

الرابعۃ: أَلْعِلَّةُ فِيْ ذٰلِكَ۔

④ اس لفظ کے نہ کہنے کی وجہ۔

الخامسۃ: تَعْلِيمُهُمُ التَّحِيَّةَ الَّتِيْ تَصْلُحُ لِلّٰهِ۔

⑤ اُس تحیّہ کی تعلیم جو اللہ تعالیٰ کے لیے زیبا ہے۔

باب قول

اللّٰھُمَّ اغفرلی ان شئت

اس باب میں

یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسان کو دعا کرتے وقت پورے عزم اور وثوق سے اپنی حاجات ربِّ ذوالجلال کے سامنے پیش کرنی چاہییں۔ شک اور تذبذب کی کیفیت ہرگز اپنے اوپر طاری نہ ہونے دے۔

فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ ۔

صحیح (بخاری) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی شخص کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ :

قولہٗ : فِی الصَّحِیْحِ

انسان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے کہیں مختلف ہے، کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص سائل کا سوال اس لیے پورا کرتا ہے کہ اس کی اپنی ضرورت پوری ہونے کی توقع ہوتی ہے. یا سائل سے ڈر کر اس کا سوال پورا کرتا ہے حالانکہ اس کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود دوسرے کی حاجت پوری کر دیتا ہے. مخلوقِ خدا سے سوال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کو مسئول کے ارادے اور اس کی خواہش پر چھوڑ دے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ شائد وہ مجبور ہو کر میرا سوال پورا کرے ۔

ہاں! خالقِ کائنات اور ربُّ العالمین سے سوال کرتے وقت ایسا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیے. کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق نہیں ہے وہ تمام مخلوق سے مستغنی اور بے نیاز ہے اُس کی سخاوت اور اُس کا کرم کامل ترین ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے. کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے لمحہ برابر بھی بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتا وہ جب دینے پر آتا ہے تو صرف کلام ہی کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے

يَمِيْنُ اللهِ مَلْأَىٰ لَا يَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ؟ فَإِنَّهٗ لَمْ يَغِضْ مَا فِيْ يَمِيْنِهٖ وَ فِيْ يَدِهِ الْأُخْرَىٰ

ربِ کریم کے ہاتھ خزانوں سے پُر ہیں. رات دن بھی خرچ کرتا رہے تو ان میں کمی نہیں آسکتی۔ خدا را غور تو کرو کہ اُس نے زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر آج تک کس قدر نعام واکرام کیے ہیں؟ جو اس کے ہاتھوں میں ہے اس میں ذرہ برابر بھی

أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ إِنْ شِئْتَ أَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ إِنْ شِئْتَ۔

اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما۔

اَلْقِسْطُ یَخْفِضُہٗ وَیَرْفَعُہٗ[1] کمی نہیں آتی۔ اللہ کریم کے دوسرے ہاتھ میں انصاف ہے، اس کے ذریعہ سے کسی کو بلند کرتا ہے اور کسی کو گراتا ہے

اللہ تعالیٰ کسی پر انعام واکرام کی بارش کرتا ہے تو اپنی حکمت سے اور اگر کسی کو محروم رکھتا ہے تو اس میں بھی اُس کی حکمت کے راز پوشیدہ ہیں۔ وہ حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔

پس سائل کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے وقت پورے وثوق اور عزم سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مجبور ہوکر نہیں دیتا اور نہ بڑے سوال کی بنا پر دیتا ہے۔

کسی شاعر نے اپنے ممدوح کے متعلق بہت ہی عمدہ بات کہی ہے

ویعظم فی عین الصغیر صغارھا

ویصغر فی عین العظیم العظائم

چھوٹے کی نگاہ میں چھوٹی چیزیں بھی بڑی معلوم ہوتی ہیں،

اور بڑے کی آنکھ میں بڑی بڑی چیزیں بھی حقیر معلوم ہوتی ہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام اپنے بندوں پر دائمی اور ابدی ہیں۔ اُس کی سخاوت سوال کی محتاج ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جود وسخا تو اُس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب کہ ابھی انسان اپنی ماں کے پیٹ میں ایک نطفہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ ماں کے پیٹ میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے پلتا ہے اور وہاں بھی احسن تربیت سے پھلتا پھولتا ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد اللہ کے احسان ہی سے والدین کی شفقت ومحبّت جیسی نعمت سے تربیت حاصل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جوان ہوجاتا

---

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم

لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّ اللهَ لَا مُكْرِهَ لَهُ۔

بلکہ چاہیے کہ اپنے سوال کو پورے عزم اور پختگی سے پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔

ہے اور اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارتا ہے۔

پس اگر انسان کی زندگی ایمان اور تقویٰ کے معیار کے مطابق گزرے گی تو وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی نعمتیں میسر آئیں گی جو دنیا کی نعمتوں سے ہزار گنا زیادہ ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ان نعمتوں کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن اور متقی بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں

دنیا میں جس قدر بھی نعمتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں اگرچہ ان میں سے بعض نعمتیں مخلوقِ خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً وہ اللہ ہی کے حکم، اُس کے ارادے اور اُس کے احسان کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔

چونکہ تمام قسم کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں لہٰذا حقیقتاً وہی محمود ہے کیونکہ اسی کی مشیّت و قدرت، جود و سخا اور اس کے خاص فضل و کرم سے وہ نعمتیں میسّر ہوئیں۔

فَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ

وہی صاحبِ فضل و کرم ہے اور اسی کے لیے اچھی تعریف ہے

اللہ فرماتا ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ (نحل - ۵۳)

تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو۔

جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کا سوال کرتا ہے اور مطلوبہ سوال پورا نہیں ہوتا تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی خاص وقت تک کے لیے اسے مؤخر بھی کر دیا جاتا ہے۔ یا اس سے جو کچھ مانگا گیا تھا اس سے کہیں زیادہ دینا مقصود ہوتا ہے۔

فَتَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

ولِمُسلمٍ : وَ لْيُعْظِمِ الرَّغْبَةَ فَإِنَّ اللهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ أَعْطَاهُ۔

صحیح مُسلم میں یہ الفاظ ہیں :

"اپنے ربّ تعالیٰ سے بڑے وثُوق سے سوال کرے کیونکہ اُس کے سامنے کوئی چیز بڑی نہیں ہے۔

قولہٗ : وَلْيُعْظِمِ الرَّغْبَةَ :

یعنی اپنی ضرورت اور حاجت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم اور اپنی جود وسخا کی بنا پر وہ بڑے بڑے انعام واکرام کرتا ہے اور جو کچھ وہ عطا فرماتا ہے اس کے سامنے وہ بالکل حقیر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ انعام مخلوق کے ہاں بہت ہی بڑا کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔

کیونکہ مخلوق سے وہی چیز طلب کی جاتی ہے جس کا دینا اس کے لیے آسان ہو۔ بخلاف ربّ العالمین کے کیونکہ اس کی دین اور عطا صرف اُس کے کلام مبارک کے تحت ہے جیساکہ فرمایا

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ۝ (یٰسٓ - ۸۲)

سوائے اس کے نہیں کہ اس کا حکم ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔

پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کا مخلوقِ خدا اندازہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مُشکل کشا نہیں اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا رب ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلنَّهْىُ عَنِ الْإِسْتِثْنَآءِ فِى الدُّعَآءِ۔

① دُعا میں "اگر تو چاہے" نہ کہنا چاہیے۔

الثانیۃ: بَيَانُ الْعِلَّةِ فِي ذٰلِكَ۔

② اس کے سبب کا بیان۔

الثالثۃ: قوله :- لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ۔

③ سوال پورے وثوق سے کرنا چاہیے۔

الرابعۃ: إِعْظَامُ الرَّغْبَةِ

④ رغبت زیادہ ہونی چاہیے۔

الخامسۃ: أَلتَّعْلِيلُ لِهٰذَا الْأَمْرِ۔

⑤ اس کی وجوہات کا بیان

بَابُ
لَا يَقُوْلُ عَبْدِيْ وَاُمَتِيْ

اس باب میں

اِس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام کو "میرا بندہ، میری لونڈی" نہ کہے

فی الصّحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَقُلْ أَحَدُکُمْ أَطْعِمْ رَبَّکَ وَ ضِّئْ رَبَّکَ ، وَ لْیَقُلْ سَیِّدِیْ وَ مَوْلَایَ۔

صحیح (مسلم) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ "اپنے ربّ کو کھانا کھلا۔ اپنے ربّ کو وضو کروا" البتہ یوں کہیں کہ میرا سردار، میرا آقا۔

قولہ: وَفِی الصَّحِیْحِ

زیرِ نظر حدیث میں جن الفاظ کے استعمال سے روکا گیا ہے اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے مستعمل ہوتے ہیں، پھر بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید میں پختگی پیدا کرنے اور شرک کے سدِ باب کے لیے ان کو استعمال کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ ان کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ لفظی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس سے روکنے کی وجہ محض یہ ہے کہ ربِّ کریم ہی اپنے تمام بندوں کا ربّ ہے اور یہ لفظ جب کسی دوسرے کے لیے بولا جائے گا تو اس میں اِسمی مشارکت اور مشابہت پائی جائے گی۔ اس معمولی مشابہت کو بھی ختم کرنے کے لیے ان الفاظ کو استعمال کرنے سے روک دیا گیا۔ اگرچہ یہ الفاظ استعمال کرتے وقت متکلّم کا مقصد شرک فی الرُّبوبیّت نہیں ہوتا جو خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ متکلّم کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی ملکیت ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

پس خالق اور مخلوق کے درمیان شرکت کے معمولی سے شائبہ کو بھی ختم کرنے کے لیے اور توحید کی کامل حفاظت اور شرک کے موذی مرض سے دُور رہنے کے لیے اگرچہ لفظاً ہی کیوں نہ ہو، ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع فرما دیا گیا۔ اِس سے شریعت اسلامیہ کا مدعائے احسن یہ ہے کہ ایسے الفاظ

اور کوئی شخص اپنے غلام کو میرا بندہ اور میری لونڈی نہ کہے بلکہ یہ کہے کہ میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ۔

استعمال نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے اور مخلوق سے مشابہت کا پہلو دُور ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے قائم مقام الفاظ بھی فرمائیے ہیں، جیسے سَیِّدِیْ وَ مَوْلَایَ وغیرہ
اسی طرح عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ وغیرہ الفاظ کے استعمال سے بھی روک دیا ہے کیونکہ تمام مرد عورتیں اللہ کے غلام ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم - ۹۳)

زمین اور آسمان کے اندر جو بھی ہیں سب اُس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔

ان دونوں جملوں کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنے سے شرکتِ لفظی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ کریم کی عظمت وجلالت، اس کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شرک سے بُعد واجتناب کی خاطر اور توحید میں پختگی کے پیشِ نظر ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے اور فرمایا کہ ان الفاظ کے بجائے
فَتَایَ . فَتَاتِیْ اور غُلَامِیْ جیسے الفاظ استعمال کر لیا کرو۔ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے اہم مضمون کو انتہائی مضبوط اور مستحکم دلائل سے واضح فرمایا ہے۔
پس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ بات صاف الفاظ میں بیان فرمائی جس میں اُمت کی خیر خواہی اور بھلائی مضمر تھی اور ہر اُس عمل سے منع فرمایا جس سے ایک مسلمان کے دین میں نقص

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ: أَلنَّهْيُ عَنْ قَوْلِ: عَبْدِي وَ اَمَتِي۔

① عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ کہنے سے منع کرنا۔

الثانیۃ: لَا يَقُوْلُ الْعَبْدُ: رَبِّيْ وَلَا يُقَالُ لَهٗ: أَطْعِمْ رَبَّكَ۔

② غلام اپنے آقا کو ربّی کہہ کر نہ پکارے اور اسی طرح غلام کو بھی یہ نہ کہنا چاہیے کہ اپنے ربّ کو کھانا کھلا۔

پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ پس ہر بھلائی کی طرف راہنمائی فرمائی خصوصاً توحید کی طرف نیز ہر شر سے آگاہ فرمایا خصوصاً اس سے جو لفظی طور سے شرک کے قریب لے جائے۔ اگرچہ اس کا دلی مقصد شرک کرنا نہ بھی ہو۔ وباللہ التوفیق

الثالثۃ تَعْلِيمُ الْأَوَّلِ قَوْلَ : فَتَایَ وَ فَتَاتِي وَ غُلَامِي۔

③ مالک اور آقا کو یہ تعلیم دی کہ وہ فَتَایَ ، فَتَاتِیْ اور غلامی کے الفاظ استعمال کرے۔

الرابعۃ تَعْلِيمُ الثَّانِي قَوْلَ : سَيِّدِي وَ مَوْلَايَ۔

④ اور غلام کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنے آقا کو سَیِّدِیْ اور مولای جیسے الفاظ کہہ کر پکارے۔

الخامسۃ أَلتَّنْبِيهُ لِلْمُرَادِ وَ هُوَ تَحْقِيقُ التَّوْحِيدِ حَتّٰى فِي الْأَلْفَاظِ۔

⑤ سب سے اہم بات جو اس باب میں بیان کی گئی وُہ یہ ہے کہ توحید میں پختگی اور نکھار انتہائی لازمی ہے اگرچہ اس کا تعلق صرف الفاظ سے ہی ہو۔

باب

لا یردّ من سأل باللہ

اِس باب میں

یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیکر سوال کرتا ہے۔ اس کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹایا جائے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
مَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوهُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مانگے اُسے دو۔

قولہ مَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوهُ

زیرِ نظر حدیث کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب کوئی سائل اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اس کو خالی ہاتھ واپس کرنا منع ہے۔

یہ سوال کتاب و سنّت کی روشنی میں تفصیل کا محتاج ہے۔ جیسا کہ کوئی سائل سوال کرے اگر سائل ایسی چیز میں سے طلب کرے جس میں اسکا حق بھی ہو جیسے بیت المال تو اس کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اعانت کرنا واجب ہے پس اس کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کی اعانت کرنا واجب ہے یا کوئی سائل کسی شخص کے زائد مال میں سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کہے تو صاحبِ مال کو سائل کی ضرورت کے مطابق اس کی حاجت روائی کرنا احسن ہے۔

البتہ وہ مسئول جس کے پاس زائد مال نہیں ہے تو وہ سائل کی ضرورت کو اس انداز سے پورا کرے کہ نہ تو وہ خود تکلیف میں پڑے اور نہ اس کے اہل و عیال کو کوئی تکلیف محسوس ہو۔

اور اگر سائل کسی اضطراری حالت میں گرفتار ہے تو اس کی اس تکلیف کو رفع کرنا واجب ہے۔ اپنے مال کو خرچ کرنا شریعتِ اسلامی کے اعلیٰ اور ارفع مقامات میں سے ایک بلند ترین مقام ہے۔ اس سلسلے میں جود و سخا کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف درجات ہیں۔

جود و سخا کے مقابلے میں بخل اور کنجوسی کا درجہ ہے۔ جود و سخا کتاب و سنت کی روشنی میں لائقِ تحسین اور عملِ محمود ہے اور بخل و کنجوسی کو اسلام انتہائی بُری نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی واشگاف الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

اللہ کریم اپنے بندوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مال کو خرچ کریں، کیونکہ اس کا نفع بہت ہی زیادہ ہے اور اس کے اجر و ثواب میں اس سے بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم اپنے بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَمَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے نام سے پناہ طلب کرے اُسے پناہ دو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (البقرہ - ۲۶۷)	اے ایمان لانے والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصّہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو۔ حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اُسے لینا گوارا نہ کرو گے اِلّا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متّصف ہے۔
اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ - ۲۶۷، ۲۶۸)	شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی اُمید دلاتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ترغیب دی

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ (الحدید - ۷)	اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔

اور یہ انفاق فی سبیل اللہ ان نیک خصال میں سے ہے جن کا آیتِ ذیل میں ذکر ہے۔

اللہ کریم فرماتا ہے

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا	نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے
وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف،
وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ	اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ	اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى	اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا دل
الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي	پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر،
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	مسکینوں اور مسافروں پر مدد کے
وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ	لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں
وَفِي الرِّقَابِ (البقرۃ - ۱۷۷)	کی رہائی پر خرچ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اصولِ ایمان اور نماز کے درمیان انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اس عمل کا اجر و ثواب اور اس کا نفع کئی گنا بڑھتا رہتا ہے یہ وہ اعمال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ	بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مُسلم ہیں،
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	مومن ہیں۔
وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ	مطیعِ فرمان ہیں،
وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ	راست باز ہیں۔
وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ	صابر ہیں۔
وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ	اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔
وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ	صدقہ دینے والے ہیں۔
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ	روزہ رکھنے والے ہیں۔
وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ	اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے
وَالْحَافِظَاتِ	ہیں۔

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا	اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے
وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ	والے ہیں۔
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً	اللہ نے ان کے لیے
وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الاحزاب-۳۵)	مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام حتیٰ کہ مستورات کو بھی صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے کیونکہ اس میں امت کی خیر خواہی پنہاں ہے اور ان کے دینی اور دنیوی دونوں فائدے موجود ہیں۔

انصار مدینہ کی اسی خوبی اور عادتِ حسنہ پر اللہ کریم نے ان کی تعریف فرمائی ہے ارشادِ باری ہے

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ	ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ	یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○	لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(الحشر-۹)

مومن شخص کی عمدہ ترا اور بہترین عادات میں سے ایثار افضل ترین اور اعلیٰ عادت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے واضح ہے۔

ایثار ہی کے متعلق اللہ کریم اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى	اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور
حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ	قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان
اَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ	سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ
لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ	کی خاطر کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ
جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○	کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

(الدھر - ۸، ۹)

فضیلت صدقہ سے متعلق بے شمار آیات قرآنی اور احادیثِ نبوی موجود ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں کامیاب ہو تو اسے اس عمل صالح میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے اور دوسروں کو اس کی طرف ترغیب دلانی چاہیے وباللہ التوفیق ۔

اور جو شخص دعوت دے اُسے قبول کرو۔ اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کا بدلہ دو۔

قولہ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ :

مسلمانانِ عالم کے آپس میں ایک دوسرے پر بے شمار حقوق ہیں جن کا تذکرہ شریعت اسلامی میں وجود ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے کہ جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی تمہاری دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرو، کیونکہ یہ مسلمانوں کے درمیان باہمی الفت و محبت کے بڑھنے کے اسباب میں سے ہے۔

قولہ وَمَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَّعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ جو شخص تم سے احسان اور بھلائی کرے اس سے تم بھی بھلائی کرو۔ یہ ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا پسند ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہے۔ احسان اور بھلائی کا بہتر بدلہ دینے سے کوئی کمینہ اور ذلیل شخص ہی اعراض کر سکتا ہے اور بعض لوگوں کی کمینگی تو اس حد تک جا پہنچی ہے کہ وہ احسان اور بھلائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی نخالت اور کمینگی سے دنیا اور آخرت میں محفوظ رکھے آمین

لیکن اہلِ ایمان اور متقی لوگوں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ احسان اور بھلائی سے دیتے ہیں۔ ان کا واحد اور بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کریم راضی رہے کیونکہ اس کا حکم ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ○ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ (المؤمنون - ۹۶، ۹۷، ۹۸)	(اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) برائی کا بدلہ اچھائی سے دو۔ ہم ان کی گفتگو کو خوب جانتے ہیں اور یہ کہا کرو کہ اے میرے پروردگار! میں شیاطین کی چھیڑ چھاڑ سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ یہ میرے پاس آئیں۔

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْنَهُ فَادْعُوْا لَهُ حَتّٰى تُرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ -

رواہ ابوداؤد، والنسائی بسند صحیح

اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لیے اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اس کا بدلہ چکا دیا گیا ہے۔

دوسرے مقام پر اس کی یوں وضاحت فرمائی۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ (حم السجدۃ - ۳۴، ۳۵)

برائی کا بدلہ اچھائی سے دیجیے پھر دیکھنا تمہارا دشمن بھی تمہارا مخلص دوست بن جائے گا۔ یہ صفت ان ہی لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور بہت ہی خوش قسمت ہیں۔

یہ صفات اُن خوش نصیب افراد کی بیان کی گئی ہیں جن کے حصے میں اللہ تعالےٰ شروع ہی سے سعادت ابدی مقرر فرما چکا ہے۔

قولہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا :

وہ کمزور مسلمان افراد جو کسی کے احسان اور بھلائی کا بدلہ نہیں دے سکتے، ان کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے محسن کے لیے دعائے خیر کیا کریں اور اتنی کثرت سے دعا کریں کہ خود ان کو یقین ہو جائے کہ وہ احسان کا بدلہ چکا چکے ہیں۔ یہ دعا احسان کا بدل ہو جائے گی۔

قولہ حَتّٰی تُرَوْا

لفظ تروا بضم التاء ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ

"تم خیال کرنے لگو کہ تم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے"

اور یہ بھی احتمال ہے کہ بفتح التار ہو تو پھر اس کے معنی ہوں گے کہ

"تم جان لو کہ اس کا بدلہ تم نے دے دیا ہے"

ابوداود میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں

تَعْلَمُوْا کے الفاظ ہیں۔

اس وضاحت کے بعد دوسرے معنی متعین ہو گئے۔

ابوداود میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔

مَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ فَاَجِيْبُوْهُ — جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تم سے سوال کرے، اس کا سوال پورا کرو۔

سنن ابی داود میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

مَنْ سَأَلَكُمْ بِوَجْهِ اللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ — جو شخص اللہ کریم کا واسطہ دے کر تم سے سوال کرے، اُس کو دو۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولی إِعَاذَةُ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ۔

① جو شخص اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اس کو پناہ دینا۔

الثانیۃ إِعْطَاءُ مَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ۔

② جو شخص اللہ کریم کا نام لے کر سوال کرے اس کی ضرورت کو پورا کرنا۔

الثالثۃ إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ۔

③ اپنے مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا۔

الرابعۃ أَلْمُكَافَأَةُ عَلَى الصَّنِيعَةِ۔

④ کسی کے احسان اور بھلائی کا بدلہ دینا۔

الخامسۃ أَنَّ الدُّعَاءَ مُكَافَأَةٌ لِّمَنْ لَّمْ يَقْدِرْ إِلَّا عَلَيْهِ۔

⑤ جو شخص احسان کا بدلہ احسان سے نہ دے سکے، اس کے لیے دعا کرنا بھی احسان کا نعم البدل بن جائے گا۔

السادسۃ حَتّٰى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ۔

⑥ یعنی اتنی کثرت سے دعا کرو کہ خود تمہیں یقین ہو جائے کہ احسان کا بدلہ اتر چکا ہے۔

باب
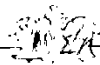
لا يسأل بوجه الله إلا الجنة

اس باب میں

اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے
کہ اللہ کا واسطہ دے کر جنت کے
سوا اور کوئی سوال نہ کیا جائے

عن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ إِلَّا الْجَنَّةُ -(رواہ ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے صرف جنت ہی مانگنی چاہیے۔

قوله لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ إِلَّا الْجَنَّةُ

سوال :-

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لیے طائف تشریف لے گئے اور اہل طائف نے آپ کی دعوت کو بجائے قبول کرنے کے ٹھکرا دیا اور انتہائی بدسلوکی سے پیش آئے۔ طائف سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں کیں جن میں جنّت کا ذکر نہیں ہے۔ جیسے

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ	اے اللہ! میں اپنی طاقت کی کمزوری،
قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ	تدبیر کی درماندگی اور لوگوں کے سامنے
وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ	اپنی ناتوانی کا شکوہ تیری ہی بارگاہِ قدس
اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَ	میں پیش کرتا ہوں۔ تو ہی کمزوروں کا
اَنْتَ رَبِّيْ، اِلٰى مَنْ	ربّ ہے اور تو ہی میرا ربّ ہے۔ تو
تَكِلُنِيْ ؟ اِلٰى بَعِيْدٍ	مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ کسی دُور کی
يَتَجَهَّمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ	طرف جو مجھ کو مایوس کردے یا کسی دشمن
مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ ؟ اِنْ لَّمْ	کی طرف تو میرا معاملہ سپرد کرے گا؟ اگر
يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ	مجھ پر تیری ناراضی نہ ہو تو مجھے کسی قسم کی
فَلَا اُبَالِيْ غَيْرَ اَنَّ	کوئی پروا نہیں ہے۔ ہاں مجھ پر تیری
عَافِيَتَكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ	عافیت کا سایہ میرے لیے بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ	میں تیرے اُس چہرے کے نور کی پناہ
اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ	لیتا ہوں جس سے سب اندھیرے
وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا	روشن ہو جائیں اور دنیا اور آخرت
وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيَّ	کے کام سنور جائیں۔ میں تیری
غَضَبُكَ اَوْ اَنْ يَّنْزِلَ	پناہ لیتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل
بِیْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى	ہو۔ یا تیری ناراضی مجھ پر اترے۔ تیری
حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ	ہی چوکھٹ ہے، تو مجھ سے راضی ہو جا اور
وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ[1]	اللہ کی توفیق کے سوا نہ گناہ سے بچنا ہے
	اور نہ نیکی کی طاقت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکار میں مندرجہ ذیل دعا بھی موجود ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَحَقُّ مَنْ	اے اللہ تو سب سے زیادہ ذکر کیے جانے
ذُكِرَ وَاَحَقُّ مَنْ عُبِدَ	اور سب سے زیادہ عبادت کیے جانے
	کا مستحق ہے۔

اس دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ	میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں
اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَ	جس سے سب آسمان اور زمین روشن
الْاَرْضُ	ہیں۔

یہ دعا ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللهِ الْكَرِيْمِ	میں اللہ کریم کے چہرے اور اللہ عظیم کے
وَبِاسْمِ اللهِ الْعَظِيْمِ	نام اور اس کے پورے کلمات کی پناہ
وَبِكَلِمَاتِهِ التَّامَّةِ	لیتا ہوں موت اور ڈسنے والی چیزوں
مِنْ شَرِّ السَّامَّةِ	کی برائی سے اور اے رب ہر اس چیز
وَاللَّامَّةِ وَمِنْ شَرِّ مَا	کی برائی سے جو تو نے پیدا کی اور اس
خَلَقْتَ اَیْ رَبِّ وَ مِنْ	دن کی برائی سے اور اس کے بعد کی

[1] رواہ ابن اسحاق والطبرانی عن عبداللہ بن جعفر

شَرِّ هٰذَا الْيَوْمِ وَ مِنْ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ وَ مِنْ شَرِّ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ — برائی سے اور دنیا اور آخرت کی برائی سے۔

احادیثِ مرفوعہ میں صحیح اور حسن اسناد سے ان ادعیہ کے علاوہ بھی دعائیں مذکور ہیں جن میں جنّت کی طلب کا ذکر نہیں ہے۔ ان کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟

جواب :

ان ادعیۂ ماثورہ میں اگرچہ بظاہر جنّت کا سوال نہیں ہے، لیکن ایسے اعمال و افعال کا ذکر موجود ہے جو جنّت کے قُرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنتے ہیں اور ایسے اعمال سے اجتناب کا سوال بھی موجود ہے جو دخولِ جنّت کے لیے رکاوٹ ثابت ہوں۔ پس ان ادعیہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرے اور اُس کے نُور کے واسطہ سے اُن ہی اعمال کے انجام دینے کی توفیق مانگی گئی ہے جو جنّت کے قُرب کا ذریعہ ہیں۔

جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں یہ دعا مذکور ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا يُقَرِّبُ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّ عَمَلٍ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَ مَا يُقَرِّبُ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّ عَمَلٍ

اے اللہ میں تجھ سے جنّت کا سوال کرتا ہوں اور اُن اقوال و اعمال کا جو مجھے جنّت کے قریب کر دیں اور میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ سے اور اُن اقوال و اعمال سے جو آگ کے قریب کریں۔

یہ دعائیں ان لوگوں کی دعاؤں سے بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہیں جو صرف دنیا کا مال و متاع، رزق میں وُسعت اور دنیاوی زیب و زینت کی دعائیں کرتے ہیں۔

بلاشبہ دنیا کا مال و متاع اگر نجاتِ اُخروی کے لیے استعمال کیا جائے تو بہت ہی مستحسن عمل ہے۔ جس کا ان ادعیہ میں ذکر آگیا ہے۔

پس اس میں شک نہیں کہ اللہ کریم کے نام سے صرف دنیاوی حوائج طلب کرنے کے بارے میں یہ حدیث ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زیرِ نظر حدیث اور ان مذکورہ

ادعیہ میں کوئی تعارض، تناقض اور اختلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم

زیرِ نظر حدیث اُن احادیثِ متواترہ میں سے ایک ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات پایا جاتا ہے۔ یہ صفتِ کمال ہے اور اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ناقص چیز سے اللہ کریم کو تشبیہ دی جائے۔ جیسا کہ بعض فرقِ باطلہ نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا انکار کیا۔ یا بعض صفات سے منکر ہو گئے۔ لہٰذا جس گناہ سے وہ بچنا چاہتے تھے اُس سے بڑے اور سنگین جرم میں مبتلا ہو گئے۔

تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

اہلِ سُنت کا سلفاً و خلفاً یہ دستور رہا ہے کہ وہ صفات جن کا ذکر ربِ کریم نے خود اپنی کتاب میں کیا ہے یا رسول کریم ﷺ نے جو صفات ربِ کریم کی بیان فرمائی ہیں اُن پر مکمل ایمان لایا جائے اور ان صفات کو تمثیل اور تشبیہ سے بالکل پاک اور صاف رکھا جائے۔

اہلِ سُنت اُن تمام صفات کو تسلیم کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے یا رسُولِ اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں اور مخلوق کی مشابہت سے مبرّہ سمجھتے ہیں۔ جیسے اللہ کریم کی ذات کو بلا تمثیل و تشبیہ مانتے ہیں، اسی طرح اس کی صفات کو بھی بلا تمثیل و تشبیہ تسلیم کرتے ہیں۔

پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا یوں سمجھیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کمال کا انکار کیا۔

فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ أَلنَّهْيُ عَنْ أَنْ يُّسْأَلَ بِوَجْهِ اللهِ إِلَّا غَايَةُ الْمَطَالِبِ۔

(۱) اللہ کریم کے نام سے انتہائی اہم اور بڑے بڑے سوال ہی کرنے چاہئیں۔

الثانیۃ إِثْبَاتُ صِفَةِ الْوَجْهِ۔

(۲) اللہ تعالیٰ کیلئے صفت چہرہ کا ثبوت

باب

ما جاء في اللو

اس باب میں

انسان کو مصائب و مشکلات کے وقت صبر و بُردباری اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے
اور جو لوگ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے آپ کو تقدیر کی گرفت سے
آزاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے

قولہ تعالیٰ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔

(آل عمران : ۱۵٤)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے

مصائب و مشکلات کے وقت جزع فزع کرنا شریعتِ اسلامیہ میں منع ہے اور اس پر سخت ترین وعید سنائی گئی ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا فریضہ انجام دے۔ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور سخت ترین حالات میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے۔ کیونکہ ایمان کے چھ اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کا تقدیرِ الٰہی پر کامل ایمان ہو۔

قولہ : يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ :

جنگِ اُحد میں خوف اور بزدلی اور ڈر سے منافقین نے یہ جملہ کہا تھا۔

ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جنگِ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھا اور دشمن کا زبردست خوف تھا کہ اچانک ہم پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور ہم میں سے ہر مجاہد کی ٹھوڑی غلبۂ نیند کی بنا پر سینے سے لگ گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ بخدا! میں نے معتب بن قشیر منافق کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا — اگر ہمارے بس کی بات ہوتی ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے۔

اس سے سُن کر یہ الفاظ میں نے اچھی طرح یاد کر لیے۔ چنانچہ اسی پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا — وُہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے۔ (رواہ ابن ابی حاتم)

قولہ تعالیٰ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۔

(آل عمران : ۱۶۸)

ان کے جو بھائی بند لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ: اگر وہ ہماری مان لیتے تو نہ مارے جاتے ۔

اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے ۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی
لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا
الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف
ضرور نکل آتے ۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تقدیر الٰہی تھی جس سے کسی کو مفر نہیں ۔ اور یہ ایسا فیصلہ کن امر تھا جس کا بہرکیف پورا ہونا ضروری تھا ۔

مصنف رحمہ اللہ نے لَوْ پر حرف تعریف یعنی الف لام داخل کیا ہے اور اس مقام پر اس سے وہ تعریف مستفاد نہیں ہے جس کی نظائر و امثال پیش کی جاتی ہیں ۔ یہاں یہ لفظ ہی مراد ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ۔

رَاَيْتُ الْوَلِيْدَ بْنَ الْيَزِيْدِ مُبَارَكًا شَدِيْدًا بِاَعْبَاءِ الْخِلَافَةِ كَاهِلُهٗ

(میں نے ولید بن یزید کو مبارک دیکھا کہ اس کے کندھے خلافت کی عبا سے مضبوط ہیں)

یہاں دیکھو ولید اور یزید پر الف لام داخل کیا گیا ہے ۔ اب الف لام سے زیادہ وہ کیا تعریف ہوگی ۔

قولہ : اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ :

منافقین نے کہا کہ اگر یہ لوگ جنگ نہ کرنے کے بارے میں ہمارا مشورہ قبول کر لیتے اور اپنے گھروں سے نہ نکلتے تو یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی ۔

اس کے جواب میں اللہ کریم نے فرمایا ۔

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اُسے ٹال کر دکھا دینا۔

یعنی گھر بیٹھنے سے موت سے نجات مل سکتی ہے تو تمہیں بالکل نہیں مرنا چاہیے اور یاد رکھو! کہ موت بہرحال آنی ہے۔ اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں جا کر پناہ لے لو۔ اگر تمہارے قول میں سچائی کی ذرا سی مقدار بھی باقی ہے تو موت سے بچ کر تو دکھلاؤ۔؟

مجاہد رحمہ اللہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"زیرِ نظر آیت کریمہ مشہور منافق عبد اللہ بن ابیّ اور اُس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔"

یعنی یہ الفاظ عبد اللہ بن ابیّ نے کہے تھے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ اُحد کا نقشہ یوں بیان فرمایا کہ

جنگِ اُحد کے میدان میں ہم دشمن کے مقابلہ میں صف آرا تھے کہ ہم پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی یہاں تک کہ میری تلوار ہاتھ سے بار بار گرتی اور میں اُسے بار بار پکڑتا۔ اور منافقین کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدابیر میں مصروف تھے۔ ساری فوج میں زیادہ بزدل ڈرنے والے اور حق و انصاف کو پامال کرنے میں پیش پیش یہی لوگ تھے۔ (اللہ کریم کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا تھے یہ خالص جاہلیت کی عادت ہے) منافقین کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار ہو کر رہ گیا۔[1]

قولہ: قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ :

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"غزوۂ اُحد کے موقع پر مشہور منافق عبد اللہ بن ابیّ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اپنے دُوسرے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ

---

[1] یعنی ان منافقین کو اپنی جان کی لگی ہوئی تھی اس لیے ان پر غنودگی طاری نہیں ہوئی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جاہلیت کی سی بدگمانی کرنے لگے۔

يَدَعُ رَأْيِي وَ رَأْيَهُ — دیکھیے نہ تو اپنی بات پر عمل کیا اور نہ
وَ اَخَذَ بِرَأْيِ الصِّبْيَانِ — میری بات کو تسلیم کیا۔ بلکہ بچوں کی رائے کو اوّلیت دی۔

اس منافق کی یا وہ گوئی سُن کر بہت سے سادہ دِل مُسلمان اس کے ساتھ ہو گئے۔ جو اس سے قبل منافق نہ تھے۔ بلکہ وُہ مُسلمان تھے اور ان کے دِلوں میں ایمان تھا ایمان ایک ایسا نُور ہے جس کی مثال قرآنِ کریم میں متعدد بار بیان کی گئی ہے۔ اگر یہ لوگ اس امتحان اور نفاق سے قبل فوت ہو جاتے تو ان کی موت اسلام پر متصور ہوتی۔ البتہ ان کا ایمان اس مرتبہ کا نہ ہوتا جن کا امتحان ہوا اور وُہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے اور نہ یہ ان منافقین کی طرح ہوتے جو آزمائش کے وقت مُرتد ہو گئے تھے۔

آج کل اکثر مسلمانوں کا تقریباً یہی حال ہے کہ بوقت آزمائش اُن کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں جس سے ایمان میں کمزوری اور نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں کی اکثریت اپنے اُوپر ردائے نفاق اوڑھ لیتی ہے اور بعض تو دشمن کے غلبہ اور طاقت سے مرعوب ہو کر ارتداد کا برسرِ عام اعلان کر دیتے ہیں۔

یہ بات ہمارے اور دوسرے لوگوں کے ذاتی تجربہ میں بھی آچکی ہے کہ اگر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو اور کسی بڑی تکلیف کا سامنا نہ ہو تو پھر ایسے کمزور لوگ مسلمان ہی رہتے ہیں۔ ظاہراً اور باطن میں انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن ایسا ایمان آزمائش کے وقت ثابت نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ فرائض کے تارک اور محارم کے دلدادہ ہوتے ہیں اور یہی وُہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہا گیا کہ

لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ — تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور تمہارے دِلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔

اس آیت میں اس ایمان کا ذکر ہے جو سچے مومنین کا امتیازی نشان ہے۔ کتاب و سُنّت میں جب بھی ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی

وفی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ وَ اسْتَعِنْ بِاللّٰہِ

صحیح (مسلم) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نفع بخش چیز کی حرص کر اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ

ایمان مراد ہوتا ہے۔ ایسے سچے مومنین آزمائش اور امتحان کے وقت شکوک و شبہات کا شکار نہیں ہوتے، اِس لیے کہ یہ چیز تو ایمان کو کمزور کر دیتی ہے"

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس قسم کے کمزور ایمان والے لوگوں کا مشاہدہ ہم نے بھی کیا ہے کہ دشمن کی قوت وطاقت اور ان کا غلبہ دیکھ کر ان لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف اُن کی مدد کی اور دینِ اسلام کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے عداوت اور دُشمنی کا علی الاعلان اظہار کیا اور پھر انہوں نے اسلام کے نُور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ یہ ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام میں سے اہم افراد کو ختم کیا جائے۔ واللہ المستعان

قولہ : اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ :

مصنف رحمہ اللہ نے حدیث کا ایک حصّہ ذکر فرمایا ہے۔ پُوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ	طاقت ور مؤمن کمزور مؤمن سے بہرحال اللہ کے ہاں بہتر اور محبوب ترین ہوتا ہے۔
وَفِیْ کُلٍّ خَیْرٌ اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ	ہر ایک میں بھلائی ہے اپنے لیے نفع بخش چیز کی رغبت رکھو۔

وَ لَا تَعْجَزَنَّ

اور عاجز نہ بن۔

یعنی ایسے اعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جن سے دنیوی فائدہ اور اخروی نجات ممکن ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ ایسے اسباب کی تلاش میں رہے جو دُنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ مند ہوں۔ یعنی جن اسباب و ذرائع کو شریعتِ اسلامیہ نے واجب مستحب یا مباح قرار دیا ہے ان کو ترک نہ کیا جائے۔ بلکہ ان سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا جائے۔ بندہ کو یہ بھی چاہیے کہ وُہ اسباب کو بروئے کار لاتے وقت صرف اللہ کریم سے استقامت اور مدد طلب کرے اور اللہ کے سوا تمام مخلوق سے اعراض کرے اور منہ پھیرے تاکہ یہ اسباب اس کے لیے صحیح فائدہ مند ثابت ہوسکیں۔ اس سلسلے میں اللہ پر اعتماد کا ثبوت بہم پہنچائے۔ کیونکہ ربِّ کریم نے ہی ان اسباب کو پیدا فرمایا ہے۔ اُس وقت تک کوئی سبب کارآمد نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ کریم نفع دینے پر راضی نہ ہو۔ اِس صورت میں اسباب پر اعتماد بھی حقیقتاً اللہ پر ہی اعتماد متصوّر ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ

اسباب کو بروئے کار لانا سُنّت اور اللہ کریم پر توکّل کرنا توحید ہے۔ جس خوش نصیب میں یہ دونوں صفتیں جمع ہوجائیں گی ان شاء اللہ وُہ اپنی مُراد سے دامن بھرلے گا۔

قولہ : وَ لَا تَعْجَزَنَّ یہ نون تاکید خفیفہ کا ہے۔

رسُولِ اکرم ﷺ نے عجز سے منع فرمایا۔ بلکہ اس کی مذمت کی کیونکہ عقلاً اور شرعاً دونوں لحاظ سے یہ مذموم ہے۔ رسُولِ اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ	عقل مند وہ ہے جسے اپنے نفس پر مکمل گرفت ہو اور وہ موت کے بعد (والی زندگی) کے لیے عمل کرے
وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ	اور عاجز و درماندہ وُہ بدنصیب ہے جو اپنے آپ کو خواہشات کا

وَ إِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ : لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا وَ كَذَا لَكَانَ كَذَا وَ كَذَا۔ وَ لٰكِنْ قُلْ : قَدَّرَ اللهُ وَ مَا شَآءَ فَعَلَ۔ فَإِنَّ : "لَوْ"۔ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطٰنِ۔

اور کسی وقت اگر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو یہ نہ کہا کرو "اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا" بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا اور جو اُس نے چاہا وہی ہوا کیونکہ "اگر" شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

اَلْاَمَانِیَّ[1] تابع بنالے اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی آرزوئیں لگاتے رکھے۔

زیرِ نظر حدیثِ پاک میں رسول اللہ ﷺ نے اِس بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہے کہ جب کوئی اِنسان تکلیف دہ حالات میں گھر جائے تو اُسے یہ نہ کہنا چاہیے کہ

"اگر مَیں یوں کرتا تو یُوں ہوتا۔"

بلکہ ایک سچّے مُسلمان کو یہ کہنا چاہیے کہ

"ربّ کریم نے جو مقدّر میں لکھا تھا ہو کر رہا۔"

مطلب یہ ہوا کہ تقدیر کو تسلیم کرے۔ اُس پر دل وجان سے راضی رہے اور پھر اس پر اجر و ثواب کی اُمید بھی رکھّے۔

قولہٗ : فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ[1]

اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس قسم کے الفاظ سے فوت شدہ چیز پر افسوس، حسرت

---

[1] رواہ احمد والترمذی وحسنہ والحاکم وقال: صحیح علی شرط البخاری۔

اور تقدیر الٰہی کی مذمت کا پہلو پایا جاتا ہے، جو صبر و رضا کے بالکل مخالف ہے۔کیونکہ مصائبُ مشکلات پر صبر کرنا واجب اور تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ○

(الحدید - ۲۲، ۲۳)

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اُس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اُس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اُس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔

امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کتنا اچھا جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ

اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ

ایمان میں صبر کو وہی مقام حاصل ہے جو بدن میں سر کو ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نوّے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ پوری حدیث تحریر کرنے کے بعد اس کی وضاحت میں رقمطراز ہیں کہ

"جس عمل کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے اس سے ہمت نہ ہارے۔

اور جو مقدر میں لکھا جا چکا ہے اس پر جزع فزع نہ کرے۔"

اور بعض ایسے افراد بھی ہیں جن کے اندر یہ دونوں جرم بیک وقت پائے جاتے ہیں۔ لہذا

رسُولِ اکرم ﷺ نے مفید اعمال انجام دینے کی ترغیب، اور ان میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی تعلیم دی۔ الفاظِ حدیث میں صیغہ امر سے ارشاد فرمایا گیا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اگر وجوب نہیں تو استحباب کا ضرور مقتضی ہے۔ عجز سے خصُوصی طور پر روکتے ہُوئے فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ اللہ تعالیٰ بے ہمّتی پر ملامت کرتا ہے۔

اور عاجز لوگ اُن میں سے نہیں بلکہ اُن کی ضد ہیں جن کی قرآن نے صفتِ حسنہ بیان کی ہے۔

کہ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ (الشوریٰ) اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

لہٰذا صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور عجز سے روکا گیا ہے۔ اِن دونوں اعمال کا حکم کتاب وسنّت میں جا بجا ملتا ہے۔ کیونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں۔

۱۔ اِنسان کو بعض امور کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا مامور بہ اعمال کو دِل جمعی اور ذوق و شوق سے اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہُوئے انجام دے اور ہمّت نہ ہارے۔

۲۔ اگر بغیر کسی سبب کے اسے بعض مصائب و مشکلات سے واسطہ پڑے تو ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور صبر کا دامن کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ چھوڑے اور بے ہمّتی کو نزدیک نہ آنے دے۔

بعض عقلاء مثلاً ابن المقفع وغیرہ نے کہا ہے کہ

اُمور دو قسم کے ہیں۔

بعض ایسے امور ہیں جن کے انجام دینے کے لیے اسباب موجُود ہیں۔ ان میں اظہارِ عجز نہ کرو۔

۲۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن سے گلو خلاصی کے لیے کوئی ظاہری سبب نظر نہیں آتا۔ ایسے وقت میں جزع و فزع سے کام نہ لینا چاہیے۔

مذکورہ دونوں صُورتیں تمام امور میں ممکن ہیں۔ لیکن مؤمن ایسے اسباب کو بروئے کار لاتا ہے جن کا ربِّ کریم نے حکم دیا ہے۔ یا ان کو پسند فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے اعمال کرنے کا حکم دیتا ہے جو تحت الاسباب ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ پس اُس نے ہر عمل خیر کا حکم دیا ہے جن کے انجام دینے کے لیے اسباب موجُود ہیں اور جن میں اسباب کا فقدان ہے ایسے امور سے اگر کوئی تکلیف پہنچے

تو اس میں بندے کا کوئی قصور نہیں۔

لہٰذا حسنات اور سیأت مذکورۃ الصدر دونوں افعال پر مشتمل ہیں۔

حسنات کی مثالیں یہ ہیں۔

(۱) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (الانعام - ۱۶۱)	جو شخص اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اُس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اُس نے قصور کیا ہے۔
(۲) اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ (بنی اسرائیل - ۷)	دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وُہ تمہارے اپنے ہی لیے بھلائی تھی اور برائی کی تو وُہ تمہاری اپنی ذات کے لیے برائی ثابت ہُوئی۔
(۳) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ - ۴۰)	اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہے۔
(۴) بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ (بقرۃ - ۸۱)	جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطاکاری کے چکّر میں پڑا رہے گا وُہ دوزخی ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ انسان عمل و کردار کے بغیر یا تو انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ یا پھر کبھی مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے۔ ایسی صُورت کے متعلق اللہ کریم فرماتا ہے کہ

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ (النساء - ۷۹)	اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتی ہے۔ اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وُہ تیرے اپنے کسب وعمل کی بدولت ہے

ان دونوں قسم کی آیات میں حسنہ سے انعام واکرام اور سیّئۃ سے مصائب و مشکلات مراد ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"انسان اس بات کا مکلف نہیں ہے کہ وہ کسی کام کو کرنے سے پہلے تقدیر الٰہی کو دیکھنے اور جانچنے کی کوشش کرے بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ مصائب و مشکلات کے وقت صبر سے کام لے، راضی برضا رہے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ خواہ وہ اس میں دوسرے افراد کی وجہ سے ہی گھر جائے۔

کیونکہ اللہ کریم فرماتا ہے کہ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ (التغابن - ۱۱)

کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اذن ہی سے آتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو وہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ!

اَتَلُوْمُنِيْ عَلٰى اَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةٍ

مجھے اس بات پر ملامت کر رہے ہو جو میری تخلیق سے چالیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں مقدر کر دی تھی؟

فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى

یہ بات کہہ کر آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر دی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ جواب اس وقت دیا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے باپ آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ

لِمَا ذَا اَخْرَجْتَنَا وَ نَفْسَكَ مِنَ الْجَنَّةِ ؟[1]

آپ نے جنت میں سے ہم کو اور اپنے آپ کو کیوں نکالا۔؟

حضرت آدم علیہ السلام کو پھل کھانے سے جس آزمائش سے گزرنا پڑا اسی فعل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا۔ اس فعل کو گناہ سمجھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

[1] صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔

نے مندرجہ بالا جملہ نہیں کہا تھا۔

جن لوگوں نے اس کو گناہ خیال کیا ہے وُہ حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔کیونکہ آدم علیہ السلام نے اپنے کیے کی معافی مانگ لی تھی اور معافی مانگنے والے کے متعلق رسُول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ
اپنے کیے کی معافی مانگنے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسے اُس نے کوئی جرم ہی نہیں کیا۔

لہٰذا علمائے اُمّت کا اتفاق ہے کہ توبہ کرنے والے کو ملامت نہیں کرنی چاہیے“

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیرِ بحث حدیث ایمان کے بڑے بڑے اصُولوں پر مشتمل ہے۔ جیسے

۱۔ اللہ کریم محبّت کی صفت سے متصف ہے۔یہ اس کی حقیقی صفت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات کی مقتضیات اور ان سے مطابقت رکھنے والی چیزوں سے محبّت رکھتا ہے۔

○ وُہ زبردست طاقت والا ہے۔ لہٰذا طاقتور مؤمن سے محبّت کرتا ہے۔
○ وُہ اکیلا ہے اور طاق چیز کو پسند کرتا ہے۔
○ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔
○ وُہ علیم ہے اور علماء سے محبّت کرتا ہے۔
○ وُہ خود پاک ہے اور پاکیزگی وصفائی کو بہت پسند کرتا ہے۔
○ اُس کی صفت مومن ہے اور مؤمنین سے پیار کرتا ہے۔
○ وُہ خود محسن ہے اور احسان کرنے والوں کو چاہتا ہے۔
○ وُہ صابر ہے اور صبر کرنے والوں کو چاہتا ہے۔
○ وُہ شاکر ہے لہٰذا شکر کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے۔

۳۔ تیسرا اصُول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے محبّت کرتا ہے۔ لیکن اس کے مختلف درجات ہیں کسی سے محبت زیادہ اور کسی سے کم ہے۔

۴۔ انسان کی بھلائی اور سعادت اِس میں ہے کہ وہ ایسے اعمال پر حرص کرے جن سے

دین اور دُنیا میں فائدہ ہو۔ حرص یہ ہے کہ اپنی تمام قوتوں اور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فراخی اور وُسعت کی کوشش کرے۔ کیونکہ جب کسی کی حرص نفع مند ثابت ہو تو اس کی اس حرص کی تعریف و توصیف کی جائے گی۔ پس انسان کا کمال یہ ہے کہ وُہ اِن دونوں وصفوں کو یکجا جمع کرنے کی کوشش کرے۔

۱۔ پہلی صفت یہ کہ اُسے حریص ہونا چاہیے۔

۲۔ دُوسری صفت یہ کہ اس کی حرص ایسے اعمال کی طرف ہو جو نفع مند ہوں۔

اگر حرص کا رُخ بے فائدہ اور لاحاصل عمل کی طرف ہو گیا۔ یا بغیر حرص کے کوئی عمل سرزد ہو گیا تو اس عمل کے اسی قدر کمال میں نقص واقع ہو جائے گا جتنا کہ حرص میں کمی واقع ہو گئی۔ پس ثابت ہوا کہ بھلائی اسی میں ہے کہ ایسے اعمال کی حرص ہو جو نفع مند ہیں۔

چونکہ اِنسان کی تمام قسم کی خواہشیں اور اس کے افعال اللہ کریم کی مشیّت، اس کی مدد اور اس کی توفیق سے ہی ممکن ہیں۔ لہٰذا انسان کو حکم دیا گیا کہ وُہ صرف اللہ کریم سے ہی استعانت کرے۔ تاکہ اسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مقام حاصل ہو جائے۔ کیونکہ نفع مند اعمال کی حرص ایک خالص عبادت ہے اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو۔ اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو حکم دیا ہے کہ وُہ اس کی عبادت کرے اور اِسی کی نصرت اور اعانت کا طلب گار ہو۔ پس معلوم ہوا کہ نفع منداعمال پر حریص ہونے والا ہی مستعین باللہ ہے۔ عاجز شخص کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ اللہ کریم کی یہ رہنمائی تقدیرِ الٰہی کے وقوع سے قبل اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے تمام اسباب میں سے سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اِنسان اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے نفع بخش اعمال انجام دینے کی حرص رکھے۔ کیونکہ تمام امور کی باگ ڈور، ان کا مأخذ اور ان کا اصل ملجا و ماویٰ اللہ تعالےٰ ہی کی ذاتِ کبریا ہے۔

جو چیز اِنسان کے مقدّر میں نہیں اس کے میسّر نہ آنے کی صُورت میں اِنسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ عاجز ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ جو سَراسر شیطانی عمل کی کلید ہے۔ چنانچہ عجز انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اگر مَیں یوں کرتا تو یہ حالت نہ ہوتی وغیرہ۔

اب ایسی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ تو ندامت، عجز، ناراضگی، غم اور اندوہ
ں چابی ہے۔ جو سب کے سب شیطانی اعمال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے ان شیطانی اعمال کا دروازہ کھولنے سے منع فرمایا اور دوسری حالت کا حکم دیا اور وہ
یہ کہ انسان تقدیر پر غور و فکر کرے کہ اگر میرے مقدر میں ہوتا تو مجھ پر کوئی غالب نہ آسکتا
اور مجھے میری خواہش کے مطابق ملتا۔

اس موقع پر تقدیر پر رضا اور اس میں غور و خوض سے زیادہ نفع مند کوئی چیز نہیں ہے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نافذ ہے جو وجودِ تقدیر کو واجب ہے۔ اگر اللہ کریم کی مشیت
نہ ہو تو اس کا وجود ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ

"اگر کوئی کام خلافِ خواہش ہوگیا تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ اگر میں
یوں کام کرتا تو یہ حالات پیدا نہ ہوتے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ کریم نے
جو چاہا سو ہوا۔"

انسان کی رہنمائی ایسی چیز کی طرف کی گئی ہے جو اسے دونوں حالتوں میں فائدہ مند ہے
اگر اپنا مقصد پورا ہوگیا اور مطلوبہ چیز مل گئی تو ٹھیک۔ اگر نہیں تو بھی راضی برضا رہے۔

یہ ایسی حدیث ہے جس سے انسان لمحہ بھر بھی بے پروا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کی اشد
ترین ضرورت ہے۔ اس حدیث میں

تقدیر کا اثبات بھی ہے۔

کسبِ معاش کی ترغیب بھی موجود ہے۔

انسان کا مختار ہونا بھی ثابت ہے۔

در ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کا حکم بھی واضح ہے۔

اپنی مطلوبہ چیز ملے نہ ملے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وباللہ التوفیق

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: **تَفسِيرُ الْأَيَتَيْنِ فِي آلِ عِمْرَانَ۔**

① سورہ آل عمران کی دو آیات کی تفسیر۔

الثانیۃ: **أَلنَّهْيُ الصَّرِيحُ عَنْ قَوْلِ: "لَوْ" إِذَآ أَصَابَكَ شَيْءٌ۔**

② کسی ناگہانی مصیبت پر یہ کہنا سخت جرم اور گناہ ہے کہ "اگر میں یوں کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی۔"

الثالثۃ: **تَعْلِيلُ الْمَسْأَلَةِ بِأَنَّ ذٰلِكَ يَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطٰنِ۔**

③ لفظ "اگر" استعمال نہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اِس سے شیطانی اعمال کا دروازہ کھلتا ہے۔

الرابعۃ: **أَلْإِرْشَادُ إِلَى الْكَلَامِ الْحَسَنِ۔**

④ اچھی گفتگو کی ترغیب۔

الخامسۃ أَلْأَمْرُ بِالْحِرْصِ عَلٰى مَا يَنْفَعُ مَعَ الْإِسْتِعَانَةِ بِاللّٰهِ ۔

⑤ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ایسے اعمال کا شوق دلایا گیا ہے جو نفع بخش ہیں۔

السادسۃ أَلنَّهْيُ عَنْ ضِدِّ ذٰلِكَ وَ هُوَ الْعَجْزُ ۔

⑥ جو اس کے اُلٹ ہے، اُس یعنی عجز سے روکنا۔

باب

النهي عن سب الريح

اس باب میں

ہوا اور آندھی کو گالی دینے سے

سختی سے روکا گیا ہے۔

عن ابیّ ابن کعب رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَّا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا۔

حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسُولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا کو گالی نہ دو۔ اگر تمھیں کوئی ناپسند چیز دکھائی دے تو یہ دُعا پڑھا کرو۔

قولہ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ

ہوا کو گالی دینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک ہے اور اُس کے حکم کے مطابق چلتی ہے۔ لہٰذا ہوا کو گالی دینا، اس کے پیدا کرنے والے کو گالی دینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ زمانہ کو گالی دینا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو گالی دے دی۔

اِس قسم کی غلط حرکت وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے دین سے بالکل کورے ہیں چنانچہ رحمتِ عالم ﷺ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ جاہل اور ظالم لوگوں کی طرح ہوا کو گالی نہ دیں نہ اُس کو بُرا کہیں۔

اس کے مقابلہ میں جب آندھی تیز چلے یا ایسی ہوا چلے جس سے خطرہ محسوس ہو تو آپ نے مندرجہ ذیل دعا پڑھنے کی ترغیب دی کہ

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ	اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی اور جو یہ حکم دی گئی ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔

تیز آندھی کے وقت جس سے نقصان کا خطرہ ہو، تو اللہ کریم کی بارگاہ میں اس کی توحید کا واسطہ دو اور یوں دعا کیا کرو کہ

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ	اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی اور جس

أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَ خَيْرِ مَا فِيهَا وَ خَيْرِ مَآ أُمِرَتْ بِهٖ۔

وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيحِ وَ شَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَآ أُمِرَتْ بِهٖ۔

(صححه الترمذي)

اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہَوا سے اور جو اس میں ہے اُس کی بہتری چاہتے ہیں اور اُس چیز کی بھی بھلائی چاہتے ہیں جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور ہم پناہ مانگتے ہیں اس ہَوا کے شر سے اور جو اس میں ہے اور اُس چیز کے شر سے بھی پناہ مانگتے ہیں جس کا اِسے حکم دیا گیا ہے۔

مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهٖ	کا یہ حکم دی گئی ہے اُس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں
وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ	اور ہم اس ہوا اور اس کی برائی اور جس
هٰذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا	کا یہ حکم دی گئی ہے اُس کی بُرائی سے
فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهٖ	تیری پناہ لیتے ہیں

مندرجہ بالا دعائیہ جملوں میں اللہ کریم کی عبودیّت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کا اقرار ہے اور اللہ کریم کے ذریعہ شر سے دفاع طلب کیا گیا ہے اور اللہ کریم سے فضلِ جزیل اور انعامات جلیلہ کی طلب موجود ہے اہل توحید اور اہل ایمان کا یہی خاصہ اور علامت ہے۔

البتہ فاسق و فاجر اور گناہ میں ڈوبے ہوئے افراد جنہوں نے توحید کا مزہ ہی نہیں چکھا جو اصلِ ایمان اور اس کی حقیقت ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء اور گڑگڑانے کے بجائے مزید نافرمانیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

العیاذ باللہ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ أَلنَّهْيُ عَنْ سَبِّ الرِّيحِ

① ہوا کو گالی دینے کی ممانعت۔

الثانیۃ أَلإِرْشَادُ إِلَى الْكَلَامِ النَّافِعِ إِذَا رَأَى الإِنْسَانُ مَا يَكْرَهُ.

② جب انسان ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو اُس وقت نفع مند دُعا کی تعلیم دی گئی ہے۔

الثالثۃ أَلإِرْشَادُ إِلَى أَنَّهَا مَأْمُورَةٌ.

③ اس بات سے بھی انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے۔

الرابعۃ أَنَّهَا قَدْ تُؤْمَرُ بِخَيْرٍ وَ قَدْ تُؤْمَرُ بِشَرٍّ.

④ اِس راز سے بھی پردہ اُٹھایا گیا ہے کہ ہوا کو کبھی بھلائی اور خیر کا اور کبھی تباہی مچانے کا بھی حکم ملتا ہے۔

باب قول الله تعالى

يظنون بالله غير الحق ظن الجاهلية

يقولون هل لنا من الأمر من شيء قل إن الأمر كله لله

يخفون في أنفسهم ما لا يبدون لك

يقولون لو كان لنا من الأمر شيء ما قتلنا

ههنا قل لو كنتم في بيوتكم لبرز الذين

كتب عليهم القتل إلى مضاجعهم وليبتلي الله

ما في صدوركم وليمحص ما في قلوبكم

والله عليم بذات الصدور

اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے۔ جو سراسر خلاف حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے۔ ان سے کہو کسی کا کوئی حصہ نہیں اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اسے آپ پر ظاہر نہیں کرتے ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر قیادت کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے اور یہ معاملہ جو پیش آیا یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمالے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے۔ اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

قولہ تعالیٰ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ

اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے جو سراسر خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصّہ ہے اِن سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اِس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے دِلوں میں جو بات چُھپائے ہوئے ہیں اسے آپؐ پر ظاہر نہیں کرتے۔

قولہٗ : يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ :

یہ آیاتِ بیّنات اللہ تعالیٰ نے جنگِ اُحد کے واقعہ کے ربط میں نازل فرمائیں۔ غزوۂ اُحد میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِنْكُمْ (آل عمران-۱۵۴)	اللہ تعالیٰ نے غم و رنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی یعنی غنودگی کی کیفیت تم پر طاری کی۔

غنودگی کی یہ حالت ایمان والوں، میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں، اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنے والوں، مصائب و مشکلات میں صبر کرنے والوں اور سچائی کے خوگر افراد پر طاری ہوئی۔ یہ وہی حضرات تھے جنہیں یقین تھا کہ ربِ ذوالجلال اپنے رسولِ مقبول ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا اور تمام وعدوں اور توقعات کو پورا کرے گا اور دوسرے گروہ کے بارے میں فرمایا گیا۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ اور ایک فرقہ کو اپنی جانوں کا فکر تھا

ان کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب نہ ہوئی کیونکہ وہ جزع فزع، قلق واضطراب اور خوف وہراس کا شکار ہو کر اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہلِ جاہلیّت کے سے سُوءِ ظن اور بدگمانی میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے اس سوءِ ظن کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ — اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا (الفتح۔۱۲) — بلکہ تم نے یہ خیال کیا کہ رسول اور مومن اب کبھی اپنے گھروالوں کے پاس لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ چیز تمہارے دلوں کو بڑی خوشنما معلوم ہوئی اور تم بُرے بُرے گمان کرنے لگے اور تم ہلاک ہونے والی قوم تھے۔

منافقین کے اس بزدل گروہ نے جب دیکھا کہ وقتی طور پر مشرکین کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو انہوں نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ اب اسلام اور اہلِ اسلام کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا شکوک وشبہات میں گرفتار لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام جب کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو ان سے اسی قسم کی لغو گفتگو اور نامعقول باتیں سرزد ہوتی ہیں۔

ابن جریج کا کہنا ہے کہ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی سے میدانِ اُحد میں جب یہ سوال کیا گیا کہ بنو خزرج آج قتل ہو چکے ہیں ؟ تو اس نے جواب دیا

وَهَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؟ بھلا ہمارے اختیار کی کوئی بات ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اُحد کے متعلق منافقین کے اس سوءِ ظن پر تفصیل[1] سے بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۶ اغاثۃ اللھفان

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

اِن کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔ اِن سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

"منافقین کی اُس بدگمانی اور سوءِ ظن کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ اکرم ﷺ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اب اس کی دعوت کمزور پڑ جائے گی حتیٰ کہ اس کا رسولؐ دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے قتل ہو جائے گا۔

ان کی اس بدگمانی کی مزید توضیح کی گئی ہے کہ جو کچھ مسلمانوں کو تکلیف اٹھانی پڑی ہے اس میں قضا و قدر کو کوئی دخل نہیں اور نہ اس میں کوئی حکمتِ الٰہی مضمر ہے ــــ حکمت اور قضاء و قدر کے انکار کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ان کے اس سوءِ ظن کو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اکرم ﷺ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا اور یہ کہ اس کے دین اور دعوت کو پھیلنے سے روک دے گا،

سورۂ فتح میں مشرکین و منافقین کے اسی سوءِ ظن کا تذکرہ کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ	اور ان منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا جو اللہ کے

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ	متعلق برے گمان رکھتے ہیں۔ برائی کے
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ	پھیر میں وہ خود ہی آگئے۔ اللہ کا غضب
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ	ان پر ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی
وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ	اور ان کے لیے جہنم مہیا کردی جو بہت
مَصِيْرًا ○ (الفتح - ٦)	ہی برا ٹھکانا ہے۔

اسی کو ربّ کریم نے سوءِ ظن اور ظنِ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے اور اس کی نسبت بھی جہلا کی طرف کی نیز فرمایا کہ یہ ظن اور بدگمانی حق و صواب پر مبنی نہ تھی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ اور صفات علیا کے لائق نہیں۔ اس کی ذاتِ کبریا ہر عیب اور نقص سے پاک اور منزّہ ہے۔

اور یہ بدگمانی اللہ تعالیٰ کے جلال و کمال، اس کی صفات و نعوت اور اس کی ربوبیّت و الوہیّت کے بھی منافی ہے۔

یہ بدگمانی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے بھی خلاف ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے رسولوں کی مدد کرتا رہے گا اور ان کو دشمن کے ہاتھوں ذلیل نہیں ہونے دے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جنود و احزاب ہی آخر کار دشمن پر غالب رہیں گے۔

لہٰذا جو شخص یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے رسولؐ کی مدد نہیں کرے گا۔

اس کی تائید و حمایت سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اپنے دین اور اپنی کتاب کی نصرت نہیں فرمائے گا

اور اس کے دین کو مکمل نہیں ہونے دے گا۔

یا انبیاء کے دشمنوں کی حمایت کرے گا۔

اور ان کو غلبہ بخشے گا۔

اور شرک کو توحید پر — اور — باطل کو حق پر فوقیت دے گا۔

جس سے دعوت توحید اتنی کمزور پڑ جائے گی کہ پھر کبھی ابھرنے کا نام نہ لے گی

یہ اور اس قسم کی دوسری بدگمانیاں اللہ کے بارے میں انتہائی غلط ہیں اور اپنے اندر

وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

(آل عمران : ۱۵٤)

اور یہ معاملہ جو پیش آیا تو یہ اس لیے تھا کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اُسے آزمالے اور جو کھوٹ تمھارے دِلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے۔ اللہ تعالیٰ دِلوں کا حال خُوب جانتا ہے۔

بہت سی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کیا گیا ہے جو اس کی عظمت و جلال اور اس کی صفات کمال کے شایانِ شان نہیں ——— کیونکہ اللہ کی حمد، اس کی عزت و حکمت اور اس کی الوہیت سب کی سب ان غلط صفات کا انکار کرتی ہیں۔

صفات کی یہ نوعیت اللہ کی شان کو زیبا نہیں کہ اس کا اپنا لشکر اور گروہ ذلیل اور رسوا ہو۔ وہ کبھی یہ نہیں چاہتا کہ مستقل طور سے کامیابی، مشرکین اور حق و انصاف کا گلہ گھونٹنے والوں کو حاصل ہو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مشرک اور حق و انصاف کی آواز کو دبانے والے ہی ہمیشہ کامیاب رہیں گے، وہ شخص درحقیقت اس کے اسماء وصفات اور اس کے کمالات کو سمجھ ہی نہیں سکا۔

ان حوادث کو قضاء و قدر کے تابع نہ سمجھنے والے نے بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اُس کی بادشاہت اور اُس کی عظمت وجلال کو نہیں پہچانا۔

وہ واقعات جو دنیا میں رونما ہو رہے ہیں اور جس تعداد اور مقدار میں ہو رہے ہیں ان کو تقدیر کے تابع نہ سمجھنے والا درحقیقت اللہ کی اس حکمت و مصلحت کا منکر ہے جو ان میں پوشیدہ ہے۔ جو شخص انہیں مفید اور نفع رساں نہیں خیال کرتا، وہ بھی

اللہ کی معرفت سے نابلد اور اس کے احکام سے ناواقف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اور جتنا کچھ ہو رہا ہے اس پر اللہ کی حمد وثنا بیان کی جانی چاہیے اور یہ نظام کائنات اللہ تعالیٰ کی حکمت، اس کی مشیئت اور بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی پر مبنی ہے۔ اس میں اس کی نصرت اور نیکی کے راز پوشیدہ ہیں۔ بعض اوقات انسان کو ناموافق حالات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اس میں بھی بے شمار حکمتیں اور راز پنہاں ہیں جن کا انجام انسان کی بھلائی ہے۔ اگرچہ بظاہر انسان کا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کی تقدیر بے فائدہ اور لاحاصل نہیں کیونکہ وہ بے کار اور عبث امور کو پسند نہیں کرتا۔ اور نہ انکی تخلیق فضول ہے۔ بلکہ

ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	یہ بدگمانیاں ان لوگوں کی پیدا کردہ ہیں
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ	جو کافر ہیں ان کافروں کے لیے جہنم کا عذاب
النَّارِ ؇ (ص - ۲۷)	ہے۔

لوگوں میں اکثریت ایسے افراد کی ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اور دوسرے افراد کے حالات میں نمایاں فرق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس بدگمانی سے وہی شخص محفوظ اور دامن کشاں رہ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت جاگزیں ہو جو اس کے اسماء وصفات کو پہچانتا ہو اور ان حالات کے تفاوت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کو پوشیدہ گردانتا ہو۔

- جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مدد سے مایوس ہے وہ اللہ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہے۔
- جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص مقرب بندوں کو ان کے اخلاص اور احسان کے باوجود عذاب میں مبتلا کرے گا اور دوست دشمن دونوں کو برابر رکھے گا، ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمان ہے۔

○ جو شخص یہ تصور رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بے کار چھوڑ دے گا۔ اور ان کو امر و نہی ایسے امور سے الگ رکھے گا اور ان کی ہدایت کے لیے نہ رسول بھیجے گا اور نہ کتاب نازل فرمائے گا۔ بلکہ اپنی مخلوق کو چوپایوں کی طرح بے لگام چھوڑ دے گا، ایسا شخص بھی اللہ کے متعلق بدگمانی رکھتا ہے۔

○ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ کریم موت کے بعد ثواب و عقاب کے لیے مخلوق کو جمع نہیں کرے گا جہاں نیک آدمی کو اس کے اعمالِ حسنہ کا اجر اور بدکردار کو اس کی بدکرداری کی سزا ملے گی اور یہ سمجھتا ہے کہ مخلوقِ خدا میں جن امور میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اس کی حقیقت واضح نہیں کرے گا اور یہ رائے رکھتا ہے کہ اللہ اپنی اور اپنے رسولوں کی سچائی کو واضح نہیں کرے گا۔ یا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے دشمن ہی جھوٹے تھے، اس کی وضاحت نہیں کرے گا

ایسے توہمات میں مبتلا شخص کو بھی اللہ کریم کے بارے میں بدگمان قرار دیا جائے

○ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ انسان کے اعمالِ حسنہ جو اس نے صرف رضائے الٰہی کی خاطر اور اس کا حکم سمجھ کر انجام دیے تھے' ان کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی وجہ کے ضائع کر دے گا اور بغیر جرم کے اسے سزا دی جائے گی اور ایسے اعمال جن میں انسان کو قطعاً کوئی اختیار اور قدرت حاصل نہ تھی اور نہ ان پر عمل پیرا ہونے میں انسان کے ارادے کو دخل تھا، ایسے اعمال پر بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو سزا دے گا۔

یا ــــ اللہ تعالیٰ کے بارے یہ گمان رکھے کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے دشمنوں' افترا باندھنے والوں کی انھی معجزات سے تائید کرے جن کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی تائید کرتا ہے اور انکے (دشمنوں) ہاتھوں اُن معجزات کا ظہور کرائے تاکہ وہ اسکے بندوں کو گمراہ کر سکیں۔

○ یا ــــ وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزار دی' اس کو جہنم کے اسفل طبقہ میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

اور ایسے شخص کو جس نے اپنی تمام زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے انبیائے کرام کی مخالفت میں بسر کر دی جنت میں اعلیٰ علیین عطا کرے گا یہ دونوں باتیں اس کے نزدیک بحیثیت عمدگی برابر ہوں۔ ان میں ایک کا ممتنع ہونا اور دوسری بات کا صحیح ہونا خبر صادق ہی سے پہچانا جا سکتا ہے ورنہ عقل میں یہ طاقت کہاں ہے کہ کسی ایک کے حسن و قبح کے بارے میں فیصلہ دے ایسا سمجھنے والا بھی بدگمانوں کی صف میں شامل ہے۔

جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ اللہ نے اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس کا ظاہری معنیٰ مراد لینا باطل ہے۔ یہ تمثیل اور تشبیہ ہے۔ اس نے اصل حقیقت چھوڑ دی ہے جس کے بارے میں اس نے کچھ نہیں بتایا۔ اس نے تو رمز و کنایہ میں بات کی ہے اور رمز و کنایہ بھی وہ جو بہت ہی بعید کا ہے اور محض چیستان ہے جس کی اس نے تصریح نہیں کی بلکہ اس نے ہمیشہ باطل تشبیہ و تمثیل ہی کے ذریعہ تصریح کی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہن و فکر اور غور و فکر کی قوتوں کو اس لیے کام میں لائیں تاکہ اس کے کلام کو اس کے اصل مفہوم سے دور کریں اور اس میں تحریف کے دروازے کھول دیں۔ ان میں ایسی تاویل کریں۔ جو اصل حقیقت سے کوئی مطابقت نہ رکھتی ہو، غلط و مکروہ احتمالات سے کام لیں اور ایسی تاویلات کو آزمائیں جو چیستان اور معمے بن کر رہ گئی ہیں، کیوں کہ اس کے نزدیک یہی کشف حقیقت اور تبیین صحیح ہے۔

اس قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اسماء و صفات کی معرفت و وضاحت کا معاملہ ان کی عقول و آرا کے سپرد کر دیا ہے، ان کو کتاب اللہ سے نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے کلام کو معروف انداز و اسلوب سے نہ سمجھیں حالانکہ اللہ اگر چاہتا تو وہ اس پر قادر تھا کہ اپنے اسماء و صفات کو صراحت سے بیان کر دیتا اور ان لوگوں کو ان الفاظ کے چکر میں ڈالتا جو ان کو اعتقادِ باطل میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ان کو اس راستے پر قدم زن کر دیا جو ہدایت و وضاحت کے راستے کے خلاف ہے

ایسا اعتقاد رکھنے والے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن میں مبتلا ہیں۔

کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ صریح الفاظ کے ساتھ اس کی تعبیر کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت و طاقت حاصل نہیں تھی تو اس سے اللہ کے عجز کا خیال ذہن میں ابھرتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تعبیر پر قادر تو تھا لیکن اس کی وضاحت نہیں کی بلکہ اس کے باوجود وضاحت کرنے سے اس نے گریز کیا اور حق بات کی تصریح نہیں کی جس کی وجہ سے مختلف توہمات کا دروازہ کھل گیا اسی پر بس نہیں بلکہ لوگ اس بنا پر باطل اور فاسد عقیدے میں مبتلا ہو گئے خدا کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنے والا شخص بھی اس کی حکمت اور رحمت کے متعلق سوءِ ظن میں گرفتار ہو گیا۔

○ جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ اور اس کے بڑوں نے حق کی ایسی تصریح کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نہ کر سکے اور حق بات اور ہدایت وہی ہے جو ان کے کلام اور عبارات میں پائی جاتی ہے اور کلام اللہ کے ظاہری الفاظ سے تشبیہ و تمثیل اور گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور جو ان تأویلات میں حیران و متعجب ہیں وہی برسرِ حق ہیں

ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدترین بدگمانی کا شکار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن کا شکار ہوتے ہیں اور ناحق اور زمانہ جاہلیت کا سا ظن اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

○ جو شخص یہ خیال کرے کہ ربِ کریم کی بادشاہت میں ایسے امور بھی پائے جاتے ہیں جو اس کی مشیت کے خلاف ہیں، بلکہ وہ ان کی ایجاد و تکوین پر قدرت نہیں رکھتا، تو ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہے۔

○ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک بالکل بے کار رہا اور کسی فعل کے کرنے سے متصف نہ ہوا. مدتِ مدید کے بعد اسے قدرت حاصل ہوئی ایسا شخص بھی اللہ کے بارے میں بدگمان ہے۔

○ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور کائنات میں جتنی اشیاء ہیں ان کو بھی نہیں جانتا۔ نہ اسے آسمان کی تعداد کا علم ہے اور نہ ستاروں کی تعداد کا پتا ہے، اسے یہ علم بھی نہیں کہ بنی نوعِ انسان کتنے ہیں اور نہ ان کی حرکات سکنات کا علم ہے اور کائنات میں موجود اشیاء کا بھی اسے کچھ پتا نہیں۔ ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ گمان رہے کہ اللہ تعالیٰ میں نہ سمع کی طاقت ہے نہ بصر کی۔ نہ علم کی نہ ارادہ کی نہ وہ مخلوق میں سے کسی سے ہم کلام ہوتا ہے اور نہ کسی سے باتیں کرتا ہے اس نے آج تک نہ کسی سے بات کی ہے اور نہ کرے گا اور اس کے ہاں امر و نہی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن کا مرتکب ہے۔

○ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل الگ آسمانوں سے اوپر عرش پر نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت عرش کی طرف ہو یا اسفل کی طرف دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی اِن کے علاوہ دوسری سمتوں کی طرف منسوب ہونا جیسے اسفل، یمین اور یسار وغیرہ ان میں کوئی فرق نہیں اور اس بنا پر کوئی شخص یہ کہے کہ سبحان ربی الاسفل اور سبحان ربی الاعلیٰ دونوں جملے صحیح اور درست ہیں۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت بڑی بدگمانی کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر، فسق وفجور اور اپنی نافرمانی کو بھی پسند کرتا ہے۔ یا یہ کہ وہ فساد فی الارض کو اسی طرح پسند کرتا ہے جیسے ایمان، نیکی، اطاعت اور اصلاح کو پسند کرتا ہے تو ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ خیال کرے کہ

اللہ تعالیٰ نہ کسی سے راضی ہوتا ہے نہ محبت کرتا ہے۔

نہ غضب ناک ہوتا ہے نہ ناراض ہوتا ہے۔

نہ کسی سے دوستی رکھتا ہے نہ دشمنی۔

نہ وہ کسی کے قریب آتا ہے اور نہ اس کے کوئی قریب جا سکتا ہے۔

جیسے ملائکۃ المقربین اور اولیائے صالحین اس کے قریب تر ہیں اسی طرح شیاطین بھی اس کے قریب تر ہیں۔

ایسا شخص بھی اللہ کریم کے بارے میں بدگمان ہے۔

○ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ دو متضاد چیزوں کو برابر کر دے گا۔

یا ـــــ دو برابر چیزوں میں تفریق اور بُعد پیدا کرے گا۔

یا ـــــ وہ کسی شخص کی عمر بھر کی نیکیوں کو صرف ایک گناہ کی وجہ سے برباد کر دے گا اور اس کی ایک نیکی بھی باقی نہیں رہے گی اور یہ صالح شخص اس بدبخت کی طرح ابد الاباد تک جہنم میں جلتا رہے گا جس نے لمحہ بھر ایمان کے ساتھ زندگی بسر نہیں کی۔ بلکہ اس نے اپنی ساری زندگی اللہ کریم کی نافرمانی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی مخالفت میں برباد کر ڈالی۔

ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق سوءِ ظن کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔

یا ـــــ اس کا کوئی شریک کار ہے۔

یا ـــــ کسی کو یہ جرأت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں کسی کی سفارش کرے۔

یا ـــــ ایسے اولیاء ہیں جو بندے اور اللہ کریم کے درمیان لوگوں کی حاجات اور ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

یا ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے چند ایک کو اس بات کے لیے مقرر کر دیا ہے کہ وہ دوسری مخلوقِ خدا کو اللہ کے قریب کریں اور یہ بزرگ ترجمان اور وسیلہ بنیں۔ تاکہ عوام ان کو پکاریں ان سے ڈریں اور ان سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھیں۔

ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں قبیح ترین بدگمانی کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کے باوجود اس کو ہر وہ سہولت حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والوں کو حاصل ہوگی تو ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں، اس کے اسماء وصفات کے تقاضوں کو بالکل نہیں سمجھا۔ ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق سوءِ ظن کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ

اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی چیز کو چھوڑ دیا تو اُس چیز سے بہتر اسے نہیں مل سکتی یا ـــــ کوئی عمل محض اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دے تو اس سے افضل واعلیٰ اجر وثواب نہیں ملے گا تو

ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ خیال رکھے کہ

اللہ تعالیٰ بغیر کسی جرم اور سبب کے صرف اپنی مرضی اور خواہش اور محض اپنے ارادہ سے کسی شخص پر ناراض ہو جائے گا اور اسے معمولی قسم کی سہولت سے بھی محروم کر دے گا، ایسا شخص بھی اللہ کریم کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہے۔

○ جو شخص یہ خیال رکھے کہ

اگر کوئی شخص برضا ورغبت اور اللہ سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کو سچا معبود سمجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں نہایت عجز ونیاز سے اپنے سوالات اور حاجات پیش کرے، اُسی سے مدد طلب کرے، اُسی پر توکل اور بھروسہ کرے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نامراد واپس لوٹا دے گا اور اس کے سوالات کو پورا نہیں کرے گا۔

یاد رکھیے ایسا عقیدہ رکھنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن میں مبتلا ہے۔

اور اس قسم کا خیال کرنا اللہ کریم کے شایانِ شان نہیں ہے۔

○ جو شخص یہ سمجھے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کے باوجود گنہ گار کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا جیسے اپنی اطاعت کرنے والوں اور فرمانبرداروں کو اجر و ثواب دے گا۔ تو ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ سے ایسا گمان رکھتا ہے جو اللہ کی حمد و ثنا، اس کی حکمتوں اور اس کی شان کے خلاف ہے۔

○ جو شخص یہ خیال کرے کہ

اگر کسی شخص نے اللہ کو ناراض کر لیا اور اس کی نافرمانی میں زندگی برباد کر ڈالی اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی اور کارساز سمجھ لیا اور اللہ کے علاوہ فرشتوں کو، یا مُردہ اور زندہ انسانوں کو اپنا کارساز سمجھا اور ان کو اپنی دعاؤں میں پکارتا رہا، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں میرے لیے نفع مند ثابت ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے مجھے بچا لیں گے۔ ایسا شخص بھی اللہ کریم کے متعلق بدترین بدگمانی میں گرفتار ہے۔

مذکورہ بالا تمام قسم کی بدگمانیاں اللہ تعالیٰ کے بارے میں انتہائی مکروہ اور ناروا ہیں، جن کا حق و انصاف سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت میں یہ جاہلیت کی بدگمانیاں ہیں۔

اکثر مخلوقِ خدا الا ما شاء اللہ، اللہ کے بارے میں بدگمانیوں میں گرفتار ہے لوگوں کی اکثریت اپنے بارے میں یہ تصور رکھتی ہے کہ ان کا اس دنیا میں انتہائی قلیل حصہ ہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ کے مستحق تھے۔ اور جس حال میں وہ اَب ہیں اس سے کہیں زیادہ کا حق رکھتے ہیں ہر شخص دل ہی دل میں کہتا ہے۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ظلم کیا ہے۔

جس انعام کا میں مستحق تھا اس سے مجھے محروم کر دیا گیا ہے۔

اگرچہ ان خیالات کو انسان زبان پر نہیں لا سکتا اور ان غلط خیالات کو صراحت سے کہنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔

تاہم اگر یہ شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اپنے جی کے پوشیدہ امراض کو معلوم کرنے کی ٹوہ لگائے تو اس بیماری کو اپنے اندر پوشیدہ پائے گا۔ جیسے چقماق

میں آگ کا جوہر پوشیدہ ہوتا ہے۔آپ کسی بھی چقماق کو توڑ کر تجربہ کیجئے۔ اس کے شعلے ثابت کر دیں گے کہ واقعی اس میں آگ کا جوہر مضمر ہے۔

اور جس شخص کے بھی حالات کا آپ جائزہ لیں گے آپ کو پتا چلے گا کہ اس کے قلب وجگر میں تقدیر الٰہی کس قدر شاق گزرتی ہے اور وہ اس کی کس درجہ ملامت کرتا ہے اور اس پر کتنا کڑھتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہوا نظر آئے گا کہ یہ حالات ٹھیک نہ تھے۔ اس کے علاوہ ایسے اور ایسے حالات ہوتے تو زیادہ ٹھیک تھا۔ اب آپ خود اپنا جائزہ لیجئے کہ کیا آپ اس صورت حال سے محفوظ ہیں ؟

اس سلسلہ میں لوگوں کے حالات مختلف ہیں بعض افراد کے دلوں میں اس قسم کے وسوسے معمولی ہوتے ہیں اور بعض تو حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

لہٰذا اے قاری!

تو اپنے آپ کا بغور جائزہ لے۔ کیا تُو تو اس مرض میں مبتلا نہیں ہے؟

کیونکہ

فان تنج منها تنج من ذی عظیمة والا فانی لا اخالك ناجیا

تم نے اگر اس مرض سے نجات پالی تو بہت بڑی مصیبت سے نجات پالی اور اگر اس سے نجات حاصل کرنے میں ناکام رہا تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ تو ناجی اور کامیاب ہے۔

پس ہر عقلمند شخص جو اپنے آپ کا بہی خواہ ہے، بدگمانیوں کے ان تمام مقامات پر غور فکر اور توجہ دے، اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے اور جہاں جہاں اللہ کے بارے میں بدگمانیوں کا شکار ہو سکتا ہے، وہاں بجائے اللہ تعالیٰ کے اپنے بارے میں بدگمانی سے کام لے۔ کیونکہ انسان کا اپنا نفس ہی ہر برائی کا مرکز اور مادہ ہے یہی تمام شر در کا منبع ہے۔ یہی جہالت اور ظلم کا مرکب ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنے بارے میں ہی سوءِ ظن سے کام لینا چاہئے۔

کیونکہ احکم الحاکمین

تمام عدل کرنے والوں میں سے زیادہ عادل۔

تمام رحم وکرم کرنے والوں میں سے زیادہ رحیم

جو غنی بھی ہے اور حمید بھی۔

کامل غنی ہونا اسی کی صفت ہے۔

وہی حمدِ تام اور حکمتِ تام کا مالک ہے۔

وہ اپنی ذات وصفات اور اپنے افعال اور اسماء میں ہر عیب سے

پاک اور منزّہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کبریا کے لیے ہر طرح کا کمال ہے۔

اس کی تمام صفات بھی کامل ترین ہیں۔

اس کے تمام افعال میں حکمت، مصلحت، رحمت اور عدل پنہاں ہے

اور اس کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں ؎

فلا تظنن بربك ظن سوء — فانّ الله اولیٰ بالجميل

اپنے ربّ کے ساتھ بُرا گمان نہ کر — کہ اللہ تعالیٰ اچھا گمان کرنے کا زیادہ حقدار ہے

ولا تظنن بنفسك قط خيرا — فكيف بظالم جان جهول

اور اپنے نفس کے متعلق کبھی بھلائی کا خیال نہ کر — ظالم گنہگار اور جاہل سے کیا توقع ہو سکتی ہے

وقل: يا نفس مأوى كل سوء — اترجو الخير من ميت بخيل

اور کہہ اے نفس ہر برائی کی جائے پناہ — کیا تو ایک بخیل اور مردہ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے

وظن بنفسك السوأى تجدها — كذلك وخيرها كالمستحيل

اور اپنے نفس کے متعلق برا گمان رکھ تو اسے اسی طرح پائے گا — اور اس سے بھلائی ناممکن ہے

ومابك من تقى فيها وخير — فتلك مواهب الرب الجليل

اور جو بھی تجھ میں پرہیزگاری اور بھلائی ہے — تو یہ ربّ جلیل کی عنایات میں سے ہے

وليس لها ولا منها ولكن — من الرحمٰن فاشكر للدليل

یہ نفس کے لیے ہے اور نہ نفس کی طرف سے ہے لیکن — یہ رحمٰن کی طرف سے ہے سو تو اس کی رہنمائی کا شکریہ ادا کر

قوله تعالیٰ ﴿ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ ﴾ (الفتح - ۶)

جو اللہ تعالیٰ کے متعلق بُرے گمان رکھتے ہیں برائی کے پھیر میں خود ہی آگئے

قولہٗ: الظآنین باللہ ظن السوء:

ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کی بدگمانی یہ تھی کہ وہ اپنے رسول اور اہل ایمان کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد نہیں کرے گا اور نہ اہلِ اسلام کا بول بالا ہوگا اور اب کافر ہی غالب رہیں گے یہی وہ بدگمانی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کیا ہے۔ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ

منافق مرد اور عورتیں

مشرک مرد اور عورتیں

جنہوں نے اللہ کے بارے میں یہ بدگمانی کی۔ ان کی اس بدگمانی کا وبال ان ہی پر آئے گا۔"

فرآء اس کی قرأت میں سین کی فتحہ کو اچھی طرح اجاگر کرتے تھے۔ سین کے ضمہ کے ساتھ اہلِ عرب کی بہت ہی کم تعداد اس کی قرأت کرتی ہے۔

قولہٗ غضب اللہ علیھم و لعنھم:

یعنی اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب نازل ہوا اور لعنت و پھٹکار کا ہار ان کے گلے میں ڈال دیا گیا اور ان کو اپنی رحمت سے بالکل دُور کر دیا۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ:

یعنی ان کے لیے جہنم کا عذاب تیار کیا جس میں وہ قیامت کے دن رہیں گے۔

لفظ "دائرۃ السوء" کی قرأت میں قرآء نے اختلاف کیا ہے عام لوگ اہلِ کوفہ کی قرأت کے مطابق اسے دَائِرَۃُ السَّوْءِ (یعنی بفتح السین) پڑھتے ہیں۔ اور بعض قراء بصرہ دائرۃ السُّوء (یعنی بضم السین) پڑھتے ہیں۔

قال ابن القيم رحمه الله في الآية الاولى : فُسِّرَ هٰذَا الظَّنُّ بِأَنَّهُ سُبْحَانَهُ لَا يَنصُرُ رَسُولَهُ وَ أَنَّ أَمْرَهُ سَيَضْمَحِلُّ۔
وَ فُسِّرَ بِأَنَّ مَآ أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ بِقَدَرِ اللهِ وَ حِكْمَتِهِ۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیر نظر آیت کریمہ میں سوء ظن کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا اور یہ کہ اس کی دعوت عنقریب ختم ہو جائے گی۔

اور یہ کہ جو مصیبت ان کو پہنچی ہے وُہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت سے نہ تھی۔

وَسَاءَتْ مَصِيرًا :

یعنی جہنم کا یہ عذاب انتہائی رسوا کن ہے، جو ان منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

قولہ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ :

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ کو اس کے حکموں میں متہم کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ بدگمانی کیے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اب قتل ہو جائیں گے اور ان کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا، چنانچہ اللہ کریم نے ان کی اسی بے ہودگی کی وجہ سے فرمایا کہ

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ان کی اس بدگمانی کا وبال اُن پر ہی پڑیگا۔"

فَفُسِّرَ بِإِنْكَارِ الْحِكْمَةِ وَ إِنْكَارِ الْقَدَرِ وَ إِنْكَارِ أَنْ يَتِمَّ أَمْرُ رَسُوْلِهٖ وَ أَنْ يُّظْهِرَهُ اللّٰهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ -

پھر یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہ اُس کے رسُول ﷺ کا معاملہ پُورا نہ ہوگا اور نہ ہی یہ دین سب ادیان پہ غالب آئے گا۔

وَ هٰذَا هُوَ ظَنُّ السَّوْءِ الَّذِيْ ظَنَّ الْمُنَافِقُوْنَ وَ الْمُشْرِكُوْنَ فِيْ سُوْرَةِ الْفَتْحِ فَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا ظَنَّ السَّوْءِ لِأَنَّهٗ ظَنٌّ غَيْرُ مَا يَلِيْقُ بِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ غَيْرُ مَا يَلِيْقُ بِحِكْمَتِهٖ وَ حَمْدِهٖ وَ وَعْدِهِ الصَّادِقِ -

مُنافقین اور مُشرکین کا یہی وہ بُرا گمان ہے جس کا سُورۃ الفتح میں تذکرہ ہے۔ یہ ایسا بُرا گمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی شانِ عُظمیٰ کے منافی ہے۔ اِس کی حکمت، بُزرگی اور سچے وعدہ کے بھی خلاف ہے۔

فَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ يُدِيلُ الْبَاطِلَ عَلَى الْحَقِّ إِدَالَةً مُّسْتَقِرَّةً يَضْمَحِلُّ مَعَهَا الْحَقُّ۔ أَوْ أَنْكَرَ أَنْ يَّكُونَ مَا جَرٰى بِقَضَآئِهِ وَ قَدَرِهٖ۔

پس جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو حق پر ایسا غلبہ دے گا جو ہمیشہ قائم رہے گا اور اس کی وجہ سے حق ختم ہو جائے گا یا اس بات سے انکار کرے کہ اس کی تقدیر حکمتِ کاملہ پر مبنی نہیں جس کی وجہ سے وہ تعریف کا مستحق ہو۔

اَوْ أَنْكَرَ أَنْ يَّكُوْنَ قَدَرُهٗ لِحِكْمَةٍ بَالِغَةٍ يَّسْتَحِقُّ عَلَيْهَا الْحَمْدُ۔ بَلْ زَعَمَ أَنَّ ذٰلِكَ لِمَشِيْئَةٍ مُّجَرَّدَةٍ۔ فَذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ۔

یا اس بات کا انکار کرے کہ اس کی تقدیر حکمت کی بنا پر نہیں جس پر وہ تعریف کا مستحق ہو۔

بلکہ یہ گمان کرے کہ یہ محض اس کی مشیّت پر ہے۔ پس یہ کافروں کا گمان ہے، سو کافروں کے لیے جہنّم کی آگ کی سزا مقرّر ہے۔

وَ أَكْثَرُ النَّاسِ يَظُنُّوْنَ بِاللهِ ظَنَّ السَّوْءِ فِيمَا يَخْتَصُّ بِهِمْ وَ فِيمَا يَفْعَلُهُ بِغَيْرِهِمْ وَ لَا يَسْلَمُ مِنْ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ عَرَفَ اللهَ وَ أَسْمَاءَهُ وَ صِفَاتَهُ وَ مُوجِبَ حِكْمَتِهِ وَ حَمْدِهِ -

---

اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ سے سُوئے ظن رکھتے ہیں اس بارے میں جو اُن کے ساتھ خاص ہے اور اس بارے میں جو وُہ غیروں سے کرتا ہے۔

اور اس بُرے گمان سے کوئی سلامت نہیں رہتا مگر وُہ شخص جو اللہ کو اس کے اسماء صفات کو، اور اس کی حکمت و تعریف کے اسباب کو پہچانے۔

فَلْيَعْتَنِ اللَّبِيبُ النَّاصِحُ لِنَفْسِهِ بِهٰذَا - وَلْيَتُبْ إِلَى اللهِ وَ لْيَسْتَغْفِرْهُ مِنْ ظَنِّهِ بِرَبِّهِ ظَنَّ السَّوْءِ - وَ لَوْ فَتَّشْتَ مَنْ فَتَّشْتَ لَرَأَيْتَ عِنْدَهُ تَعَنُّتًا عَلَى الْقَدَرِ وَ مَلَامَةً لَّهُ -

---

پس ہر اُس عقلمند شخص کو جو اپنی بھلائی اور خیر خواہی چاہتا ہے، اُسے مندرجہ بالا امور میں غور کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قُدس میں توبہ و استغفار کرنی چاہیے اور اپنے ربِّ کریم کے بارے میں بُرے گمان سے بچے۔

اگر تُو لوگوں کو غور سے دیکھے گا تو ان میں سے اکثر کو ایسا پائے گا کہ وہ تقدیر کے مُعاملے میں بے روی پر ملامت کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔

وَ إِنَّهُ كَانَ يَنبَغِي أَنْ يَّكُونَ كَذَا وَ كَذَا فَمُسْتَقِلٌّ وَّ مُسْتَكْثِرٌ
وَ فَتِّشْ نَفْسَكَ هَلْ أَنْتَ سَالِمٌ ؟
فَإِنْ تَنجُ مِنهَا تَنجُ مِنْ ذِي عَظِيمَةٍ
وَ إِلَّا فَإِنِّيْ لَا اَخَالُكَ نَاجِيًا

اور یہ کہتے ہیں کہ اِس طرح یا اُس طرح ہونا چاہیے تھا۔ سو بعض کم خیال کرتے ہیں اور بعض زیادہ۔ اب تم خود اپنا جائزہ لو۔ کیا اِس سلسلے میں تم راہِ راست پر ہو؟

اگر تُو اِس سے بچ گیا ہے تو بڑی بات سے بچا ہے وگرنہ مَیں تجھے بچنے والا نہیں سمجھتا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ اٰلِ عِمْرَانَ

① سورۃ آلِ عمران کی آیت کی تفسیر۔

الثانیۃ: تَفْسِيرُ أٰيَةِ الْفَتْحِ

② سورۃ الفتح کی آیت کی توضیح۔

الثالثۃ: أَلْإِخْبَارُ بِأَنَّ ذٰلِكَ أَنْوَاعٌ لَا تُحْصَرُ۔

③ بُرے گمان کی بیشمار قسمیں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

الرابعۃ: أَنَّهُ لَا يَسْلَمُ مِنْ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ عَرَفَ الْأَسْمَاءَ وَ الصِّفَاتِ وَ عَرَفَ نَفْسَهُ

④ ان بُرے گمانوں سے وُہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اپنے نفس کی معرفت سے بہرہ مند ہو۔
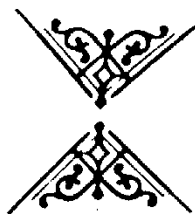
باب ماجاء
في القدر ومنكره
اس باب میں
بتایا گیا ہے کہ تقدیر کا انکار کرنا شریعتِ اسلامی
سے انکار کے مترادف ہے مُنکرینِ تقدیرِ الٰہی کی
حیثیت اسلام میں وُہی ہے جو مجُوسیوں کی ہے

ما جاء في منكري القدر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَاِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ	قدریہ اُمّت محمدیہ کے مجوسی ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمار داری نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو۔

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے

لِكُلِّ اُمَّةٍ مَجُوسٌ وَمَجُوسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الَّذِينَ يَقُولُونَ : لَا قَدَرَ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ فَلَا تَشْهَدُوا جَنَازَتَهُ وَمَنْ مَرِضَ مِنْهُمْ فَلَا تَعُودُوهُ وَهُمْ شِيعَةُ الدَّجَّالِ وَحَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُلْحِقَهُمْ بِالدَّجَّالِ	ہر اُمّت میں مجوسی گزرے ہیں اُمّت محمدیہ کے مجوسی وہ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قضا و قدر کچھ نہیں ہے۔ ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس کے جنازے میں مت جاؤ اور کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی نہ کرو۔ یہ لوگ دجّال کے ساتھی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے کہ ان کو دجّال سے ملا دے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَ الَّذِي نَفْسُ ابْنِ عُمَرَ بِيَدِهِ لَوْ كَانَ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا ثُمَّ أَنْفَقَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ مَا قَبِلَهُ اللهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ فرمایا کہ اُس ذاتِ واحد کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر کسی شخص کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو اُس کی یہ خیرات اُس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔

قولهٗ : وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : وَالَّذِي نَفْسُ ابْنِ عُمَرَ بِيَدِهٖ :

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں یحیٰی بن یعمر سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"ہمارے شہر بصرہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قدر کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا، وہ معبد جہنی ہے۔ ایک دفعہ میں اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری حج یا عمرہ کی نیت سے بیت اللہ پہنچے، تو ہم نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کوئی ملے تو ہم قدر کے بارے میں تفصیلات معلوم کریں اور یہ لوگ جو اعتراضات کرتے ہیں ان کا تسلی بخش جواب معلوم کریں۔ اتفاقاً مسجد الحرام میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہماری ملاقات ہوگئی ہم دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا۔ میرا خیال تھا کہ میرا ساتھی گفتگو کے لیے مجھ ہی سے کہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

اے ابو عبد الرحمٰن! ہمارے علاقہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور حصولِ علم میں کوشاں رہتے ہیں، لیکن تقدیر کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور امور اپنے وقت پر ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا۔

وہاں جا کر ان سے کہنا کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے بریٔ الذمہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر فرمایا۔

اگر ان میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے وزن کے برابر راہِ خدا میں سونا خرچ کر دے۔ تو بھی اللہ تعالیٰ اُسے قبول نہ فرمائے گا، جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔"

یہ کہہ کر فرمانے لگے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی

جس کے الفاظ یہ ہیں۔

بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ؟	ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت ہی سفید تھے اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اُس پر سفر کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا تھا وہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں پہ رکھے اور عرض کناں ہوا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتائیے؟

ثُمَّ اسْتَدَلَّ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ

اَلْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْأٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ ۔

(رواہ مسلم)

(یہ کہنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے) بطور اِستدلال رسُولِ اکرم ﷺ کا یہ اِرشاد پیش کیا کہ ایمان یہ ہے کہ تُو اللہ تعالےٰ، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے تمام رسُولوں، قیامت کے دِن اور تقدیر پر، خواہ اچھی ہو یا بُری، ایمان لے آئے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ	رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ
اَلْإِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ	اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی
لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ	دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں؛
وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِيَ	نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔
الزَّكَاةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ	رمضان المبارک کے روزے رکھو
وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ	اور طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔
اِلَيْهِ سَبِيْلًا	(یہ جواب سن کر) کہنے لگا آپ نے
قَالَ : صَدَقْتَ	سچ فرمایا۔
فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْأَلُهٗ وَ	ہم سب سُننے والے اس پر متعجب
يُصَدِّقُهٗ	تھے کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور پھر
قَالَ ، فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ	خود ہی اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔
الْاِيْمَانِ ؟	اُس نے پھر سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟

قَالَ : اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اُس کی تمام کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت پر، اور قدر پر، خواہ اچھی ہو یا بُری، ایمان لائے

قَالَ : صَدَقْتَ

اس نے کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔

قَالَ ، فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ ؟

اُس نے پھر کہا احسان کے بارے میں مجھے بتائیے؟

قَالَ :

آپؐ نے فرمایا

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصوّر پیدا نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

قَالَ : فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ؟

پھر سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں بتائیے۔

قَالَ : مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ

آپؐ نے فرمایا۔ اس میں مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

قَالَ : فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا ؟

اُس نے سوال کیا کہ قیامت کے آثار اور نشانات بتادیجیے۔

قَالَ ، اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا

آپؐ نے فرمایا۔ (قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔

وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ

اور یہ کہ تو دیکھے گا کہ بدن اور پاؤں سے ننگے اور نادار آدمی بکریوں کے چرواہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کریں گے۔

عن عبادة ابن الصّامت رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لِإِبْنِهِ يَا بُنَيَّ! إِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَنَّ مَآ أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَ مَآ أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِّيُصِيْبَكَ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے سے فرمایا کہ بیٹا! ایمان کا ذائقہ اُس وقت تک نہیں چکھ سکو گے جب تک کہ تم یہ نہ سمجھ لو کہ جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے وہ ٹل نہیں سکتی تھی اور جو نہیں پہنچی، اُس میں تم گرفتار نہیں ہو سکتے۔

قَالَ : فَانْطَلَقَ فَلَبِثْتُ ثَلَاثًا وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ : يَا عُمَرُ! اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ؟	راوی کہتا ہے، یہ باتیں کرکے وہ شخص چلا گیا اور میں تین دن وہاں ٹھہرا۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ وقت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہیں معلوم ہے یہ سائل کون تھا؟
قُلْتُ : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ	میں نے عرض کی، اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔
قَالَ : فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ	آپ نے فرمایا، یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ تمہیں تمہارے دین کی باتیں سمجھانے کے لیے آئے تھے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمان کے مذکورہ چھ اصولوں میں سے ایک ہے لہٰذا جس کا تقدیر پر، خواہ وہ خیر ہو یا شر، ایمان نہیں ہے، یوں سمجھیے کہ اس نے دین کے ایک اصول کو چھوڑ دیا اور اس کا منکر ٹھہرا۔ ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ	کیا تم کتاب کے کچھ حصّے پر ایمان رکھتے ہو
وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ - ۸۵)	اور کچھ حصّے کا انکار کرتے ہو ؟

قَوْلُهٗ عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِت :

یہ حدیث باب فضل التوحید میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی موجود ہے۔ البتہ امام احمد نے اپنی مسند میں اسے پورا نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ عبادہ بن الولید بن عبادہ" بیٹے روایت کرتے ہیں کہ

دَخَلْتُ عَلٰى عُبَادَةَ وَهُوَ مَرِيْضٌ اَتَخَايَلُ فِيْهِ الْمَوْتَ	میں حضرت عبادہ بن صامت کے پاس اُن کی تیمار داری کے لیے گیا تو مجھے خدشہ ہوا کہ اب آپ فوت ہو جائیں گے۔
فَقُلْتُ : يَا اَبَتَاهُ ! اَوْصِنِيْ وَ اجْتَهِدْ لِيْ	چنانچہ میں نے عرض کی کہ ابا جان! مجھے وصیّت فرمائیے اور خوب اچھی طرح سے وصیّت فرمائیے۔
فَقَالَ : اَجْلِسُوْنِيْ	عبادہ بن صامت نے کہا کہ مجھے بٹھا دو۔
قَالَ : يَا بُنَيَّ ! اِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ وَ لَنْ تَبْلُغَ حَقِيْقَةَ الْعِلْمِ بِاللّٰهِ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ	(اور بیٹھ کر) فرمانے لگے کہ بیٹا دیکھو! تم اس وقت تک ایمان کا مزہ اور اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم تقدیر الٰہی پر، خواہ اچھی ہو یا بُری ایمان نہ لاؤ۔
قُلْتُ : يَا اَبَتَاهُ ! فَكَيْفَ لِيْ اَنْ اَعْلَمَ مَا خَيْرُ الْقَدَرِ وَ شَرِّهٖ ؟	عبادہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ابّا جان! میں تقدیر کی اچھائی اور برائی کا کیسے پتا چلاؤں؟

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ
إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ فَقَالَ
لَهُ أُكْتُبْ فَقَالَ رَبِّ ! مَا ذَا أَكْتُبُ ؟
قَالَ أُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ
حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔
يَا بُنَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ
يَقُوْلُ: "مَنْ مَاتَ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا
فَلَيْسَ مِنِّيْ"۔

مَیں نے رسُولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اُس سے کہا کہ لکھ۔ قلم نے عرض کی یا اللہ! کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت تک کے لیے ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔

بیٹا! مَیں نے رسُولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "جو شخص اِس عقیدہ کے خلاف مرا وہ میری اُمّت میں سے نہیں ہے۔"

قَالَ : تَعْلَمُ اَنَّ مَا	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ	بولے۔ اس طرح کہ تم کو یقین ہو کہ جو تکلیف
لِيُصِيْبَكَ وَمَا اَصَابَكَ	تمہیں نہیں پہنچی وہ نہیں پہنچ سکتی تھی اور
لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ	جس تکلیف میں تم گرفتار ہو گئے وہ ٹل نہیں سکتی تھی۔
يَا بُنَيَّ ! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ	اے میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ

وفي رواية لاحمد : إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالَى الْقَلَمَ۔ فَقَالَ لَهُ أُكْتُبْ فَجَرٰى فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ لکھ! چنانچہ قلم نے اُسی وقت قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کو لکھ دیا۔

ﷺ يَقُوْلُ : | ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ	سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو
الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ أُكْتُبْ!	پیدا فرمایا اور اسے کہا کہ لکھ۔ تو قلم نے
فَجَرٰى فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ	اسی وقت لکھنا شروع کر دیا اور جو
بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ	کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب
الْقِيَامَةِ يَا بُنَيَّ ! إِنْ مُتَّ	کچھ لکھ دیا۔ لہٰذا اے بیٹے! اگر اس پر
وَلَسْتَ عَلٰى ذٰلِكَ دَخَلْتَ	ایمان کے بغیر تمہیں موت آ گئی تو جہنم
النَّارَ "	میں جاؤ گے۔

مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۱۷

امام ترمذی نے اس روایت کو متصل سند سے روایت کیا ہے جو عطا بن ابی رباح عن الولید بن عبادہ عن ابیہ ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

اِس حدیث اور ایسی دوسری احادیث سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہو چکا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وفي رواية لابن وهب : فقال رسول الله ﷺ
"فمن لم يؤمن بالقدر خيره
وشره أحرقه الله بالنار۔"

ابن وہب کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تقدیر پر، وہ بھلی ہو یا بری، ایمان نہیں لاتا اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ کی آگ میں جلائے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ	اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے سات آسمان
سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ	اور سات ہی زمینیں پیدا فرمائیں۔ ان میں
مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ	ربِّ کریم کے احکام نازل ہوتے رہتے
بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ	ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ	ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ وہ اپنے علم
اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ	کے ذریعہ سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے
شَیْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق۔۱۲)	ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے تقدیر کے متعلق جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اَلْقَدْرُ قُدْرَةُ الرَّحْمٰنِ — تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا نام ہے

امام ابن عقیلؒ نے اس جواب کو بہت پسند فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے زیادہ طاقت ور نہیں ہے۔ منکرینِ تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار کر کے گمراہ ہو گئے۔

بعض علمائے سلف کا کہنا ہے کہ منکرینِ تقدیر سے علم اور دلائل سے مناظرہ کرو۔ اگر یہ لوگ مان جائیں تو مغلوب ہو جائیں گے اور اگر انکار پر اڑے رہے تو کافر قرار پائیں گے۔

وفی المسند والسنن عن ابن الدیلمی قَالَ أَتَيْتُ أُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِي بِشَيْءٍ لَعَلَّ اللهَ يُذْهِبُهُ مِنْ قَلْبِي۔

مسند احمد اور سنن (ابی داؤد) میں ابن دیلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ تقدیر کے بارے میں میرے دل میں کچھ خدشات ہیں۔ آپ کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیے جس سے میرے دل کے خدشات دُور ہو جائیں۔

قولہ: عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ،

ابو بُسر، یا ابو بِشران کا نام عبداللہ بن فیروز تھا۔

ابو داؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

لَوْ اَنَّ اللهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَ اَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِّنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا قَبِلَهُ اللهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَ تَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ	اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے تمام رہنے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دے تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ان پر اپنی رحمت کی بارش کر دے تو یہ ان کے لیے ان کے اعمال سے کہیں بہتر ہوگا اور اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دو تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور یہ یقین نہ جانو کہ جس مصیبت میں تم مبتلا تھے وہ ٹلنے والی نہ

فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَ تَعْلَمَ أَنَّ مَآ أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَ مَآ أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَ لَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَكُنْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بولے "اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ یہ صدقہ اُس وقت تک قبول نہ کرے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور یہ یقین نہ رکھو کہ جو تکلیف تمھیں پہنچی ہے وُہ ٹل نہیں سکتی تھی اور جو تکلیف نہیں آئی اُس میں تم مبتلا نہیں ہو سکتے تھے اور اگر تم اِس عقیدہ کے خلاف مر گئے تو جہنمی ہو گے۔

لِيُخْطِئَكَ وَ مَا اَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَكُنْتَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ

تھی اور جس مشکل سے بچ گئے ہو اُس میں مبتلا نہیں ہو سکتے تھے اور اگر تم اِس عقیدہ کے بغیر مر گئے تو اہلِ جہنم میں سے ہو جاؤ گے۔

ابن دیلمی کہتے ہیں کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی بات سُن کر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا ـــــ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کر

قَالَ فَأَتَيْتُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَ حُذَيْفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ وَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ فَكُلُّهُمْ حَدَّثَنِي بِمِثْلِ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (حدیثٌ صحیحٌ، رواہ الحاکم فی صحیحہ)

ابنِ دیلمی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد مَیں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حذیفہ ابن یمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے پاس جا کر اسی پریشانی کا اظہار کیا تو ان بزرگوں نے بھی وُہی حدیث سُنائی جو حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی۔

میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا ــــ ان کے بعد میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیثِ رسول ﷺ بیان کی۔ (یہ روایت ابن ماجہ میں ہے)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ	جب تک انسان چار چیزوں پر ایمان نہ رکھے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔
۱۔ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ	۱۔ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں
۲۔ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ ۔	۲۔ اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے
۳۔ وَيُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ	۳۔ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے پر ایمان رکھے۔

۴۔ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ ۴۔ تقدیر خواہ اُس کے حق میں بہتر ہو یا بُری اُس پر ایمان لائے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی طرح روایت بیان کی ہے

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ : اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے سب کی تقدیر لکھ دی تھی۔

ابن وہب نے مندرجہ ذیل الفاظ زائد نقل کیے ہیں۔

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ اور اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔
مذکورۃ الصدر احادیث اور ان کے علاوہ اسی مفہوم کی دوسری احادیث میں اُن لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے جو تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ احادیث اُن لوگوں کے خلاف حجّت ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں، جیسے معتزلہ اور وہ لوگ جو گناہ گار کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دیتے ہیں اُن کا یہی وہ عقیدہ ہے جو اکبر الکبائر اور بہت بڑی معصیت ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب و سنّت کی نصوص اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی رُو سے تقدیر کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر چارہ کار نہیں۔ اگر منکرینِ تقدیر بغیر توبہ کے مرگئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے اپنے خلاف خود ہی ہمیشہ کے لیے جہنمی ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے عقیدہ کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے کتاب و سنّت کے ان دلائل کو رد کر دیا ہے جو حد تواتر کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تقدیر پر ایمان لانا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ موحدین کبیرہ گناہ کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: بَیَانُ فَرْضِ الْإِیْمَانِ بِالْقَدْرِ۔

① تقدیر پر ایمان لانے کی فرضیت۔

الثانیۃ: بَیَانُ کَیْفِیَّۃِ الْإِیْمَانِ بِہٖ۔

② ایمان کی کیفیت کا بیان

الثالثۃ: إِحْبَاطُ عَمَلِ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِہٖ۔

③ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا اُس کے اعمال کا اکارت جانا۔

الرابعۃ: أَلْإِخْبَارُ أَنَّ أَحَدًا لَّا یَجِدُ طَعْمَ الْإِیْمَانِ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِہٖ۔

④ اِس بات کی وضاحت کہ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ ایمان کے مزے سے بالکل محروم رہے گا۔

الخامسۃ: ذِکْرُ أَوَّلِ مَا خَلَقَ اللّٰہُ۔

⑤ اُس چیز کا ذکر جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا (یعنی قلم)

السادسة: أَنَّهُ جَرٰى بِالْمَقَادِيْرِ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ۔

⑥ قلم نے حکمِ الٰہی سُنتے ہی اُس وقت سے لے کر جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اُسی وقت لکھ دیا۔

السابعة: بَرَآءَتُهُ ﷺ مِمَّنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِهٖ۔

⑦ جس شخص کا تقدیر پر ایمان نہیں اُس سے رسُول اللہ ﷺ کی بیزاری اور لاتعلّق کا اظہار۔

الثامنة: عَادَةُ السَّلَفِ فِيْ إِزَالَةِ الشُّبْهَةِ بِسُؤَالِ الْعُلَمَآءِ۔

⑧ سلف صالحین کی یہ عادتِ مُبارکہ تھی کہ علمائے کرام سے دریافت فرما کر شبہات کا ازالہ کرتے۔

التاسعة: أَنَّ الْعُلَمَآءَ أَجَابُوْهُ بِمَا يُزِيْلُ شُبْهَتَهٗ وَ ذٰلِكَ أَنَّهُمْ نَسَبُوا الْكَلَامَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَطْ۔

⑨ تقدیر کے متعلّق جتنے شُبہات پیدا ہو سکتے تھے، عُلمائے کرام نے اِن سب کا ایک ایک کر کے اسکو جواب دیا ہے کیونکہ اُنھوں نے اپنے دلائل کو براہِ راست رسُول اللہ ﷺ کی طرف منسُوب کیا ہے۔

باب ما جاء في المصورين

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰہ تعالیٰ: "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً۔"
(اخرجاہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو میرے جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس ایسے لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ، یا ایک جَو تو بنا کر دکھلائیں؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی ممانعت اور حرمت کی وجہ خود بیان فرمائی کہ مُصوّر تصویر کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ تخلیقِ کائنات اور تدبیرِ امر سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں اللہ تعالیٰ ہی سب کا مالک، پالنے والا، خالق اور تمام مخلوق کی جُدا جُدا تصویریں بنانے والا ہے۔ وہی اجسامِ خاکی میں روح پھونکتا ہے، جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ	(اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے) جس نے
خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ	ہر چیز کو بہت عمدہ طریقے سے پیدا کیا۔
الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝	اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی۔
ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ	پھر اس کی نسل حقیر پانی سے
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝	پیدا کی۔
ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ	پھر اس کو درست اور ٹھیک کیا۔
مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ	پھر اس میں اپنی طرف سے رُوح

وَ لَهُمَا عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللهِ۔

صحیحین میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے بنانے میں اُس کی مشابہت کرتے ہیں۔

السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○	پھونکی پھر تمہارے فائدہ کے لیے کان، آنکھ اور دل بنایا مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

(السجدۃ ــ ۷، ۸، ۹)

مصوّر جب کسی انسان یا کسی چوپائے وغیرہ کی تصویر بناتا یا فوٹو کھینچتا ہے تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے، یہ اس کی مثل اور اس کے ہم شکل ہوں، اس میں ذرّہ بھی فرق نہ ہو۔ یہی تصویر مصوّر کے لیے قیامت کے دن بہت بڑی مشکل اور عذاب کا سبب بن جائے گی اور مصوّر کو اس کا مکلف ٹھہرایا جائے گا کہ اس تصویر میں روح ڈالے لیکن وہ ایسا ہرگز نہ کرسکے گا۔ لہٰذا اس کو سخت ترین سزا دی جائے گی۔ کیونکہ تصویر بنانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جاندار چیز کی تصویر بنانے کی جب یہ سزا ہے تو اس شخص کی سزا کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر قرار دے لے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو مشابہ ٹھہرائے، تمام عبادات کو یا کسی ایک عبادت کو غیر اللہ کے لیے انجام دے۔ اس

وَلَهُمَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ يُعَذَّبُ بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہر تصویر بنانے والا جہنّم میں جائے گا، اُس کے لیے ہر تصویر کے عوض ایک ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعے اُسے جہنّم میں عذاب دیا جائے گا۔

کو اور دوسری تمام مخلوق کو تو اللہ کریم نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ عبادت کا مستحق تو اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ہر وہ عمل پسند کرتا ہے جس سے وہ راضی ہو۔

لہٰذا مخلوق کو خالق کا حق دینا، کسی لحاظ سے بھی قرینِ صحت اور درست نہیں اور مخلوق میں سے کوئی اس کا مستحق بھی نہیں۔

اور وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں ان میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے اور اس کے ارتکاب سے اللہ کریم کی نافرمانی لازم آتی ہے،

اللہ تعالیٰ نے ان ہی نافرمانیوں کو روکنے کے لیے اپنے رسُولوں کو مبعوث فرمایا کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے تاکہ شرک کی وضاحت بیان کریں اور مخلوق کو اس سے روکیں اور ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت اور طریقہ رہا ہے کہ اس نے اپنے رسولوں اور ان کے ماننے والوں کو نجات دی اور ان کے علاوہ جنہوں نے توحید کا انکار کیا اور شرک پر مُصر رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دیتے رہے۔ ان کی اس عظیم نافرمانی کی وجہ سے اس نے ان کو ہلاک اور برباد کردیا۔

و لهما عنه مرفوعًا : " مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ "

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی تصویر بناتا ہے تو قیامت کے دن اُس سے کہا جائے گا کہ اِس تصویر میں رُوح پھُونکے لیکن وُہ اس میں رُوح ہرگز نہ پھُونک سکے گا۔

رب کریم شرک کی سنگینی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء - ١١٦)

اللہ تعالیٰ اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے۔ اس گناہ کے علاوہ جس کو چاہے معاف فرما دے گا۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ○ (الحج - ٣١)

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو گویا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے اور اُسے پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دُور دراز جگہ پر اڑا کر پھینک دے۔

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ : قَالَ لِي عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح مسلم میں ابوالھیاج اسدی رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟

قولهٗ عَنْ اَبِي الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيِّ :

ان کا نام حیان بن حصین ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مجھے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس بڑی مہم کو سر کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالھیاج کو روانہ فرمایا اسی مہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تھا۔

تصاویر کو اس لیے مٹانے کا حکم دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ومماثلت پائی جاتی ہے۔

قبور کو زمین کے برابر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس سے عوام کے دلوں میں قبروں اور اہل قبور کی تعظیم اور فتنے میں گرفتار ہونے کا خدشہ تھا کیونکہ شرک میں ملوّث ہونے کے لیے سب سے بڑا سبب قبور کی تعظیم ہی ہے۔

لہٰذا انسان کو ان تمام امور کی طرف عنان توجہ مرکوز کرنے سے روکنے کی کوشش کی گئی جو دینِ اسلام، اس کے مقاصد اور اس کے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے تھے۔

أَلَّا تَدَعَ صُوْرَةً إِلَّا طَمَسْتَهَا

(پہلا یہ کہ) جو تصویر نظر آئے اُسے مٹا دو۔

جن امور سے رسول اللہ ﷺ نے روکا تھا ان میں جب سے تساہل اور سستی واقع ہوئی ہے، اس وقت سے عوام ان میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن سے بچنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ قبریں اہل قبور کے لیے ایک آزمائش و ابتلاء بن کر رہ گئیں اور نوبت بایں جا رسید کہ آہستہ آہستہ قبروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی اور بڑی بڑی عبادتیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دینی چاہییں تھیں وہ اہل قبور کے لیے انجام دی جانے لگیں۔ جیسے

دعا کرنا۔

مدد مانگنا۔

فریاد اور استغاثہ کرنا۔

خشوع وخضوع سے پیش آنا۔

جانوروں کو ذبح کرنا۔

نذر و نیاز دینا

اور ان کے علاوہ دوسری عبادات جن سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل — اور آجکل لوگوں نے جو قبور سے متعلق رویّہ اختیار کر رکھا ہے ان دونوں کے درمیان موازنہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور دونوں کے طریقِ کار ایک دوسرے سے جُدا ہیں اور یہ دونوں طریق ہائے عمل کبھی جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ

○ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

وَ لَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ

(دوسرا یہ کہ) ہر وُہ قبر جو بلند ہو اُسے زمین کے برابر کر دو۔

لیکن آجکل کا مسلمان قبروں کی طرف منہ کر کے بلکہ قبرستان میں جا کر نماز پڑھنے کا عادی ہو چکا ہے[1]۔

○ قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے رسُولِ اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

لیکن آج کل قبرستان میں مسجدیں بنائی جارہی ہیں اور ان کا نام مشاہد رکھا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے گھروں سے مشابہت ہو جائے۔

○ قبر پر چراغاں کرنے سے رسُولِ عربی ﷺ نے سختی سے روکا اور منع فرمایا تھا لیکن یار لوگوں نے بڑی بڑی جائدادیں وقف کر رکھیں ہیں جن کی آمدنی سے قبروں پر چراغاں ہوتا ہے۔

○ رحمتِ عالم ﷺ نے قبرستان پر میلے ٹھیلے سے منع فرمایا لیکن انہوں نے ایک خاص قسم کے میلے رچا رکھے ہیں۔ جہاں بڑی دُھوم دھام سے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ جیسے مسلمان عید یا حج کے لیے اجتماع کرتے ہیں بلکہ آجکل ان میلوں میں عیدین سے بھی زیادہ چہل پہل نظر آتی ہے۔

○ رسُولِ اکرم ﷺ نے قبر کو زمین کے برابر رکھنے کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ زیرِ مطالعہ حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم کی ثمامہ بن شفی والی

---

[1] بُرا ہو اہلِ بدعت کا کیونکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا انہوں نے اس کے الٹ عمل کیا۔ جیسے تصاویر بنانے سے منع کیا گیا تھا لیکن انہوں نے تصاویر کثرت سے بنائیں
ان کو قبروں پر تعمیرات سے روکا گیا تھا لیکن انہوں نے قبروں پر بڑے بڑے قُبّے بنا کر ان کو وثن اور بُت بنا لیا اور سب سے بڑا ظلم یہ ڈھایا کہ اس عملِ بد کو دینِ اسلام سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ میں یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی کی بدولت غیر اللہ کی پوجا شروع ہوئی اور وہ عبادات جو صرف اللہ تعالےٰ کے لیے مخصوص تھیں وہ غیر اللہ کے لیے ہونے لگیں۔

حدیث بھی کرتی ہے جس میں ابن شفی کہتے ہیں کہ ہم فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرزمینِ روم میں سفر کر رہے تھے کہ رودس کے مقام پر ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا۔ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اس کی قبر زمین کے برابر کر دی گئی پھر فضالہ بن عبیدؓ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ قبر کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

لیکن آج کل لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں حدیثوں کی مخالفت میں پورا پورا زور لگا رہے ہیں اور قبر کو اتنا اونچا کر دیتے ہیں جیسے کسی کا گھر ہو اور قبروں پر بڑے بڑے قبے بنا رہے ہیں۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم	قبروں کو چونا گچ کرنے، ان پر بیٹھنے اور
عَنْ تَجْصِيْصِ الْقَبْرِ وَ	ان پر کسی قسم کی تعمیر کرنے سے
اَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَ اَنْ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا
يُّبْنٰى عَلَيْهِ	ہے۔

نیز یہ کہ قبر پر لکھنے سے بھی روکا ہے۔ جیسا کہ ابوداود میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نَهٰی عَنْ تَجْصِيْصِ الْقُبُوْرِ	قبروں کو چونا گچ کرنے اور ان پر کسی قسم
وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا	کی عبارت لکھنے سے منع فرمایا ہے۔

قال الترمذی حدیث حسن صحیح

لیکن آج کل بڑی بڑی تختیوں پر قرآن کریم کی آیات لکھ کر قبروں پر لگاتے ہیں

○ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ قبر پر صرف قبر والی مٹی ہی ڈالی جائے، اس کے علاوہ دوسری جگہ کی مٹی نہ ڈالی جائے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ أَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ أَوْ يُزَادَ عَلَيْهِ ۔ (ابوداؤد)

رسولِ اکرم ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر کسی قسم کی عبارت لکھنے اور دوسری جگہ کی مٹی ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

لیکن آجکل لوگ بڑی بڑی اینٹیں اور پتھر رکھنے سے باز نہیں آتے بلکہ قبر کو چونا گچ کرنے سے بھی نہیں رُکتے۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی قبروں پر اینٹ وغیرہ رکھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم کرنے والے قبروں پر میلے رچانے والے اور ان پر چراغاں کرنے والے ایسے افراد جو قبروں پر مسجدیں تعمیر کرواتے ہیں اور بڑے بڑے قبے بنانے سے نہیں رُکتے اصل میں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے ہیں اور شریعتِ مطہرہ سے برسرِ جنگ ہیں اور سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ قبرستان میں مسجدیں بنا رہے ہیں اور پھر ان پر چراغاں بھی ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں کبائر میں سے ہیں۔

امام احمد کے شاگردوں اور دوسرے فقہاء نے ان امور کو حرام قرار دیا ہے۔

ابو محمد المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"قبروں پر چراغاں کرنا اگر جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ چراغاں کرنے والے پر لعنت نہ کرتے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ مال بے کار ضائع ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم اس طرح کی جاتی ہے جیسے مشرکین بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر چراغاں کرنے والے پر لعنت کی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد بنانا جائز نہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ یُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا (متفق علیہ)

یہود ونصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے ملعون قرار دیا کہ وہ انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور مسجدیں بنا لیتے تھے، اس سے آپؐ نے اپنی اُمّت کو خبردار کیا ہے۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس سے بُت پرستوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ جیسے بُت پرست اپنے بتوں کو پوجتے اور ان سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان سے مشابہت ہوجاتی ہے اس لیے ممانعت کردی گئی۔

ہم یہ بات واضح کر آئے ہیں کہ بُت پرستی کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب کہ لوگوں نے اپنے مُردوں کی بے انتہا تعظیم کی اور ان کی صورتیں اور شکلیں بنا کر رکھ لیں۔ اور پھر وقتاً فوقتاً ان کو چومتے چاٹتے رہے اور ان کے پاس جاکر عبادت کرتے رہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :۔

اب صورت حال یہ ہوچکی ہے کہ کچھ گمراہ اور مشرکین نے قبروں پر حاضری دینے کے لیے خاص قسم کی صورتیں بنا رکھی ہیں جو مناسک حج کے مشابہ ہیں اور خاص خاص طریقے اور وظائف لکھ رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض غالی اور گمراہ قسم کے لوگوں میں سے ایک شخص نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام اس نے

" مناسک حج المشھد "

رکھا ہے اس مصنف نے بیت اللہ الحرام سے مشھد کو برابری اور مشابہت دینے کی جسارت کی ہے۔

شریعتِ اسلامیہ کے ایک معمولی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ جسارت دینِ اسلام سے الگ ہونے اور بُت پرستوں میں شامل ہونے کی کھلی اور واضح دلیل ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے بارے میں جو ہدایات دیں اُن میں اور دوسری طرف قبر پرستوں نے جو طریق کار اختیار کر رکھا ہے اس میں بہت نمایاں اور واضح فرق ہے۔ ان مشرکین نے جو جو طریقے ایجاد کر رکھے ہیں ان میں اتنے مفاسد اور خرابیاں جمع ہیں، جن کو احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

ہم قارئینِ کرام کی سہولت اور علم کے لیے چند چیزوں کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

۱۔۔۔۔ ان مواقع اور مقامات کی تعظیم کرنے سے انسان فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔

۲۔۔۔۔ ان جگہوں کو میلے اور عُرس منانے کے لیے وقف کر دیا گیا ہے۔

۳۔۔۔۔ ان کی طرف لوگ سفر کرتے اور ان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

۴۔۔۔۔ جیسے بت پرست بتوں کے پاس جاکر ڈیرے ڈال لیتے اور مجاور بن کر بیٹھ رہتے تھے اور ان پر غلاف وغیرہ چڑھا لیتے تھے۔ یہ مجاور قبروں پر بیٹھنا مسجد الحرام میں بیٹھنے سے بھی افضل خیال کرتے ہیں قبروں کی خدمت کو مساجد کی خدمت سے زیادہ بہتر خیال کرتے ہیں ان قبروں میں جو شخص قندیل وغیرہ بجھا دیتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ شخص اب برباد اور عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ ایسے لوگوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

۵۔۔۔۔ اہلِ قبور اور مجاورین کے نام کی نذر و نیاز دینا۔

۶۔۔۔۔ مشرکین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبرستان میں آکر دعا کرنے سے مصائب و مشکلات دُور ہو جاتی ہیں اور دُشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ آسمان سے بارش ہوتی ہے تنگی دُور اور حاجات پُوری ہو جاتی ہیں۔ مظلوم کی دادرسی ہوتی ہے اور ڈرے اور گھبراتے ہوئے شخص کو امان مل جاتی ہے۔

۷۔۔۔۔ قبرستان میں مساجد تعمیر کرنے اور وہاں پر چراغاں کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت و پھٹکار کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۸۔۔۔۔ قبرستان میں یہ کام کرنے والا شرکِ اکبر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

۹۔۔۔۔ مشرک قبروں پر جاکر جس قسم کی بے ہودگیاں اور خلافِ شرع حرکات کرتے ہیں ان کی وجہ سے اہلِ قبور کو ایذا اور تکلیف پہنچے گی اور صالح اہلِ قبور ان کی حرکات سے اللہ کریم کے ہاں انتہائی نالاں ہوں گے اور بُرا سمجھیں گے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کی حرکات سے ناخوش ہوکر اپنی پوجا کرنے والوں سے قیامت کے دن بیزاری اور برأت کا اظہار کریں گے، جوکہ ان کی مصنوعی قبر پر کی جاتی ہیں۔ یہ قبر نصرانیوں کی خودساختہ اور مصنوعی ہے۔ ورنہ بقولِ اہلِ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں علی ہذا القیاس انبیاء، صلحاء اور مشائخ کی قبور پر جو شرکیہ اعمال ہوتے ہیں یہ پاک باز لوگ ان مشرکین اور ان کی حرکتوں سے بیزار ہوجائیں گے اور قیامت کے دن ان کی ان شرکیہ حرکات سے اور خود ان سے برأت اور لاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ اس کی وضاحت قرآنِ کریم نے یوں کی ہے کہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝	اور وہی دن ہوگا جبکہ (تمہارا رب) ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلالے گا جنہیں آج یہ اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں، پھر وہ اُن سے پوچھے گا "کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟"
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا	وہ عرض کریں گے "پاک ہے آپ کی ذات، ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں۔ مگر آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی

قَوْمًا بُوْرًا ○	دیا حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ
(الفرقان - ۱۷، ۱۸)	ہو کر رہے۔"

اللہ تعالیٰ مشرکین سے کہے گا

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ	تمہارے قول کو خود تمہارے معبود جھٹلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ !	"اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تونے لوگوں
أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ	سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری
اتَّخِذُوْنِيْ وَ أُمِّيَ اِلٰهَيْنِ	ماں کو بھی خدا بنا لو" تو وہ جواب میں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	کہے گا کہ "سبحان اللہ! میرا یہ کام
قَالَ سُبْحٰنَكَ ! مَا يَكُوْنُ	نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے
لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ	کا مجھے حق نہ تھا۔
لِيْ بِحَقٍّ ؕ	

(المائدہ - ۱۱۶)

ایک مقام پر یوں وضاحت کی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ	"اور جس دن وہ تمام انسانوں کو
يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ	جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے
اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○	گا۔ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا	کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے
مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا	کہ پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا
يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ	تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں
بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○	سے دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں
(السبا - ۴۰، ۴۱)	کی عبادت کرتے تھے ان میں سے
	اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔"

افسوس ہے کہ

۱۰۔۔۔ اس طرح سُنّتِ خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹایا اور بدعات کو زندہ کیا جا رہا ہے۔

۱۱۔۔۔ وہ مقامات جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند اور تمام مقامات سے افضل ہیں ان پر ان قبور کو افضل قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ قبر پرست تعظیماً و احتراماً ان قبور کی طرف عازمِ سفر ہوتے ہیں اور انتہائی خشوع اور رقّتِ قلب سے آتے ہیں۔ قبروں پر اس طرح چلّے کاٹتے ہیں کہ ان کی یہ حالت مسجدوں میں دکھائی نہیں دیتی بلکہ اس کا عشرِ عشیر بھی نظر نہیں آتا۔

۱۲۔۔۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کے جو فوائد بیان فرمائے ان میں سے ایک یہ ہے کہ قبرستان میں جانے سے آخرت یاد آتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اہلِ قبور کے لیے دعائے مغفرت مانگ کر ان پر ایک قسم کا احسان کیا جاتا ہے تیسرا یہ کہ صاحبِ قبر کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی درخواست کی جاتی ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے لیے بخشش اور استغفار کیا جاتا ہے اور پانچواں یہ کہ اس کے لیے خیر و عافیت کی دعا کی جاتی ہے لہٰذا قبرستان کی زیارت کرنے والا خود اپنا اور میّت کا محسن ہوتا ہے لیکن مشرکین نے معاملے کو بالکل الٹ دیا ہے اور دینِ اسلام کی مخالفت میں سرگرمِ عمل ہیں۔ قبرستان کی زیارت شرکیہ اعمال و افعال کا محور بن کر رہ گئی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صاحبِ قبر کے لیے دعا کرتے۔ لیکن یہ لوگ دعا کے لیے صاحبِ قبر کو کہتے ہیں یعنی ان سے حاجات طلب کرتے ہیں۔ نزولِ برکت کی بھیک مانگتے ہیں۔ دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان سے مدد مانگتے ہیں اس طرح یہ لوگ میّت کے لیے اور خود اپنے حق میں وبالِ جان بنے بیٹھے ہیں۔

یہی وہ اسباب تھے جن کے پیشِ نظر رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو زیارتِ قبور سے روک دیا تھا تاکہ نہ قبرستان میں جائیں اور نہ ان معاصی میں مبتلا ہوں۔ لیکن آپؐ نے جب دیکھا کہ لوگوں کے سینوں میں توحید راسخ

ہو چکی ہے۔ تو ایک خاص طریقے کے مطابق قبرستان میں جانے کی اجازت دے دی نیز ہر قسم کی غلط حرکتوں کے ارتکاب سے اُمت کو روک دیا جن میں بہت ہی بُرا فعل یہ ہے کہ انسان قبرستان میں جاکر قولاً یا عملاً شرک کا ارتکاب کرے

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ
قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرو۔ قبریں موت یاد دلاتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ مدینہ کے قبرستان سے گزر ہوا تو آپؐ نے قبرستان والوں کی طرف اپنا چہرہ کرکے دعا کی۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ! يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَ نَحْنُ بِالْاَثَرِ
(مسند احمد۔ ترمذی)

اے اہلِ قبور تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، تم اور ہم کو سب کو اللہ تعالیٰ بخش دے۔ تم ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔

یہ مسنون زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھائی اور مقرر فرمائی ہے، کیا اس میں شرک و بدعت کا ذرا بھی شائبہ پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر لحاظ سے ان کے خلاف ہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

لَنْ يُّصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا

اس اُمت کی اصلاح سوائے اس تعلیم کے کسی اور سے ہرگز نہیں ہو سکتی جس تعلیم سے سلفِ اُمت کی اصلاح ہوئی

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کسی اُمت نے اپنے نبیؐ کی باتوں اور اس کے دین کو چھوڑا تو اس کی جگہ شرک و بدعات نے ڈیرے ڈال لیے۔

سلف صالحین نے توحید کی حفاظت میں اپنی جانیں کھپا دیں اور ہر قسم کے حملوں سے اس کی حفاظت کا حق ادا کیا۔ یہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی قبرِ انور پر سلام کہنے کے لیے حاضر ہوتے تو سلام کہنے کے بعد اگر دعاء مانگنے کا ارادہ ہوتا تو اپنے چہروں کو بیت اللہ کی طرف کر لیتے اور اپنی پیٹھ کو قبر کی دیواروں کی طرف کر کے دعا کرتے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دعاء و التجا کا شبہ بھی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ بوقتِ دعاء قبلہ رو ہونا چاہیے اور بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ قبر کے قریب جا کر دعاء مانگنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے[1]۔

کیونکہ دعاء مانگنا ایک عبادت ہے جو غیر اللہ سے طلب نہیں کرنی چاہیے۔ ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی منقول ہے کہ

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ — دعا ہی عبادت ہے،

سلف صالحین نے ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا اور قبرستان میں وہی امور انجام دیے جن کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ جیسے صاحبِ قبر کے لیے دعائے خیر کرنا۔

اس کے لیے استغفار کرنا۔

اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحم کی درخواست کرنا وغیر ذلک۔

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

[1] علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے حضرت سلمہ بن وردان رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے اور پھر

يُسْنِدُ ظَهْرَهُ إِلَى جِدَارِ الْقَبْرِ ثُمَّ يَدْعُوا — قبر مبارک کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر (اور قبلہ رو ہو کر) کھڑے ہو جاتے۔ پھر دعا کرتے۔

لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَ لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ

اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، نہ میری قبر کو عید قرار دو، مجھ پر درود بھیجو تم جہاں بھی ہو تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔

اس حدیث کی سند جیدؔ ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ

"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ"

کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنا، دعا کرنا، تلاوت قرآن کریم ترک نہ کرنا چاہیے کیونکہ ان اعمالِ خیر کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ جیسے قبرستان میں یہ اعمال نہیں کیے جاتے اس طرح ان کو گھروں میں بھی ترک کر دیا جاتے جو سراسر غلط ہے۔

چنانچہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھرو ں میں نوافل پڑھنے کی ترغیب دی اور قبرستان میں نماز پڑھنے سے روکا ہے آپؐ کا یہ ارشادِ گرامی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے طرزِ عمل کے بالکل مخالف ہے۔

تعظیمِ قبور اور ان کو میلہ بنانے میں بڑے بڑے مفاسد اور خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ان خرابیوں کو وہی شخص ناپسند کرتا ہے جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وقار ہو اور توحید کے سلسلے میں اس کے دِل میں غیرت و حمیّت کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ شرک کی قباحت اس کے سینہ میں پیوست ہو۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ (شعور و ادراک کے لحاظ سے) مردہ دلوں پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

قبروں کی تعظیم کے بے شمار نقصانات ہیں جیسے

قبرستان کو میلے کی جگہ بنا لینا۔

وہاں نماز پڑھنا۔

ان کا طواف کرنا۔

ان کو چومنا چاٹنا۔

قبرستان کی مٹی کو اپنے چہرہ پر ملنا۔

اہلِ قبور کی عبادت کرنا

ان سے فریاد کرنا۔

ان سے رزق، مدد اور صحت و عافیت کی دعا کرنا۔

ان سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کا سوال کرنا۔

مصائب و شدائد کو دُور کرنے کی التجاء کرنا۔

پریشان حال کا اپنی حالت کو تبدیل کرانے کی التجاء کرنا۔

اولیائے کرام کی قبروں کو عید گاہ اور میلے بنانے والے غالی قسم کے لوگوں کا بنور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ لوگ جب دُور سے اپنے پیروں کی قبروں کو دیکھتے ہیں تو اپنی سواریوں سے اُتر کر پیادہ پا چلنا شروع کر دیتے ہیں اپنی جبینوں کو جھکا لیتے ہیں، زمین کو بوسہ دیتے ہیں، سروں کو ننگا کر لیتے ہیں اور آہ وزاری کی وجہ سے ان کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں اور تکلف سے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سفر سے ہمیں حاجیوں سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے اور ایسے مُردوں سے فریاد طلب کرتے ہیں جو نہ پہلی بار پیدا کر سکتے ہیں اور نہ دوبارہ اور دُور سے اہلِ قبور کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں اور قریب آکر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بے بہا اجر حاصل کر لیا ہے، حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص دو قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا عادی ہو اُسے کسی قسم کا کوئی اُجر نہیں ملتا۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ قبر کے ارد گرد رکوع و سجود میں مصروف ہیں اور میت کی رضا اور بھلائی کی اُمید رکھتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنی جھولیاں خسارہ اور ناکامی سے بھر لی ہیں۔

ان کا رونا دھونا، آوازوں کو بلند کرنا، خالص شیطان کے لیے ہے۔ میت سے مرادیں طلب کرتے ہیں، مصیبتوں سے گلو خلاصی چاہتے ہیں۔

فقر و فاقہ سے نجات اور مصائب و مشکلات سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔

قبر کا طواف اسی طرح کرتے ہیں جیسے بیت اللہ کا کیا جاتا ہے جسے اللہ کریم نے بابرکت اور تمام جہان والوں کے لیے رُشد و ہدایت کا مرکز بنا دیا ہے

قبر کا استلام اور بوسہ اسی طرح سے دیتے ہیں جیسے مسلمان حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں اپنی جبینوں اور چہروں کو قبر پر ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ وہ اس کے سامنے اتنے خاک آلودہ نہیں ہوتے

قبر کے "اعمال حج" کی تکمیل سر منڈوانے پر ہوتی ہے جس بدنصیب کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حصہ نہیں وہ ان اوثان اور قبور سے اپنا حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ وہ اپنے جانوروں کو ان قبور کے پاس آ کر ذبحہ کرتے ہیں۔ ان کی نمازیں، ان کی قربانیاں غیر اللہ کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی ہیں۔

اور ایک دوسرے کو یوں مبارکباد دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے"

مشرکین کا یہ گروہ جب اپنے گھروں کو واپس آتا ہے تو ان کو وہ غالی مشرک جو قبر پر نہیں جا سکا، کہتا ہے کہ تم میرا حج بیت اللہ کا ثواب لے لو اور اس کے عوض تم نے جو قبر کا حج کیا ہے وہ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ تو اُسے جواب ملتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اگرچہ تم تمام سالوں کے ثواب مجھے دے دو اور اس کے بدلے میں قبر کا حج لینا چاہو تو یہ تبادلہ ممکن نہیں ہے۔

ہم نے جو مذکورہ واقعات بیان کیے ہیں اس میں مبالغہ نہیں کیا بلکہ حقائق بیان کیے ہیں اور نہ ان لوگوں کی تمام بدعات کا احاطہ کیا جا سکا ہے۔ یہ بدعات و خرافات اتنی بڑھ چکی ہیں کہ انسان کے تصور سے بھی باہر ہیں۔ قوم نوح علیہ السلام انہی میں مبتلا ہو کر بُت پرستی کا شکار ہوئی تھی جس شخص نے علم و فقہ کی ذرا سی خوشبو بھی سونگھی ہے اُس سے یہ امور پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ اس پر لازم ہے کہ ان امور کے خطرات سے عوام کو آگاہ کرے تاکہ شرک اور بدعات کا دروازہ بند ہو جائے کیونکہ رسُولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعالِ قبیحہ کے انجامِ بد سے اُمّت کو آگاہ فرماتے ہوئے ان کی انتہائی سخت الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ انسان کی بھلائی اور خیر خواہی اور ہدایت اسی میں ہے کہ انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرے اور ہر قسم کی معصیت و گمراہی اور آپ کی مخالفت سے بچے۔"[1]

---

[1] اغاثۃ اللھفان: الجزء الاوّل

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلتَّغْلِيظُ الشَّدِيدُ فِي الْمُصَوِّرِينَ۔

① تصویر بنانے والوں کے لیے سخت وعید۔

الثانیۃ: أَلتَّنْبِيهُ عَلَى الْعِلَّةِ وَ هُوَ تَرْكُ الْأَدَبِ مَعَ اللهِ لِقَوْلِهِ : "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي۔

② تصویر نہ بنانے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی بے ادبی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانا چاہتا ہے۔

الثالثۃ: أَلتَّنْبِيهُ عَلَى قُدْرَتِهِ وَ عَجْزِهِمْ فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً"۔

③ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوق کی عاجزی کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک ذرہ (ایک دانہ) یا کم از کم ایک جَو ہی بنا کر دکھلائیں؟

الرابعۃ: أَلتَّصْرِيحُ بِأَنَّهُمْ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا۔

④ اِس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ تصویر بنانے والے کو دُوسرے لوگوں سے سخت عذاب ہوگا۔

الخامسۃ أَنَّ اللهَ يَخْلُقُ بِعَدَدِ كُلِّ صُورَةٍ نَفْسًا يُعَذِّبُ بِهَا الْمُصَوِّرَ فِي جَهَنَّمَ۔

⑤ دنیا میں مُصوّر نے جتنی تصویریں بنائی ہوں گی، اتنی ہی جانیں قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ بنائے گا جن کے ذریعے سے مُصوّر کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔

السادسۃ أَنَّهُ يُكَلَّفُ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ۔

⑥ مُصوّر کو مجبور کیا جائے گا کہ وُہ اِن تصاویر میں رُوح ڈالے۔

السابعۃ اَلْأَمْرُ بِطَمْسِهَا إِذَا وُجِدَتْ۔

⑦ جہاں بھی تصویر ملے اُسے مٹا دینے کا حکم۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی کَثْرَةِ الْحَلِفِ

اس باب میں

بکثرت قسمیں کھانے کی ممانعت

اور اس پر وعید اور تہدید کی گئی ہے

قول اللہ تعالیٰ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ (المائدہ: ۸۹)

عن ابي هريرة رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ اَلْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْكَسْبِ ۔ (اخرجاہ)

اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ قسم کھانے سے سامانِ تجارت بِک تو جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔

قولہ : وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ :

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"بغیر کفارہ ادا کیے اپنی قسموں کو یوں ہی نہ چھوڑ دیا کرو"

ابن جریر رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہ مفہوم نقل فرمایا ہے کہ

"خواہ مخواہ قسمیں نہ کھائی جائیں"۔

بعض اہلِ علم نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ

"اپنی قسمیں توڑا نہ کرو"

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے زیرِ نظر آیت کریمہ سے وہی معنیٰ مراد لیے ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیے ہیں۔ کیونکہ زیادہ قسمیں کھانا اور بار بار قسم توڑنا آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ اس میں ایک برائی تو یہ ہے کہ قسم کو بالکل ہلکا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیاں ہیں جو کمالِ توحید کے منافی ہیں۔

قولہ : اَلْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ :

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان اپنے مال کے بارے میں یوں قسم اٹھاتا ہے کہ

وعن سلمان رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ
ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ تین قسم کے اِنسانوں سے بات نہ کرے گا، نہ اُن کو پاک کرے گا
اور اُن کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

میں نے اس مال کو اتنی قیمت دے کر خریدا اور مجھے اتنی قیمت مل رہی ہے، تو خریدار اس کی قسم پر اعتبار کرتے ہوتے اور اس کو سچا سمجھتے ہوئے اصل قیمت سے زیادہ ادا کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی قسم میں سچا نہیں ہوتا بلکہ جھوٹ بولتا ہے۔ تاکہ اس کو زیادہ قیمت ملے اس نے یہ جھوٹی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کو اس کی سزا یہ ملتی ہے کہ اس کے مال سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ برکت کا ختم ہو جانا اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس نے جو جھوٹی قسم اٹھا کر معمولی سی قیمت زیادہ وصول کی تھی، وہ برکت ختم ہو جانے کی تلافی نہیں کر سکتی۔ بعض اوقات تو اس قدر سزا ملتی ہے کہ رأس المال ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ رہا وہ اجر و ثواب جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے گا تو وہ اطاعتِ خداوندی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ دنیا کی زیب و زینت گناہ گار کے لیے اپنی پوری رعنائی اور خوشنمائی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ لیکن اس کا انجام ہلاکت اور عذابِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔

قولہ: وَعَنْ سَلْمَانَ :

سلمان سے غالباً سلمان فارسی مراد ہیں۔

جن کی کنیت ابو عبداللہ ہے جب رسولِ اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو یہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔

ابوعثمان نہدی، شرحبیل بن سمط وغیرہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ — سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میرے اہلِ بیت میں سے ہیں اور اللہ تعالے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مِنْ اَصْحَابِیْ — میرے صحابہ میں سے چار شخصوں یعنی

اَرْبَعَةً عَلِیًّا وَ اَبَا ذَرٍّ — علی، ابوذر، سلمان فارسی اور مقداد

وَسَلْمَانَ وَ الْمِقْدَادَ (ترمذی — ابن ماجہ) — سے بہت ہی محبت رکھتا ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" یہ جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس ہزار افراد کے امیر تھے خطبہ دیتے وقت ان کے اُوپر ایک بہت بڑی چادر ہوتی تھی جس کا آدھا حصہ پہن لیتے اور باقی آدھا نیچے بچھا لیا کرتے تھے۔ امیرالمؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے رضی اللہ عنہ "

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ۳۶ھ میں ساڑھے تین سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سلمان سے مراد سلمان بن عامر بن اوس الضبی ہیں۔

قولہٗ : ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ :

ان تین قسم کے عاصی لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی گفتگو کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ربِ کریم ان خوش نصیب افراد سے ضرور ہمکلام ہو گا جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالے کی صفاتِ کاملہ میں سے ایک صفت کلام کرنا بھی ہے۔ اس سلسلے میں کتاب وسُنّت کے دلائل واضح ہیں۔ اہلِ سُنّت والجماعت اور محققین کا یہی عقیدہ ہے کہ تمام افعال واعمال اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وجہ ہی سے قائم ہیں اور اسی کی مشیئت وارادہ سے تمام امور انجام پاتے ہیں اور ہمیشہ سے ربِ کریم صفتِ کلام سے متصف رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام بحیثیت آحاد حادث ہے اور بحیثیت نوع قدیم ہے۔

جیسا کہ تمام ائمہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں، امام احمد اور ان کے علاوہ تمام مسلمان فرقوں کے اہلِ علم نے کہا ہے قرآن کریم میں ہے کہ

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ — اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب وہ

شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ — کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے

فَيَكُوْنُ ○ (یٰس - ۸۲) — فرما دیتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے

أُشَيْمِطٌ زَانٍ وَ عَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ

۱۔ بوڑھا زانی ، ۲۔ تکبر کرنے والا فقیر

اس آیت کریمہ میں اللہ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو زمانہ حال اور مستقبل دونوں پر دلالت کرتے ہیں اور اس قسم کی بہت سی آیات قرآنِ کریم میں موجود ہیں

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"منکرین صفاتِ الٰہیہ اگر یہ اعتراض کریں کہ

"ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حوادث اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں"

تو ہم ان کے جواب میں کہیں گے کہ

پہلے یہ بتاؤ کہ ائمہ سلف میں سے کس نے اس کا انکار کیا ہے۔ ؟

قرآن وحدیث کے نصوص اور عقل صریح اس معنیٰ کو متضمن ہیں۔ حوادث کا لفظ مجمل ہے کبھی اس سے اعراض اور نقائص بھی مراد لیے جاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان سے منزہ اور مبرہ ہے بلکہ فعل یا کلام اس کی صفتیں ہیں جو اس کی ذات سے قائم ہیں اور جب بھی چاہے کلام کرے۔ یہی قول علمائے حدیث اور ائمہ سنت مثلاً حضرت عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل وغیرہ کا ہے۔

شارح کتاب الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام حوادث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر قدرت رکھتا ہے اور وہ اس کی مشیت، ارادے اور اس کے حکم سے وجود میں آتے ہیں۔

قولہ : وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ :

بات یہ ہے کہ اِن لوگوں کا گناہ بدترین اور عظیم ترین ٹھہرا تو ان کو اس کی سزا بھی سخت سے سخت ملنی ضروری ہے۔ چنانچہ ان افراد کے لیے مذکورہ تینوں سزائیں مقدر کیں جو انتہائی سخت ہیں۔

قولہ : أُشَيْمِطٌ زَانٍ :

وَ رَجُلٌ جَعَلَ اللّٰهَ بِضَاعَتَهُ لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِيَمِينِهِ وَ لَا يَبِيعُ إِلَّا بِيَمِينِهِ۔

(رواہ الطبرانی بسند صحیح)

۳۔ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مال سمجھا ہُوا ہے۔ بایں صورت کہ مال کو خریدتے اور بیچتے وقت قسم ضرور اٹھاتا ہے۔

رسُولِ اکرم ﷺ نے صیغۂ تصغیر اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے استعمال فرمایا کیونکہ بوڑھے شخص کے اندر زنا پر ابھارنے والی قوت انتہائی کمزور ہوتی ہے۔ ایسا شخص پھر بھی زنا کی طرف میلان رکھے تو اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ یہ شخص گناہ اور فسق وفجور میں پوری طرح گھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بالکل نہیں ڈرتا اور گناہ کرنے کی طاقت نہ ہونے کے باوجود، مبتلائے معصیت ہونا سخت ترین عذاب اور سزا کا موجب ہے۔

بخلاف نوجوان کے کیونکہ نوجوان کے دِل میں خوفِ خدا ہوتے ہوئے بھی بعض اوقات اس پر شہوتِ نفس غالب آجاتی ہے اور وہ گناہ میں ملوث ہوجاتا ہے۔ پھر نادم وشرمسار بھی ہوتا ہے۔ اپنے کیے پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور اس فعل سے باز آجاتا ہے۔

مسکین اور نادار ہونے کے باوصف تکبّر کرنے والا بھی ایسا ہی ہے۔ اس نادار کے پاس اتنا مال ہی نہیں، نہ اتنی نعمتیں اور نہ اپنے علاقہ میں اس کی کوئی قابلِ ذکر شہرت ہے جو متکبرانہ کردار کی داعی اور سبب ہو۔ لہٰذا ایسے شخص کا تکبر کرنا جس کے پاس تکبر کے وسائل ہی نہیں ہیں، یہ بتاتا ہے کہ اس کی طبیعت ہی متکبّرانہ ہے۔ جو اس کے اندر کئی امراضِ بد کی پرورش کرتی ہے چنانچہ ایسے شخص کی سزا بھی دوہری رکھی گئی ہے کیونکہ وہ دواعی کبر نہ ہونے کے باوجود مرتکبِ کبر ہوتا ہے اور یہ معصیت کبیرہ ہے

قولہ : وَرَجُلٌ جَعَلَ اللّٰهَ بِضَاعَتَهُ:

یعنی جو شخص اپنا سرمایۂ زندگی قسم اٹھانا ہی قرار دے لے۔

حدیثِ نبویؐ کے ان الفاظ میں قسم کو سرمایہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس شخص نے قسم اٹھانا اپنے آپ پر لازم ٹھہرا لیا ہے اور یہ چیز اس پر غالب آچکی ہے۔

زیرِ نظر حدیث میں یہ تینوں قبیح ترین اعمال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر ان میں گرفتار ہونے والا شخص

وفی الصحیح عن عمران ابن حصین ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي۔

صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمّت کا بہترین دَور وُہ ہے جس میں مَیں خُود موجود ہوں۔

موحد ہے تو اس کی توحید کمزور اور اس کے اعمال انتہائی ناقص ہیں کیونکہ یہ برائیاں اس کے دِل میں موجود ہیں اور اس کی زبان اور عمل سے ظاہر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو اور سب کو ان گناہوں سے محفوظ رکھے اور ہم ہر اُس عمل سے پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

قولہٗ : وَفِي الصَّحِيحِ :

یعنی صحیح مسلم :

یہ روایت ابوداود اور ترمذی نے بھی نقل کی ہے۔ البتہ صحیح بخاری میں "خَيْرُكُمْ" کے الفاظ ہیں۔

قولہٗ : خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي :

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے دور کو اس لیے بہتر اور بابرکت قرار دیا ہے کہ اِس دور میں جن لوگوں نے آپؐ کا ساتھ دیا، وہ علم، ایمان اور اعمال صالحہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ انہوں نے ایسا کردار ادا کیا جس میں ہر شخص ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہا تھا۔ یہ ایسا بابرکت دور تھا جس میں خیر ہی خیر تھی۔ صالحین کی کثرت تھی۔ برائی برائے نام رہ گئی تھی اور بُرے کام کرنے والے کمزور پڑ چکے تھے۔ اسلام اور ایمان کا دور دورہ تھا۔

ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَلَا أَدْرِيْ أَذْكَرَ بَعْدَ قَرْنِهٖ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ؟

پھر وہ دَور جو میرے بعد آنے والا ہے، پھر وہ دَور جو اُس کے بعد آئے گا۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دَور کے بعد دو ادوار کا ذکر فرمایا یا تین کا؟

قولہٗ : ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ :

یہ وہ پاک باز لوگ تھے کہ اپنے بعد آنے والوں پر اس لیے فضیلت حاصل کر گئے کہ ان کے مُبارک دور میں اسلام کا ظہور ہوا اس وقت دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے اسباب و ذرائع عام تھے۔ اسلام کی طرف رغبت کرنے والوں اور اس پر ثابت قدم رہنے والوں کی کمی نہ تھی اور جب بدعات و محدثات کا ظہور ہوا اور خارجیہ، قدریہ اور رافضیہ وغیرہ نئے فرقے اُبھرے تو ان پاک باز حضرات نے ان کو اور ان کی بدعات کو ختم کرنے کی بھرپور جدوجہد کی اور اہلِ بدعت انتہائی ذلیل ہوئے۔ ان پر ہر طرح سے نکیر کی گئی اور ان لوگوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا جنھوں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اپنی بدعات سے تائب نہ ہوئے۔

قولہٗ : فَلَا أَدْرِيْ أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهٖ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا :

اس حدیث کے راوی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو شبہ ہے کہ آپ نے دو بار یہ الفاظ فرمائے یا تین بار ؟

مشہور روایات میں اُس کی تصریح موجود ہے کہ تین ادوار کو فضیلت دی گئی ہے۔ البتہ تیسرا دور پہلے دونوں سے افضلیت میں کم ہے۔ کیونکہ اس دور میں بدعات کا زیادہ زور تھا۔ لیکن بایں ہمہ اس دور میں علماء کی کمی نہ تھی۔ اسلام بہرکیف غالب تھا اور مجاہدینِ اسلام ہر وقت سینہ سپر رہتے تھے ان تین ادوار کے بعد مسلمانوں کے اندر جو خرابیاں پیدا ہوئیں اور بدعات نے جس قدر سر اُٹھایا، اس کے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ

"ایسے افراد موجود ہوں گے جو بن بلائے گواہی دینے کے لیے تیار ہوں گے"

ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَنْذُرُوْنَ وَلَا يُوْفُوْنَ وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بلا طلب گواہی دیں گے، خیانت کریں گے، امانت دار نہیں ہوں گے، جب نذر مانیں گے تو اُسے پُورا نہیں کریں گے اور اُن میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

ان لوگوں کے ہاں شہادت کی قدر و قیمت اور اہمیت کا فقدان ہوگا اور صدق و سچائی کی جستجو ناپید ہو چکی ہوگی۔ یہ صورتِ حال اس لیے پیدا ہوگی کہ ان کے دین میں کمزوری آجائے گی اور اسلام میں ضعف واقع ہو جائے گا۔

قولہ : وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ :

رسُولِ کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت خیانت اور بددیانتی کی خوگر ہو چکی ہوگی۔

قولہ : وَيَنْذُرُوْنَ وَلَا يُوْفُوْنَ :

یعنی ان پر جو چیز فرض اور واجب ہوگی اسے ادا نہیں کریں گے۔ ان مذموم اعمال کا ان میں پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ ان کا اسلام انتہائی کمزور ہوگا اور وہ ایمان کی دولت سے محروم ہوں گے۔

قولہ : وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ :

دنیا کی رغبت و محبت اور تنعم ان پر غالب آجائے گا۔ روزِ قیامت سے غفلت اور یومِ آخرت سے بے پروائی کے نتیجے میں ان کی یہ حالت ہوگی۔

وفيه عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : "خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَ يَمِينُهُ شَهَادَتَهُ" ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دور وہ ہے جس میں مَیں خود موجود ہوں، پھر وہ دور جو میرے بعد آنے والا ہے، پھر وہ دور جو اُس کے بعد آئے گا، اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی گواہی قسم سے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

لَا يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ

ہر آنے والا دور بد سے بدتر آتا جائے گا یہاں تک کہ تم اپنے ربّ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جاؤ گے۔

اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اُمت کے اندر برائیاں بڑھ رہی ہیں۔ یہاں تک شرک و بدعت لوگوں کے اندر گھس آیا ہے کہ اس سے وہ لوگ بھی نہیں بچ سکے جن کو اصحاب علم کہا جاتا ہے اور جو رات دن تعلیم اور تصنیف میں مصروف رہتے ہیں۔

شارح کتاب علامہ الشیخ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ان لوگوں کا اب یہ عالم ہے کہ شرک و بدعت اور گمراہی کی طرف لوگوں کو علی الاعلان دعوت دے رہے ہیں اور اس موضوع پر نظم و نثر میں کتابیں بھی تصنیف کر چکے ہیں،

وَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ كَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَ الْعَهْدِ وَ نَحْنُ صِغَارٌ۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ہمارے بزرگ ہمیں گواہی اور عہد پر قائم رہنے کے لیے مارا کرتے تھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے موجبات قہر و غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

قولہ: وَفِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ

امام الموحدین الشیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قیامت کو بھلا دے اور اپنی تمام توجہ صرف دنیا کی طرف لگا دے ایسے شخص کے نزدیک نہ شہادت کی کوئی قدر ہوتی ہے اور نہ قسم کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل سے اللہ تعالیٰ کا ڈر کم ہو جاتا ہے اور اس کو اس کی گرفت کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ آجکل اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ یہ حالت اسلام کے دورِ اوّل ہی میں پیدا ہو چکی تھی۔ اب تو کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو ان سے الگ رہنا اور شرک و بدعت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

قولہ: قَالَ إِبْرَاهِيمُ :

یعنی ہمارے بزرگ گواہی اور وعدہ پر ہمیں پیٹا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ علم میں پختہ، ایمان میں قوی، ربِ کریم کی معرفت میں یکتائے روزگار اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شیدائی تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر افضل ترین جہاد ہے۔ اس کے بغیر دینِ اسلام اپنی صحیح شکل و صورت میں قائم نہیں رہ سکتا۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایسے معاملات میں صرف اس لیے زدوکوب کیا جاتا تھا تاکہ انہیں اطاعت الٰہی اور گناہوں سے اجتناب کی مشق اور تمرین ہو جائے اور ان کو پتہ چل جائے کہ جو کام تکلیف دہ اور دین کی خرابی کا باعث ہو اُسے کسی قیمت پر نہیں کرنا چاہیے۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: اَلْوَصِيَّةُ بِحِفْظِ الْاَيْمَانِ۔

① اپنی قسم کی حفاظت کرنے کی وصیت کی گئی ہے۔

الثانیۃ: اَلْإِخْبَارُ بِأَنَّ الْحَلْفَ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ۔

② خواہ مخواہ اور جھوٹی قسم اٹھانے سے مال کی قیمت تو اچھی مل جاتی ہے

لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔

الثالثۃ: اَلْوَعِيْدُ الشَّدِيْدُ فِيْمَنْ لَّا يَبِيْعُ وَ لَا يَشْتَرِيْ إِلَّا بِيَمِيْنِهٖ۔

③ اُس شخص کو سخت ڈانٹ پلائی گئی ہے جو مال خریدتے اور بیچتے وقت خواہ مخواہ قسمیں اٹھاتا ہے۔

الرابعۃ: اَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى أَنَّ الذَّنْبَ يَعْظُمُ مَعَ قِلَّةِ الدَّاعِيْ

④ اِس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے کہ جس شخص میں گناہ میں ملوث ہونے کے اِمکانات اِنتہائی قلیل اور تھوڑے ہوں اور وہ پھر بھی گناہ کی طرف زیادہ میلان رکھے تو اُس کا یہ گناہ صغیرہ نہ ہوگا بلکہ کبیرہ گناہ شمار ہوگا۔

الخامسة ذَمُّ الَّذِيْنَ يَحْلِفُوْنَ وَ لَا يُسْتَحْلَفُوْنَ

⑤ ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جن سے قسم طلب نہیں کی جاتی لیکن وہ اس کے باوجود قسمیں اٹھاتے ہیں۔

السادسة ثَنَاءُهُ ﷺ عَلَى الْقُرُوْنَ الثَّلَاثَةِ أَوِ الْأَرْبَعَةِ وَ ذِكْرُ مَا يَحْدُثُ۔

⑥ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب ترین تین یا چار ادوار کی تعریف فرمائی ہے اور جن نئی نئی بدعات کا ظہور ہونے والا تھا اُس کی پیش گوئی بھی فرمادی۔

السابعة ذَمُّ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ وَ لَا يُسْتَشْهَدُوْنَ۔

⑦ بطورِ خاص اُن افراد کی سخت مذمت کی گئی ہے جو گواہی طلب کیے بغیر گواہی دیتے ہیں۔

الثامنة كَوْنُ السَّلَفِ يَضْرِبُوْنَ الصِّغَارَ عَلَى الشَّهَادَةِ وَ الْعَهْدِ۔

⑧ سلفِ اُمّت کا یہ دستور تھا کہ نابالغ بچوں کو گواہی اور عہد پر قائم رہنے کے لیے زدوکوب کیا کرتے تھے۔

باب ماجاء

فی ذمۃ اللہ وذمۃ نبیہ

اس باب میں وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنے عہد و پیمان کو توڑ دے تو یہ گناہ ہلکا ہے بنسبت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان توڑنے سے۔

قول الله تعالیٰ وَ أَوْفُوْا بِعَهْدِ اللهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (النحل : ۹۱)

اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اُس سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اُوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب افعال سے باخبر ہے۔

قولہ : وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللهِ :

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے قول و قرار اور عہود و مواثیق کو پورا کریں اور ایمان کی کامل حفاظت کریں۔ اسی لیے حکم فرمایا کہ دیکھو!

لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا قسم اٹھانے کے بعد اُسے توڑو نہیں۔

اس آیت کریمہ اور مندرجہ ذیل آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ: اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ

اور آیت

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ (المائدہ - ۸۹) یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ جب کہ تم قسم اٹھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی اور ان آیات میں بھی کوئی تناقض نہیں ہے

اِنِّيْ وَاللهِ اِنْ شَاءَ اللهُ اگر قسم اٹھانے کے بعد کوئی دوسرا پہلو

لَا اَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَاَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اَتَيْتُ الَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهَا وَ تَحَلَّلْتُهَا وَ كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِىْ	بہتر دکھائی دے تو میں قسم کو توڑ کر بہتر پہلو اختیار کر لیتا ہوں۔ اور میں اپنی پہلی قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔

ان آیات اور حدیث پاک میں فی الواقع کوئی تعارض یا تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات میں وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی عہد و پیمان میں داخل ہیں۔

اور جن قسموں کو توڑنا جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے، ان سے وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی کو ترغیب دینے یا کسی چیز کے نہ دینے کے بارے میں اٹھائی جائیں۔

اسی بنا پر اس آیت میں جن قسموں کی ممانعت کی گئی ہے ان کے متعلق مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کی قسمیں ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لَاحِلْفَ فِى الْاِسْلَامِ وَ اَيُّمَا حِلْفٍ كَانَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ لَمْ يَزِدْهُ الْاِسْلَامُ اِلَّا شِدَّةً	اسلام میں کوئی حلف نہیں اور جاہلیت کی تمام قسموں کو اسلام نے مزید سخت کر دیا ہے۔

امام مسلم نے یہ روایت اسی طرح روایت کی ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

اسلام ایسا صاف ستھرا اور نکھرا ہوا مذہب ہے جسے جاہلیت کی قسموں کی قطعاً ضرورت اور احتیاج نہیں ہے کیونکہ اسلام سے تمسک اور اس پر عمل کی دیواریں استوار کرنا، انسان کو زمانہ جاہلیت کی تمام چیزوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اللہ کے اس فرمان میں

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ	تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس کو جانتا ہے

ان لوگوں کے لیے سخت تہدید اور وعید نہاں ہے جو قسم کھانے کے بعد، اُسے توڑ دیتے ہیں۔

وعن بريدة رضي الله عنه قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْصَاهُ بِتَقْوَى اللهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا۔

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو ایک بڑی فوج یا چھوٹے لشکر پر امیر مُقرّر کرتے تو اُسے اللہ کے تقویٰ اور اپنے ماتحت لشکر کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی بطورِ خاص وصیّت فرماتے۔

قولہ : عن بریدۃ :

بریدہ، ابن الحصیب اسلمی ہیں۔ ان سے یہ روایت، ان کے بیٹے سلیمان بیان کرتے ہیں

قولہ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا

اس حدیث سے، امیر مقرّر کرنے کی وضاحت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو امیر مقرر کرتے وقت اُس کو بطورِ خاص ضروری ہدایات دینی چاہئیں۔

امام ابراہیم الحربی رحمہ اللہ سریہ اور جیش میں فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

السّریہ : اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں اندازاً چار سو گھڑ سوار ہوں اور

الجیش : کا اطلاق اس لشکر پر ہوتا ہے۔ جس میں چار سو سے زائد گھڑ سوار ہوں

تقویٰ اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر اس کی اطاعت میں زندگی گزاری جائے۔

شارح کتاب الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے حصول کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ

ربّ کریم نے جن اُمور کے انجام دینے کا حکم دیا ہے اُن پر عمل کیا جائے اور جن سے روکا گیا ہے اُن کو چھوڑ دیا جائے۔

فَقَالَ اغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ ، فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ -

پھر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُسی کا نام لے کر لڑائی کرو اور ہر شخص سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

قولہ: وَمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا

یعنی امیرِ لشکر کو اس بات کی وصیت فرمائی کہ جو لوگ تمہاری ماتحتی میں ہیں اُن کے ساتھ بھلائی، نرمی اور احسان سے پیش آیا جائے اور ان کے سامنے بڑا بننے کی کوشش نہ کی جائے

قولہ: اُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ

یعنی ربِّ کریم سے مدد و استعانت چاہتے ہوئے اور اپنے اس عظیم الشان عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص سمجھتے ہوئے میدانِ کارزار کی طرف بڑھو۔ بسم اللہ میں حرف "باءُ" اللہ سے استعانت اور اس پر توکّل کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قولہ: قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ

یہ اپنے اندر عمومیت لیے ہوئے ہے۔ اس میں ہر وہ محارب شامل ہے جو کفر کی سرحدوں میں داخل ہے۔ خواہ وہ میدانِ جنگ میں ہو یا اپنے گھر میں؛ اس حکم سے بعض افراد کو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خارج کر دیا ہے مثلاً

- معاہد۔
- رہبان
- عورتیں اور
- نابالغ بچے

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ولا تقتلوا ولیدا۔ عابد قسم کے لوگوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے اس لیے روکا ہے کہ عام طور پر یہ لوگ مقابلے میں نہیں اترتے لیکن اگر یہ افراد بھی میدانِ جنگ میں مقابلے کے لیے آجائیں یا جنگی تدابیر کرتے ہوئے دیکھ لیے جائیں تو پھر ان کو بھی قتل کرنے کا حکم ہے

أُغْزُوْا وَ لَا تَغُلُّوْا وَ لَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا ۔
وَ إِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتُهُنَّ أَجَابُوْا لَكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ ۔

لڑائی کرو (اور یاد رکھو) کہ نہ تو خیانت کرنا، نہ عہد و پیمان توڑنا، نہ کسی کو مُثلہ کرنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔
اور جب مُشرک دشمن سے آمنا سامنا ہو تو اُس کے سامنے تین شرطیں پیش کرنا۔ اگر ان میں سے ایک بھی قبول کرلے تو اُسے منظور کر لینا، پھر جنگ سے رُک جانا۔

چھوٹے بچوں کے بارے میں بھی یہی قاعدہ چلے گا۔

قولہ: وَلَا تَغُلُّوْا

غلول: یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے ہی اس میں سے کچھ حصہ الگ کر لیا جائے۔

غدر: یہ ہے کہ اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا جائے۔

تمثیل: یہ ہے کہ دشمن کے کسی سپاہی کو قتل کرکے اس کے ناک کان اور ہاتھ کاٹ کر بدن سے جدا کر دیے جائیں اور اس کی لاش کو بدشکل اور عیب دار بنا دیا جائے۔

غلول اور غدر کی حرمت اور مُثلہ کی کراہت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

قولہ: فَادْعُهُمْ اِلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ اَوْ خِلَالٍ

راوی کو شبہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ خصال ارشاد فرمایا یا خلال؟ بہرکیف دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

(۱) اسلام کی طرف دعوت دینا، اگر اسے قبول کرلیں تو اس کو منظور کر لینا اور پھر انہیں

ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوا لَكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَىٰ دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَ أَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ۔

۱۔ اِسلام کی طرف دعوت دینا، اگر اُسے قبول کرلیں تو اِس کو منظور کرلینا اور پھر انھیں دارالکُفر سے دارُالسّلام یعنی مُہاجرین کے مقام (مدینہ طیّبہ) کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دینا اور یہ بتانا کہ اگر یہ لوگ ہجرت کریں گے تو اِن کو وُہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اُنھیں بھی برداشت کرنا ہوگا۔

دارالکفر سے دارالاسلام یعنی مہاجرین کے مقام (مدینہ طیّبہ) کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دینا۔ اور یہ بتانا کہ اگر یہ لوگ ہجرت کریں گے تو ان کو وہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے انہیں بھی برداشت کرنا ہوگا۔

قولہ : ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ

صحیح مسلم کے تمام نسخوں میں "ثُمَّ" کا لفظ آیا ہے۔ لیکن قرینِ صواب اس کا اسقاط ہے جیساکہ مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے مثلاً مصنّف ابی داؤد اور کتاب الاموال ابی عبید میں ہے۔ لفظ "ثُمَّ" کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سے ان تین امور کا تفصیل سے ذکر شروع کیا جارہا ہے، جن کی طرف دعوت دینا ضروری ہے۔

قولہ : ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ

فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ تَعَالَى وَ لَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَ الْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ۔

—اگر ہجرت کرنے سے اِنکار کریں تو پھر یہ لوگ اُن بدوی مسلمانوں کی طرح ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اور ان کو مالِ غنیمت اور مالِ فیٔ میں سے حصہ نہیں ملے گا، بجز اِس کے کہ وہ بھی مُسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔

دارالمہاجرین سے مدینہ طیبہ مراد ہے۔

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلا جائے۔

اس ارشادِ نبوی ﷺ سے پتا چلا کہ مسلمان ہونے والا مکی ہو یا غیر مکی بہر صورت اس کو ہجرت کر کے مدینہ پہنچنا ضروری تھا۔

قولہ: فَاِنْ اَبَوْا اَنْ یَّتَحَوَّلُوْا مِنْھَا

یعنی ایک شخص مسلمان تو ہو گیا ہے، لیکن اس نے ہجرت نہیں کی اور نہ وہ جہاد میں شریک ہونے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوا، تو ایسے مسلمان کو خمس اور مالِ فیٔ میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔

اسی حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مال سے اعراب

فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْأَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوا لَكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَ قَاتِلْهُمْ ۔

۲۔ اگر وہ اسلام لانے سے انکار کریں تو پھر اُن سے جزیہ طلب کرنا۔ اگر جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے رُک جانا۔

۳۔ اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ان سے جنگ کرنا۔

کو بھی حصہ نہیں ملے گا۔ بلکہ ان کو صدقہ و خیرات سے حصہ ملے گا جسے اغنیاء سے وصول کر کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح کہ مجاہدین اور جیوشِ اسلامی کو صدقہ و خیرات میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جیسا مال ہو اسی قسم کے لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ البتہ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے دونوں (مالِ خمس اور فئ) کو برابر قرار دیا ہے اور ضعیف کے لیے ان کی تقسیم جائز قرار دی ہے۔

قولہ : فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْأَلْهُمُ الْجِزْيَةَ

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو امام مالک رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ہر کافر سے، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی اہل کتاب ہو یا کوئی اور جزیہ وصول کرنے کے سلسلے میں حجت قرار دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام کافروں سے سوائے مشرکین عرب اور مجوس عرب کے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف اہلِ کتاب سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ عرب ہوں یا عجم۔ امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ مجوسیوں سے لیا جائے گا۔

شارح کتاب علامہ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا اور فرمایا تھا کہ ان سے وہی معاملہ کرو جو اہل کتاب سے کیا جاتا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ سب سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

جزیہ کی مقدار کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن کے پاس سونا ہے ان سے چار دینار فی کس اور جن کے پاس چاندی ہے ان سے چالیس درہم فی کس کے حساب سے وصول کیا جائے گا۔

کیا جو شخص مالی اعتبار سے کمزور ہو، اس کے لیے اس مقدار میں کمی کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مالدار ہو یا غریب ہر شخص سے ایک ایک دینار وصول کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے کوفی فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مالدار سے اڑتالیس درہم، متوسط طبقہ کے لوگوں سے چوبیس درہم اور غریب سے بارہ درہم وصول کیے جائیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

یحییٰ بن یوسف صرصری حنبلی رحمہ اللہ اس کو اس طرح نظم کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔

وقاتل یهودا والنصاری وعصبة المجوس فان هم سلموا الجزیة اصدد
علی الادون اثنی عشر درهما افرضن وأربعة من بعد عشرین زید
لاوسطهم حالا ومن کان موسرا ثمانیة مع اربعین لتنقد
وتسقط عن صبیانهم ونسائهم وشیخ لهم فان واعمی ومقعد
وذی الفقر والمجنون او عبد مسلم ومن وجبت منهم علیه فیهتدی

یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کے گروہ سے جنگ کرو۔ اگر وہ جزیہ دینا منظور کر لیں تو جنگ سے رُک جاؤ۔

غریب پر بارہ درہم، متوسط الحال پر چوبیس درہم اور تونگر پر اڑتالیس درہم ادا کرنا ضروری ہے بچوں، عورتوں، بوڑھوں، اندھوں اور گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کو معاف ہے۔

فقیر، مجنوں، یا مسلمان غلام اور ان میں سے جس پر بھی واجب ہو، پوچھا جائے گا۔

وَ إِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوْكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَ ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَ ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَ لٰكِنْ اِجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَ ذِمَّةَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ إِنْ تَخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَ ذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تَخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللهِ وَ ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ۔

اور اگر تم کبھی کسی قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کر لو اور دشمن یہ چاہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کا ذمہ لے لو تو ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ لے لینا کیونکہ اگر تم اپنا یا اپنے ساتھیوں کا ذِمّہ توڑ دو گے تو اس کا گناہ بہرحال اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ذمہ توڑنے سے ہلکا ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تمام علمائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ صرف بالغ، عاقل اور آزاد شخص سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

البتہ جو شخص اپنے گھر بار سمیت مسلمانوں سے دُور ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا ــــ ایک یہ کہ اسے مسلمانوں کے شہروں میں لایا جائے اور پھر اس سے جزیہ لیا جائے۔

۲ ــــ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس سے جنگ کی جائے۔

قولہٗ: وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ:

اس جملے سے آخر حدیث تک میں ان فقہائے کرام اور اہلِ اصول کے لیے دلیل ہے جو یہ

وَ إِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ وَ لٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ فِيهِمْ حُكْمَ اللّٰهِ أَمْ لَا ؟ (رواہ مسلم)

اور جب تم کسی قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کر لو اور وہ یہ چاہے کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتار لو تو ایسا ہرگز نہ کرنا، اِس لیے کہ تمھیں کیا معلوم کہ تُو اُن میں اللہ کا حکم پا سکتا ہے یا نہیں ؟

کہتے ہیں کہ مسائلِ اجتہادیں میں ایک ہی پہلو درست اور صحیح ہوتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی مشہور مسلک ہے۔ وجہِ استدلال رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجتہادی مسائل میں معیّن حکم فرمایا ہے، جو اس کے مطابق ہوگا وہ درست اور صحیح ہوگا اور جو اس کے مخالف ہوگا وہ غلط ہوگا۔

الذّمّۃ بمعنی عہد۔

تخفر۔ کے معنی توڑنے کے ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ جو شخص عہد و پیمان پورا نہیں کرتا اس سے نقضِ عہد کا وقوع لازم ہے۔

جیسا کہ اعراب کی اکثریّت کا حال ہوتا ہے۔

یعنی اگر کسی کی زیادتی کی وجہ سے عہد توڑنے کی نوبت آجائے تو بہتر یہ ہے کہ تم اپنا عہد توڑ دو۔ ربِّ کریم کے عہد کو توڑنے سے اپنا عہد توڑ دینا باعتبار معصیت کے ہلکا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ان سب احادیث میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے گی، چنانچہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: أَلْفَرْقُ بَيْنَ ذِمَّةِ اللهِ وَ ذِمَّةِ نَبِيِّهِ وَ ذِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ ۔

① اللہ کریم اور رسول کریم ﷺ کے ذِمّہ اور عام مسلمانوں کے ذِمّہ میں فرق۔

الثانیۃ: أَلْإِرْشَادُ إِلَى أَقَلِّ الْأَمْرَيْنِ خَطَرًا ۔

② دو خطرناک کاموں میں سے جو زیادہ ہلکا ہو اُسے اختیار کرنے کی طرف رہنمائی۔

دعوتِ اسلام دینے سے پہلے نہ ان سے جنگ کی جائے اور نہ ان پر حملہ کیا جائے۔ یہی قول صحیح ہے۔

جنگ شروع کرنے سے پہلے دعوتِ اسلام دینے میں بے شمار فوائد ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ دشمنِ اسلام کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ مسلمان نہ تو دنیا حاصل کرنے کے لیے جنگ کرتے ہیں اور نہ کسی عصبیت کی بنا پر میدان میں اُترتے ہیں۔ بلکہ جنگ سے اُن کا واحد مقصد یہ ہے کہ دینِ اسلام کا بول بالا ہو۔

اگر یہ فلسفۂ جنگ دشمن کے ذہن پر اثر انداز ہو جائے تو ممکن ہے وہ حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور یہ چیز ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے اور اگر دشمن، مسلمانوں کے مقصودِ اصلی سے بے خبر ہوں گے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ مسلمان بھی حصولِ دنیا اور بادشاہت کی خاطر میدان میں نکلے ہیں۔ یہ اس سے دشمن کے دِل میں بغض وعناد کی آگ مزید بھڑکے گی۔

الثالثة قوله : أُغْزُوْا بِسْمِ اللهِ فِي سَبِيْلِ اللهِ -

③ آپکا یہ فرمان کہ بِسمِ اللہ کہہ کر اور صرف رضائے الٰہی کو مدِ نظر رکھ کر جہاد میں حصّہ لو۔

الرابعة قوله : "قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ

④ آپ کا یہ فرمان کہ جو اللہ سے کفر کرتا ہے اُس سے جنگ کرو۔

الخامسة قوله : "إِسْتَعِنْ بِاللهِ وَ قَاتِلْهُمْ"

⑤ آپکا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور کُفّار سے جنگ کرو۔

السادسة اَلْفَرْقُ بَيْنَ حُكْمِ اللهِ وَ حُكْمِ الْعُلَمَآءِ -

⑥ اللہ کریم اور عُلماء کے حُکم میں فرق۔

السابعة فِي كَوْنِ الصَّحَابِيِّ يَحْكُمُ عِنْدَ الْحَاجَةِ بِحُكْمٍ لَا يَدْرِي أَيُوَافِقُ حُكْمَ اللهِ أَمْ لَا ؟

⑦ بوقتِ ضرورت صحابیؓ بھی ایسا حکم دے سکتا ہے جسے وہ نہیں جانتا کہ آیا یہ حکم اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟

بابُ ماجاء فی الاقسام علی اللہ

اس باب میں

اس بات کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں اس طرح اللہ کی قسم کھائے کہ وہ فلاں شخص کو معاف نہیں کرے گا

عن جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رَجُلٌ وَاللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ۔ فَقَالَ اللهُ تَعَالٰى مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلّٰى عَلَيَّ أَنْ لَّا أَغْفِرَ لِفُلَانٍ؟

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ "بخدا! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی مغفرت نہیں کریگا" اللہ عزّوجلّ نے فرمایا کہ یہ کون ہوتا ہے جو میرے متعلق قسم کھائے کہ میں فلاں شخص کی مغفرت نہیں کروں گا۔

قولہ : يَتَأَلّٰى :

يَتَأَلّٰى یعنی اس نے قسم کھائی۔ لفظ اَلِیَّۃ، تشدید یا کے ساتھ ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔
شرح السنۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے، جو صحیح ہے اور جس کی سند حضرت عکرمہ بن عمّار رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

"میں ایک دفعہ مسجد نبوی ؐ میں داخل ہوا تو مجھے ایک شیخ نے آواز دی "اے یمامی! اِدھر آؤ" لیکن میں اس کو نہیں پہچانتا تھا۔ اُس نے کہا دیکھو! کسی سے یہ الفاظ نہ کہو کہ

وَاللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لَكَ — بخدا! اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہ بخشے گا
أَبَدًا وَلَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ — اور تجھے جنّت میں داخل نہ کرے گا

میں نے عرض کی۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ کون ہیں؟
اُس نے جواب دیا "میرا نام ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہے"

عکرمہ بن عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا - یہ جملہ تو عام بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے خاندان میں سے کسی پر یا اپنی بیوی پر، یا خادم پر ناراض ہوتا ہے تو یہ الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں -

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ

إِنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مُتَحَابَّيْنِ أَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ وَالْآخَرُ كَأَنَّهُ يَقُولُ مُذْنِبٌ	بنی اسرائیل میں سے دو شخص آپس میں دوست تھے۔ اُن میں سے ایک بہت عبادت گزار تھا اور دوسرے کے متعلق آپ کا اشارہ تھا کہ وہ گنہگار تھا۔
فَجَعَلَ يَقُولُ: أَقْصِرْ عَمَّا أَنْتَ فِيهِ	عابد اُسے ہمیشہ یہ کہتا کہ یہ عادتِ معصیت ترک کردو۔
قَالَ فَيَقُولُ: خَلِّنِي وَرَبِّي	وہ جواب دیتا کہ تم میرا معاملہ اللہ کے سپرد کردو۔
قَالَ، فَوَجَدَهُ يَوْمًا عَلَى ذَنْبٍ اِسْتَعْظَمَهُ فَقَالَ: أَقْصِرْ	ایک دن ایسا ہوا کہ اُسے کسی ایسے گناہ میں مبتلا دیکھا جس کو وہ گناہِ کبیرہ سمجھتا تھا۔ کہنے لگا تم باز آجاؤ۔
فَقَالَ: خَلِّنِي وَرَبِّي أَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيبًا؟	گنہگار نے جواب دیا۔ تو مجھے اللہ کے حوالے کردے۔ کیا تجھے میرا نگران مقرر کیا گیا ہے؟
فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ وَلَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ أَبَدًا	عابد نے کہا۔ اللہ کی قسم نہ تو اللہ تمہاری مغفرت کرے گا اور نہ تجھے کبھی جنت میں داخل کرے گا۔
قَالَ: فَبَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِمَا	اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف

إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُ وَ أَحْبَطْتُ عَمَلَكَ (رواہ مسلم)

مَیں نے اُس کی مغفرت کر دی اور تیرے (قسم کھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیے۔

مَلَكًا فَقَبَضَ أَرْوَاحَهُمَا	فرشتے کو بھیجا اور اُس نے ان کی روحیں
فَاجْتَمَعَا عِنْدَهُ	قبض کر لیں، دونوں اللہ کے سامنے
فَقَالَ : لِلْمُذْنِبِ	کھڑے ہو گئے، گنہگار سے کہا۔
اُدْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِيْ	تم میری رحمت سے جنت میں داخل
وَ قَالَ لِلْآخَرِ : أَتَسْتَطِيْعُ	ہو جاؤ اور عبادت گزار سے فرمایا
أَنْ تَحْظُرَ عَلٰى عَبْدِيْ	کیا تم میری رحمت کو میرے بندوں
رَحْمَتِيْ ؟	سے روک سکتے ہو ؟
قَالَ : لَا يَا رَبِّ	اس نے کہا نہیں اے میرے پروردگار
قَالَ : اِذْهَبُوْا بِهٖ إِلَى	اللہ نے فرشتوں سے کہا اسے دوزخ
النَّارِ	کی طرف لے جاؤ۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس شخص نے ایسی بات زبان سے نکالی، جس نے اُس کی دنیا اور آخرت کو تباہ کر ڈالا۔

سنن ابی داود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

كَانَ رَجُلَانِ فِيْ بَنِيْ	بنی اسرائیل میں دو شخص ایک دوسرے
إِسْرَائِيْلَ مُتَآخِيَيْنِ فَكَانَ	سے برادرانہ مراسم رکھتے تھے۔ ان
أَحَدُهُمَا يُذْنِبُ وَالْآخَرُ	میں سے ایک گنہگار تھا اور دوسرا
مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ	بہت عبادت گزار۔

وَفِي حديث ابي هريرة رضی اللہ عنہ أَنَّ الْقَائِلَ رَجُلٌ عَابِدٌ قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَ آخِرَتَهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ قسم کھانے والا شخص عبادت گزار تھا۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس قسم اُٹھانے والے شخص نے ایسی بات کہی جس کی وجہ سے اپنی دنیا اور آخرت برباد کر ڈالی۔

فَكَانَ لَا يَزَالُ الْمُجْتَهِدُ يَرَى الْآخَرَ عَلَى الذَّنْبِ فَيَقُولُ: اَقْصِرْ فَوَجَدَهُ يَوْمًا عَلَى ذَنْبٍ فَقَالَ لَهُ اَقْصِرْ

عبادت گزار اپنے دوست کو گناہ میں ملوث دیکھتا تو ہمیشہ یہ کہتا کہ تم گناہ سے باز آجاؤ۔ ایک روز اسے گناہ کرتے ہوئے دیکھا تو کہا اب تو رُک جاؤ۔

فَقَالَ: خَلِّنِي وَرَبِّي اَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيبًا؟

گنہگار نے جواب دیا مجھے میرے رب کے سپرد کردو کیا تم کو میرا نگران بنایا گیا ہے؟

قَالَ: وَاللهِ لَا يَغْفِرُ اللهُ لَكَ وَلَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ

عابد نے کہا بخدا اللہ تعالیٰ نہ تیری مغفرت فرمائے گا اور نہ تجھے جنت میں داخل کرے گا۔

فَقُبِضَتْ اَرْوَاحُهُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ لِهٰذَا الْمُجْتَهِدِ اَكُنْتَ بِيْ عَالِمًا اَوْ كُنْتَ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ قَادِرًا؟

اب ان دونوں کی روح قبض کر لی گئی اور انہیں پروردگارِ عالم کے پیش کیا گیا۔ اللہ نے عابد سے فرمایا کیا تجھے میرے بارے میں علم تھا یا میرے انعامات پر تجھے قدرت حاصل تھی؟

فَقَالَ لِلْمُذْنِبِ : اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ	گنہگار کو حکم دیا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔
وَقَالَ لِلْاٰخَرِ : اِذْهَبُوْا بِهٖ اِلَى النَّارِ	اور عابد کے متعلق فرشتوں کے نام فرمان جاری کیا کہ اسے دوزخ کی طرف لیجاؤ

قولہ : وَفِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ الْقَائِلَ رَجُلٌ عَابِدٌ :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے یہ الفاظ حدیث کے اِن الفاظ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِی الْعِبَادَۃِ یعنی ان میں سے ایک بہت عبادت گزار تھا۔

ان احادیث میں لغزشِ زبان کا بیان ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو گفتگو میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے عرض کیا۔

وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ ؟	کیا ہم اپنی گفتگو کی وجہ سے پکڑے جائیں گے ؟
قَالَ ، ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ ! هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ قَالَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ[1]	آپ نے فرمایا معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے۔ تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں کو دوزخ میں مُنہ کے بل یا آپ نے فرمایا نتھنوں کے بل، ان کی زبانوں کا کیا دھرا ہی گرائے گا

[1] مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولی: أَلتَّحْذِيرُ مِنَ التَّأَلِّي عَلَى اللهِ۔

① اللہ تعالیٰ پر قسم کھانے سے ڈراوا

الثانیۃ: كَوْنُ النَّارِ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِنَا مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ۔

② عذابِ دوزخ ہمارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

الثالثۃ: أَنَّ الْجَنَّةَ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

③ جنّت کا بھی یہی حال ہے۔

الرابعۃ: فِيهِ شَاهِدٌ لِقَوْلِهٖ "أَنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ۔

④ اس میں رسول مقبول ﷺ کے اس فرمان کی تائید ہے "إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ" میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان بعض اوقات ایسا جملہ کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے

الخامسۃ: أَنَّ الرَّجُلَ قَدْ يُغْفَرُ لَهُ بِسَبَبٍ هُوَ مِنْ أَكْرَهِ الْأُمُورِ إِلَيْهِ۔

⑤ بعض اوقات ایسے معاملے میں بھی بخشش ہو جاتی ہے جو انسان کے نزدیک بہت بُرا ہوتا ہے۔

باب

لا یستشفع باللہ علیٰ خلقہٖ
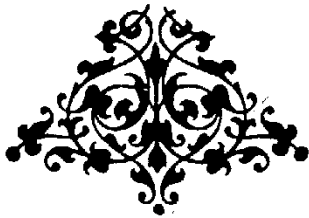
اس باب میں اِس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی کی حیثیت نہیں دینی چاہیئے خواہ وہ شخص اپنے طور پر کتنی بھی اہمیت کا مالک ہو

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! نُهِكَتِ الْأَنْفُسُ، وَ جَاعَ الْعِيَالُ وَ هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ فَاسْتَسْقِ لَنَا رَبَّكَ فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ عَلَيْكَ وَ بِكَ عَلَى اللهِ -

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ایک دیہاتی عرض کرنے لگا کہ "اے اللہ کے رسول! جانیں تلف ہوگئیں، بچے بھوک سے مر گئے اور مال برباد ہو گیا۔ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیجیے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپ کو اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں"۔

قولہ : عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ

مصنف رحمہ اللہ نے حدیث کو مختصر نقل فرمایا ہے۔ قارئینِ کرام کی معلومات کے لیے ہم یہاں پوری حدیث نقل کرتے ہیں۔

أَتَى رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ جُهِدَتِ الْأَنْفُسُ وَ ضَاعَتِ الْعِيَالُ وَ نُهِكَتِ الْأَمْوَالُ وَ هَلَكَتِ الْأَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللهَ لَنَا فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک دیہاتی نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سخت امتحان کا سامنا ہے۔ بچے ضائع ہو گئے ہیں، مال برباد ہو گئے ہیں اور مویشی ہلاک ہو گئے ہیں۔ لہٰذا

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ
اللهِ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ
فِي وُجُوهِ أَصْحَابِهِ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ
أَتَدْرِي مَا اللهُ ! إِنَّ شَأْنَ اللهِ
أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ
بِاللهِ عَلٰى أَحَدٍ ۔ (ذکر الحدیث، رواہ ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی کی بات سن کر بار بار سبحان اللہ پڑھا، یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر بھی نمودار ہوا، پھر فرمایا "تجھ پر افسوس! تو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے؟ اس کی شان اتنی بلند ہے کہ اسے کسی کے حضور سفارشی نہیں لے جایا جاتا۔"

عَلَيْكَ ۔	آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجیے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس سفارشی بناتے ہیں۔
قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَيْحَكَ اَتَدْرِيْ مَا تَقُوْلُ؟	رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہو۔ معلوم ہے تو کیا کہہ رہا ہے۔؟
وَسَبَّحَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ	اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں

قَالَ : وَيْحَكَ اِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ شَاْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَيْحَكَ اَتَدْرِیْ مَا اللّٰهُ ؟

پر اس کے اثرات ظاہر ہو گئے

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس! اللہ تعالیٰ کو اس کی کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہیں بنایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں بڑی ہے۔ تجھ پر افسوس ہو۔ کیا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا شان ہے۔؟

اِنَّ عَرْشَهٗ عَلٰى سَمٰوٰتِهٖ لَهٰكَذَا وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَيَئِطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ ۔

اس کا عرش آسمانوں کے اُوپر قبّے کی طرح ہے۔ وُہ عرش اس طرح چرچراتا ہے جیسے کجاوا (زین) سوار کے بوجھ کی وجہ سے آواز کرتا ہے۔

ابنِ بشّار کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَوْقَ عَرْشِهٖ وَعَرْشُهٗ فَوْقَ سَمٰوٰتِهٖ

اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور اس کا عرش آسمانوں کے اُوپر ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"امام ابُوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو محمد بن اسحاق بن یسار[1] کے ذریعہ سے جہمیہ کے ردّ میں "سندِ حسن" سے روایت کیا ہے۔"

قولهٗ : وَيْحَكَ اِنَّهٗ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ :

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک اور مُربّی ہے۔ ہر قسم کی بھلائی اس کے قبضہ میں ہے۔ وُہ جسے دینا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے نہ دینا چاہے اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔ وُہ جو

---

[1] شارح کتاب کا امام ذہبی رحمہ اللہ کی بات کو ذکر کرنا اور پھر محمد بن اسحاق بن یسار کا حوالہ دینا دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس روایت میں محمد بن اسحاق بن یسار راوی مدلس ہے۔
مزید تحقیق کے لیے دیکھیے عون المعبود۔ جلد ۴ صفحہ نمبر ۳۷۰

فیصلہ کر دے اُسے کوئی رد نہیں کر سکتا۔ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں۔ وُہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر کام پر قادر ہے۔ وُہ جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو وُہ کام صرف کُن کہنے سے عمل میں آجاتا ہے۔ تمام مخلوق اور جو کچھ ان کے قبضے میں ہے، وُہ سب اِسی کی ملکیت ہے جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وُہ ذات ہے جس کے پاس سفارش کی جاتی ہے۔ اِسی بنا پر رسُولِ اکرم ﷺ نے اِس دیہاتی کی بات پر نکیر کی۔

قولهٗ: وَسَبَّحَ اللهَ كَثِيْرًا وَعَظَّمَهٗ:

رسُول اللہ ﷺ نے بار بار سُبحان اللہ اس لیے پڑھا تھا کہ دیہاتی کی بات اللہ تعالیٰ اور اُس کی بے پایاں حمد و ثنا کے شایانِ شان نہ تھی۔ اس کی شان تو بہت بلند اور عظمت والی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ۔

- اللہ کریم اپنی تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں سے اُوپر ہے۔
- استواء علی العرش کی تفسیر صحابہ کرام۔ تابعین اور ائمہ کرام کی طرح علو (بلندی) سے بیان فرمائی ہے

اس ضمن میں صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ کا جو مسلک بیان کیا گیا ہے، اس سے فرقہ جہمیہ، معطلہ معتزلہ، اشاعرہ اور اُن کی طرح کے وُہ لوگ جنھوں نے اللہ کے اسماء و صفات میں الحاد سے کام لیا ہے، انکار کرتے ہیں۔ ان فِرقِ باطلہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد اور زندقہ سے کام لیتے ہُوئے ان کو ایسے معانی پہنانے کی کوشش کی ہے جن کو اصل الفاظ سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اللہ کے اسماء و صفات سب کے سب اس کے کمال، علوِّ شان اور عظمت پر دلالت کناں ہیں۔ جیسا کہ سلف صالحین، ائمہ کرام اور ان کے بعد آنے والے ان علمائے کرام کا مسلک ہے، جنھوں نے کہ کتاب و سُنّت کو بنائے استدلال ٹھہرایا ہے۔ ان سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات وہی ہیں جو اس نے خُود اپنی ذات کے لیے ثابت کیے یا رسُول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی ہیں جو کہ اس کی ذات کے لیے زیبا ہیں اور اس کی عظمت و بزرگی کے لائق ہیں۔ ان کا مطلب ہے اثبات بلا تمثیل اور تنزیہہ بلا تعطیل۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی مایۂ ناز تصنیف "مفتاح دار السعادۃ" میں رقمطراز ہیں کہ "جب انسان اپنی اندرونی بصیرت سے اپنے آپ کی اور اپنے رب کی معرفت تامہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے سامنے بابِ آسمان وا ہو جاتے ہیں اور انسان آسمان کے چپے چپے۔ اس کے ملکوت اور فرشتوں پر نگاہ ڈالتا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے تمام دروازے کھلتے جاتے ہیں حتیٰ کہ قلبِ انسانی ربِ ذوالجلال کے عرش تک جا پہنچتا ہے۔ عرش کی وسعت، اُس کی عظمت، اُس کا جلال، اُس کی بلندی اور بزرگی دل کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ اس وقت اُس کے مقابل ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی چٹیل اور وسیع میدان میں چھوٹا سا گول حلقہ پڑا ہو اور اللہ ذوالجلال کے عرش کے ارد گرد ملائکہ کی فوجیں سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ فرشتوں کے تسبیح و تحمید اور تکبیر و تقدیس کہنے کی وجہ سے ایک شور بپا ہوتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں سے تمام عالم کی تدابیر جاری ہوتی ہیں اور تمام جہان کے لشکر کے لیے جن کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے احکام صادر ہوتے ہیں۔
قوموں کی موت و حیات اور عزت و ذلت کے فیصلے یہیں کیے جاتے ہیں۔

- ایک کو بادشاہ بنانے اور دوسرے سے مملکت چھین لینے کا حکم یہیں سے صادر ہوتا ہے۔
- نعمتوں کے ادل بدل کا مرکز یہی ہے۔
- انسانی ضروریات کو مختلف اندازوں سے پورا کرنے کا فیصلہ یہیں ہوتا ہے۔
- نقصانات کی تلافی کرنا اور محتاج کو تونگر اور غنی بنانا سب اسی مقام پہ کیا جاتا ہے۔
- مریضوں کو شفا دینا۔
- کسی کی تکالیف کو دور کرنا۔

- کسی گناہ گار کو معاف کرنا۔
- کسی کی مشکل کو حل کرنا۔
- مظلوم کی فریاد رسی اور امداد کرنا۔
- بھولے ہوئے کو راہ دکھانا۔
- جاہل کو عالم بنانا۔
- بھاگے ہوئے کو واپس لانا۔
- خوف زدہ کو امان دینا۔
- پناہ کے طالب کو محفوظ جگہ عطا کرنا۔
- کمزور کی مدد کرنا۔
- عاجز اور درماندہ کی اعانت کرنا۔
- پریشان حال کی پریشانی رفع کرنا۔
- ظالم سے بدلا لینا۔
- اور سرکش کی زیادتیوں کو روکنے کے فیصلے یہیں سے صادر ہوتے ہیں۔

یہ سب فیصلے عدل و انصاف اور حکمت و رحمت کے عین مطابق جاری اور تمام عالم میں نافذ ہوتے ہیں۔

رَبِّ ذوالجلال کی ذات ایسی بے مثل ذات ہے کہ بیک وقت مختلف زبانوں سے نکلی ہوئی مختلف دُعائیں اور عرض داشتیں اسے کسی کا کلام سُننے میں حائل نہیں ہو سکتیں۔

اور بلحاظ اختلافِ لغات اور کثرتِ مسائل وحاجات اور طرفہ یہ کہ بیک وقت پکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں خلط ملط نہیں ہوتیں[1] اور اگر اللہ تعالےٰ سب کی حاجات و ضروریات کو پُورا کر دے تو اُس کے خزانہ میں ذرّہ بھر کمی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ وُہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ ہے۔

---

[1] رَبِّ کریم اصرار سے مانگنے والوں سے اکتاتا نہیں۔

انسان یہاں پہنچ کر ربّ ذوالجلال کی دہشت وہیبت کی وجہ سے اُس کے سامنے سر جُھکا دیتا ہے، اس کی بے پناہ عزت وعظمت کے پیشِ نظر انتہائی خشوع وخضوع سے اُس کے حضور کھڑا ہوجاتا اور اللہ ذوالجلال والاکرام کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتا ہے۔ یہ ایسا سجدہ ہوتا ہے جو قیامت تک کے لیے انسان کو اُٹھنے کا نام نہیں لینے دیتا۔

یہ تھا دل کا سفر، جبکہ انسان اپنے وطن، گھربار اور اہل وعیال میں ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات اور اس کی کاری گری کے بے مثل عجائب ہیں۔ پس مُبارک ہو اس مسافر کو، کتنا بابرکت ہے یہ سفر۔ اس کے نتائج وثمرات بہت ہی زیادہ ہیں۔ اس کے فوائد اور اس کا انجام عدیم النظیر ہے۔ یہ ایسا بابرکت سفر ہے جس سے رُوح کو نئی زندگی ملتی ہے اور جو سعادت وخوش بختی کی کلید ہے۔ عقلمندوں کا مالِ غنیمت ہے یہ وُہ سفر نہیں جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔

هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ ۔ سفر جہنم کے عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ رسُول اللہ ﷺ سے اُن کی زندگی میں سفارش کرائی جائے۔ تو حضور ﷺ کو شفیع بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دُعا کرائی جائے۔ اور دُعا کرانا صرف رسُول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر وہ زندہ شخص جو عابد و مُتقی ہو اور نیکی و پارسائی کے اوصاف سے مزین ہو اس کی دُعا مستجاب ہوگی کسی خاص وعام معاملے میں ایسے شخص سے دُعا کرانے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور ایسے بُزرگ اور صالح شخص کو چاہیے کہ وُہ سائل اور ہر خاص وعام کے لیے دُعا مانگے جیسا کہ رسُولِ اکرم ﷺ نے خود حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے اُس وقت جبکہ وُہ عُمرہ کی نیت سے مدینہ طیبہ سے چلنے لگے فرمایا تھا کہ

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ صَالِحِ دُعَائِكَ ۔[1] اے بھائی۔! اپنی بہترین دُعاؤں میں ہمیں نہ بھُولنا۔

باقی رہا فوت شدہ شخص تو شریعتِ مطہرہ نے اس کے جنازہ اور اس کی قبر پر اس کے

---

[1] ابوداود۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۹ اور جلد ۲ صفحہ ۵۹

لیے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ میّت کے لیے بس اتنا ہی حکم ہے کہ اس کے لیے دُعا کی جائے۔ البتہ میّت سے دُعا کی التجا کرنے کی شریعتِ اسلامیہ نے اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس کی ممانعت کر دی گئی ہے اور کتاب وسُنّت میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے جو مُردے سے دُعا کی التجا کرتا ہے۔

قرآنِ کریم اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (فاطر - ۱۳، ۱۴)	اللہ کو چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وُہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر چیز کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وُہ تمہاری دُعائیں سُن نہیں سکتے اور سُن لیں تو اُن کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وُہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس شخص سے دُعا کرانا جو نہ سُنتا ہے اور نہ قبُول کرنے کی طاقت رکھتا ہے، شرک ہے اور جس میّت سے دُعا کرائی گئی ہے وُہ قیامت کے دِن اِن مشرکین کے شرک سے لاعلمی کا اظہار کرے گی بلکہ ان کے اس فعل سے دُشمنی ظاہر کرے گی۔ اس دُشمنی کی تصریح سورۃ احقاف میں موجُود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ (الاحقاف - ۶)	اور جب تمام اِنسان جمع کیے جائیں گے اُس وقت وُہ اپنے پکارنے والوں کے دُشمن اور اُن کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

پس ہر میّت اور غائب شخص نہ تو سُن سکتا ہے اور نہ دُعا قبُول کرنے کی اُسے قدرت و طاقت ہے اور نہ وُہ کسی کو نفع دے سکتا اور نہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کر سکتا ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور خصُوصاً خلفائے راشدین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے کہ انہوں نے

کسی وقت بھی اپنی حاجات اور مشکلات رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جا کر اُن کی خدمت میں پیش کی ہوں، خصوصاً قحط سالی کے وقت۔

جیسا کہ دورِ خلافتِ فاروقی ہی میں قحط سالی ہوئی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر میدان میں مدینہ سے باہر نکلے تاکہ نمازِ استسقیٰ پڑھی جائے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ نمازِ استسقے پڑھائیں اور دُعا کریں کیونکہ حضرت عباس زندہ موجود تھے۔[1]

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ میں رقمطراز ہیں۔

زبیر بن بکار نے اپنی مشہور کتاب "الانساب" میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ اِلَيْكَ بِيْ	اے اللہ! بغیر گناہ کے کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی۔ اور توبہ کے بغیر کوئی مصیبت دُور نہیں ہوتی۔ اور سب مسلمان مجھے ساتھ لے کر تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔
لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ	کیونکہ تیرے پیغمبر ﷺ کے ساتھ مجھے ایک خاص لگاؤ ہے۔
وَهٰذِهٖ اَيْدِيْنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا اِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ	ہمارے گنہگار ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہماری پیشانیاں توبہ اور ندامت سے تیرے حضور جھکی ہوئی ہیں۔
فَاسْقِنَا الْغَيْثَ	ہم پر اپنی رحمت کی بارش برسا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دُعائیہ جملے ختم نہ ہوئے تھے کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین سرسبز ہو گئی اور لوگوں میں ایک نئی زندگی آگئی۔"

یہ قحط سال مسلسل نو ماہ تک رہی۔

یہ واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ جو سنہ ۱۸ ہجری میں پیش آیا۔

ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص کے مرنے کے بعد اس سے بارش وغیرہ کے لیے دُعا کرانا جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نہ کہتے بلکہ سیدھے قبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود بھی آتے اور لوگوں کو بھی لاتے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کیا گیا۔ نہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے کیا اور نہ کسی دُوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اس واقعہ سے زندہ اور فوت شدہ کے درمیان جو امتیازی فرق ہے وُہ واضح ہوجاتا ہے۔ کیونکہ زندہ شخص سے سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر وُہ موجود ہو تو دُعا کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور دُوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے میں سے ایسے شخص سے جو خود اللہ تعالیٰ کو پکارتا اور اس کی بارگاہِ قدس میں آہ وزاری کرتا ہے، دُعا منگا کر حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف توجہ کی ہے اور جو شخص شریعت اسلامیہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وُہ خود بھی گمراہ ہے اور دُوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اگر میت سے دُعا کرانا شرعی اعتبار سے کوئی اچھا عمل ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو قطعاً نہ چھوڑتے۔ کیونکہ وُہ تو ہر نیکی اور بھلائی کے بے انتہا حریص اور شیدائی تھے۔ سب سے پہلے ان ہی کو زیب دیتا تھا کہ وُہ اس پر عمل کرتے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو جاننے اور قائم رکھنے والے تھے۔

پس جس شخص نے کتاب وسُنّت کو مضبوط پکڑ لیا وُہ نجات پا گیا اور جس نے کتاب وسُنّت کو چھوڑ دیا اور اپنی عقل پر اعتماد کر لیا وُہ ہلاک ہوگیا۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: إِنْكَارُهُ عَلَى مَنْ قَالَ "نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْهِ"۔

① جس شخص نے یہ کہا کہ "ہم اللہ تعالیٰ کو آپؐ کے پاس سفارشی بناتے ہیں" اِس پر ناراض ہونا اور اُس کی اِس بات کو خلافِ شریعت قرار دینا۔

الثانیۃ: تَغَيُّرُهُ تَغَيُّرًا عُرِفَ فِي وُجُوهِ أَصْحَابِهِ مِنْ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ۔

② رحمتِ عالم ﷺ کے چہرۂ انور کا اِس طرح متغیر ہو جانا کہ صحابۂ کرامؓ کے چہروں پر بھی اس کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

الثالثۃ: أَنَّهُ لَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ قَوْلَهُ: "نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ".

③ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ ناپسند نہیں فرمایا کہ "ہم اللہ تعالیٰ کے حضور آپؐ کو سفارشی بناتے ہیں"۔

الرابعۃ: اَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى تَفْسِيْرِ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔

④ سُبحان اللہ کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت۔

الخامسۃ: أَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ يَسْأَلُوْنَهُ ﷺ اَلْإِسْتِسْقَاءَ۔

⑤ مسلمان، رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بارش کی دعا کروایا کرتے تھے۔

باب ما جاء

في

حماية النبی ﷺ

حمى التوحيد

وسده طرق الشرك

اِس باب میں

اِس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اُن اقوال و اعمال کی جو عقیدۂ توحید میں نقص و اِضمحلال کا باعث بنتے ہیں کس طرح بیخ کنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کے لیے کیا کیا کوشش فرمائیں

باب

مَا جَاءَ فِيْ حِمَايَةِ النَّبِيِّ ﷺ

وَ سَدِّهٖ طُرُقَ الشِّرْكِ

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ رسولِ اللہ ﷺ نے ان اقوال و اعمال کی، جو عقیدۂ توحید میں نقص و اضمحلال کا باعث بنتے ہیں، کس طرح بیخ کنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کے لیے کیا کیا کوششیں فرمائیں۔

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے بے شمار ارشادات کتبِ احادیث میں موجود ہیں آپؐ فرماتے ہیں۔

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔

میری تعریف میں غلو سے کام نہ لینا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا تھا، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔

گزشتہ صفحات میں رسولِ اکرم ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشادگرامی ذکر کیا جا چکا ہے۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ وَ اِنَّمَا یُسْتَغَاثُ بِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔

مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہی سے استغاثہ کیا جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْنَا أَنْتَ سَيِّدُنَا ۔ فَقَالَ السَّيِّدُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى ۔

حضرت عبداللہ بن شخّیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بنی عامر کے ایک وفد کے ساتھ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی آپؐ ہمارے سردار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا سردار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بابرکت اور بُلند ہے۔

ایک دُوسرے کے منہ پر تعریف کرنے سے بھی سختی سے روکا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے کسی کی اس کے سامنے تعریف کی تو آپؐ نے سُن کر فرمایا۔

وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ ۔ — تجھ پر افسوس ہے تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ ڈالی۔

ابوداود میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر عن ابیہ یہ بھی مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے دُوسرے کی تعریف کی تو آپؐ نے تعریف کرنے والے کو تین بار فرمایا کہ

قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ — تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی ہے

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔

اِذَا لَقِيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ — تعریف میں مبالغہ کرنے والوں سے ملو تو

فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ — اُن کے منہ مٹی سے بھر دو۔

(مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، عن مقداد بن اسود)

قولہ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ رضی اللہ عنہ

اس حدیث میں کسی کو "انت سیدنا یا افضلنا فضلا واعظمنا طولا" کہنے سے منع فرمایا گیا

ہے کیونکہ السید اور سب سے افضل اور اعظم اللہ کی صفات مبارکہ ہیں۔ مزید آپؐ نے تاکید فرمائی کہ دیکھنا شیطان کہیں تم کو ارتکابِ معصیت پر جری نہ بنادے۔

اسی قسم کے اقوال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی موجود ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ چند افراد نے آپؐ سے آکر کہا۔

یَا خَیْرَنَا وَابْنَ خَیْرِنَا   اے ہم سے بہترین اور بہترین شخص کے بیٹے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بالکل پسند نہیں فرمایا کہ لوگ آپؐ کے منہ پہ مدح اور تعریف کریں تاکہ وہ غلو میں مبتلا نہ ہوجائیں اور اسکی صراحت فرمائی کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنیوالا اگرچہ جس معاملے میں تعریف کی جارہی ہے وُہ اس میں موجود ہی ہو، شیطانی عمل کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ تعریف کرنے والا اپنے ممدوح کو بہت ہی پُرعظمت اور اعلیٰ وارفع سمجھے گا تو اُس کی تعریف کرے گا اور یہ کمالِ توحید کے منافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا ایک مخصوص انداز اور خاص مرکز ومحور ہے جس کے اردگرد عبادت کا پُورا نظام گھومتا ہے اور وُہ محور ہے کسی کی محبّت میں اس کے سامنے انتہائی عجز اور تذلل سے پیش آنا اور یہ عجز و تذلّل خضوع، خشیت اور مسکنت کو مستلزم ہے۔ جو صرف اللہ تعالٰے کے لیے خاص ہے۔

اور یہ کہ انسان اپنے آپ کو کم ترین مقام میں سمجھے اور ربِّ کریم کے حضور اپنے آپ کو معتوب خیال کرے۔

یہی حال محبت کا ہے، اس میں اس وقت تک کمال پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ انسان اللہ تعالٰے کے محبوب کو محبوب نہ سمجھے اور اُس کی ناپسندیدہ چیز کو اپنے لیے بھی ناپسندیدہ نہ قرار دے۔ خواہ اس کا تعلق اعمال سے ہو خواہ اقوال سے ہو اور خواہ ارادہ سے کسی دُوسرے شخص سے اپنی تعریف سُننے کا مشتاق ہونا، اللہ تعالٰے کے نزدیک ناپسندیدہ فعل ہے اور تعریف کرنے والا دُوسرے کو غرور و نخوت میں مبتلا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وُہ گناہ گار ہوجاتا ہے پس عبودیّت کا اعلیٰ اور ارفع مقام یہ ہے کہ مدح کو قطعاً ترک کر دیا جائے، کیونکہ مدح کو ناپسند کرنا عبودیّت کے اعلیٰ مقام کی حفاظت کا ذریعہ ہے جب انسان اپنی محبّت اور اظہارِ تذلّل کا مرکز صرف اللہ کو قرار دے لے تو اس کے اعمال میں صحت و خلوص کی اچھی مقدار پیدا ہوجاتی ہے اور جب وُہ عمل اور کردار میں ان مکروہات اور آلائشوں کو داخل کرلے گا تو مقامِ عبودیّت میں نقص و فساد کے مہلک جراثیم کا شامل ہوجانا لازمی ہے۔

جب تعریف اور مدح کی وجہ سے انسان کے دماغ میں بڑا پن یا فخر و عجُب کی کیفیّت ابھر

قُلْنَا وَ أَفْضَلُنَا فَضْلاً وَّ أَعْظَمُنَا طَوْلاً۔ فَقَالَ قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَ لاَ يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ۔

(رواہ ابوداود بسند جید)

ہم نے پھر عرض کیا آپؐ ہم سے افضل ترین اور بے شمار احسان کرنے والے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ یا اِس طرح کی مناسب باتیں کرو اور یاد رکھنا کہ کہیں شیطان کے پھندے میں نہ آجانا۔

آتی ہے تو عبدیّت خاصہ میں عظیم نقص پیدا ہو جائے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ	بڑائی میری چادر اور عظمت میرا لباس
وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ	ہے۔ جو شخص میری ان دونوں (صفات)
فَمَنْ نَازَعَنِيْ شَيْئًا مِّنْهُمَا	میں سے کسی ایک کو چھیننے کی کوشش
عَذَّبْتُهٗ لٰه	کرے گا۔ میں اسے عذاب دُوں گا۔

ایک روایت میں یوں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ	جس شخص کے دِل میں ذرہ برابر بھی کبر
فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ	ہُوا وہ جنّت میں داخل نہ ہوگا۔
كِبْرٍ۔ ٢	

اپنی مدح اور تعریف کو پسند کرنا بعض اوقات ذہنی اور دینی آفات و مصائب میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

یہ بات ہر شخص کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ عُجب اور فخر اعمالِ صالحہ کو اس طرح کھا جاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو۔

تعریف کرنے والا شخص بعض اوقات اپنے ممدوح کی اتنی تعریف بیان کرتا ہے اور اُس کو ایسے

---

١ مسلم، ابوداود، ابن ماجہ، ابن حبّان   ٢ مسند امام احمد

وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ نَاسًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ يَا خَيْرَنَا وَ ابْنَ خَيْرِنَا وَ سَيِّدَنَا وَ ابْنَ سَيِّدِنَا -

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں چند لوگ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسولؐ! اور اے وُہ کہ جو ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے ہیں اور یہ کہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔

مقام پر لے جاتا ہے جس کا وُہ مستحق نہیں ہوتا۔ جیساکہ شعراء کے کلام میں یہ غلو اور افراط و تفریط موجُود ہے جس سے رسُولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اپنی امّت کو اس میں مبتلا ہونے سے روکا ہے اکثر شعراء اس غلُو میں پھنسے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ شرک فی الالوہیت، شرک فی الربوبیّت اور شرک فی الملک میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ جیساکہ گزشتہ صفحات میں اس سلسلے میں اشارات کیے گئے ہیں[1] اللہ عزوجل نے جب اپنے محبوبِ خلائق صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ترین مقام عبدیت پر فائز فرما دیا تو آپؐ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ کسی موقع پر بھی آپؐ اپنی مدح اور تعریف میں مبالغہ آمیزی کو گوارا نہ فرماتے تھے، تاکہ اس اعلیٰ مقام کو محفوظ رکھا جاتے۔ خود بھی اس چیز کو پسند نہ فرمایا اور امّت کو بھی اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔

یہ احتیاطی تدابیر اس لیے اختیار کی گئیں کہ عقیدہ توحید کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے اور اس میں کوئی ایسی بات نہ شامل ہو جائے جو بنیادی طور پر اس کے مزاج کے منافی ہو اور پھر کہیں نوبت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ شرک اور اس کے جراثیم، اس کی اساس کو کمزور کر دیں۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا مگر جو بات کہی گئی تھی، ظالموں نے

[1] جس طرح کہ قصیدہ بردہ میں بوصیری نے کیا ہے۔

فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ ! قُولُوا بِقَولِكُمْ وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۔
أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ مَآ أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُوْنِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ۔ رواہ النسائی بسند جید

رحمتِ دو عالم ﷺ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! وہی باتیں کرو جو تم کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ شیطان تمھیں بہکا دے۔
مَیں محمدؐ اللہ کا بندہ اور اُس کا رسُول ہوں۔ مَیں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اُس مرتبہ سے، جس پر اللہ کریم نے مجھے رکھا ہے بڑھا دو۔

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ۔ اُسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔

(البقرہ - ۵۹)

اس ظالم گروہ نے یہ سمجھ لیا کہ جس عمل سے رسُول اللہ ﷺ نے روکا ہے وُہی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قُرب کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ ایسی نیکی ہے جس کا مقابلہ کوئی دُوسری نیکی نہیں کر سکتی۔

کسی شخص کو "السید" کہہ کر پکارنے میں علماء کا اختلاف ہے۔
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "بدائع الفوائد" میں لکھتے ہیں کہ کچھ علماء نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ یہ علمائے کرام اس باب میں اسی حدیث کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ کو یا سیّدنا کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا "السید اللہ تبارک تعالےٰ" اور بعض علمائے کرام نے اس کو جائز ٹھہرایا ہے ان کی دلیل وُہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے انصاری ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ

قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ[1] اپنے سید کے لیے کھڑے ہو جاؤ

یہ حدیث پہلی سے زیادہ قوی اور صحیح ہے

السید ایسے الفاظ میں سے ہے کہ جس کی اضافت نسبی ہوتی ہے تمیمی کو سید کندہ نہ کہا جائے گا اور نہ ہی بادشاہ کو سید البشر اس لحاظ سے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہ ہوگا، لیکن یہ بات محلِ نظر ہے کیوں کہ لفظ "السید" اللہ کے لیے استعمال ہوگا تو اس وقت اس کے معنی مالک، مولیٰ اور رب کے ہوں گے۔ وہ معنی مراد نہیں ہوں گے جو مخلوق پر استعمال کرتے وقت مراد لیے جاتے ہیں۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا فرما دیجیے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو رب بناؤں ؟ (یہ ہرگز نہیں ہو سکتا)

کی تفسیر میں یہ الفاظ ثابت ہیں کہ

اَیْ اِلٰهًا وَ سَیِّدًا یعنی الٰہ اور سید

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ الصمد کے معنی

اِنَّهُ السَّیِّدُ الَّذِیْ کَمُلَ فِیْ جَمِیْعِ اَنْوَاعِ السُّؤْدَدِ وہ ذاتِ بابرکت جس کے اندر سیادت کی تمام صفاتِ کاملہ موجود ہوں۔

کیے ہیں۔

وائل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ

هُوَ السَّیِّدُ الَّذِی انْتَهٰی سُؤْدَدُهٗ۔ (جس کی سیادت کمالِ انتہا کو پہنچی ہوئی ہو)

لیکن بعض علمائے کرام جو قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ سے اس کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، ان کا یہ جواب دیتے ہیں۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ جن کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ وہاں سیادت کے وہ معنی نہیں ہیں جن معنیٰ میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] یہ الفاظ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو گدھے پر سوار آتے ہوئے دیکھ کر فرماتے تھے۔ اس لیے کہ وہ زخم کی وجہ سے بیمار تھے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں !

الاولیٰ: تَحْذِيرُ النَّاسِ مِنَ الْغُلُوِّ۔

① مُبالغہ آمیزی سے لوگوں کو ڈرانا۔

الثانیۃ: مَا يَنْبَغِي أَنْ يَقُولَ مَنْ قِيلَ لَهُ أَنْتَ سَيِّدُنَا۔

② جس شخص سے یہ کہا جائے کہ آپ میرے سردار ہیں تو اُسے جواب میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

الثالثۃ: قوله لَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ مَعَ أَنَّهُمْ لَمْ يَقُولُوٓا إِلَّا الْحَقَّ۔

③ باوجود اس کے کہ لوگوں نے سچی اور حق بات کہی تھی لیکن رسُولِ اکرم ﷺ نے فرمایا "کہیں تم کو شیطان بہکا نہ دے"۔

الرابعۃ: قوله مَآ أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي۔

④ رسُولِ اکرم ﷺ کے اِس فرمان کہ "میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اُس مرتبہ سے جس پر اللہ کریم نے مجھے فائز کیا ہے، بڑھا دو"۔ کی وضاحت

باب

قول اللہ تعالیٰ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اِس باب میں

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی ہمہ گیریوں کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اِس درجہ رفعت و علو کا حامل ہے کہ کوئی دوسرا اُس کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ دنیا کی ہر شے اُس کے قبضہ میں ہے اور آسمان و زمین میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ اُسی کے حکم و اشارے سے قائم اور اُسی کا محتاج ہے

قولہ تعالیٰ: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر: ٦٧)

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اُس کی قُدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پُوری زمین اُس کی مُٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دستِ راست میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ

"اس میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے اللہ کی کما حقّہٗ قدر نہیں کی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنا بھی شروع کر دی۔ اللہ کریم اس درجہ عظمت و بلندی والا ہے کہ دوسرا کوئی اس کو نہیں پہنچ سکتا۔

وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ ہر چیز کا مالک ہے۔

ہر چیز اس کے تصرّف میں ہے۔"

- مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ "یہ آیتِ کریمہ قریش کے سلسلے میں نازل ہوئی۔"
- السدی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ

"مشرکین نے اس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کو تسلیم نہیں کیا جس طرح کہ کرنا چاہیے۔"

محمد بن کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ حِبْرٌ مِّنَ الْأَحْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک یہودی عالم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ

"اگر مشرک اللہ تعالیٰ کے کما حقہ قدر دان ہوتے تو اس کی تکذیب نہ کرتے"

علی بن ابی طلحہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل قول منقول ہے

"اس آیت سے وہ کافر مراد ہیں جنہوں نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر قدرت وطاقت کی گرفت میں ہیں"

جو شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ ربِ کریم ہر چیز پر قادر ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی قدر کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اس نے اللہ کی قدر کا حق ادا نہیں کیا۔

اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں بہت سی احادیث ذکر کی گئی ہیں یہ اور اس کی ہم معنیٰ دوسری آیاتِ قرآنی کے بارے میں سلفِ اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کو بلا تکییف اور بلا تحریف اسی طرح مان لیا جائے جس طرح کہ یہ بیان کی گئی ہیں۔

صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد، ترمذی، نسائی اور دوسری تمام کتبِ حدیث میں اس معنیٰ و مفہوم کی احادیث موجود ہیں، جو سلیمان بن مہران یعنی اعمش عن ابراہیم عن عبیدہ عن ابن مسعود وغیرہ مروی ہیں۔

مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ

اِنَّ اللهَ تَعَالَى يَجْعَلُ الْخَلَائِقَ	اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق
عَلَى اِصْبَعٍ	کو ایک انگلی پر
وَالسَّمٰوٰتِ عَلَى اِصْبَعٍ	آسمانوں کو ایک انگلی پر
وَالْاَرَضِيْنَ عَلَى اِصْبَعٍ	زمینوں کو ایک انگلی پر

يَا مُحَمَّدُ ، إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللهَ يَجْعَلُ السَّمٰوٰتِ عَلٰى إِصْبَعٍ وَ الْأَرَضِيْنَ عَلٰى إِصْبَعٍ وَ الشَّجَرَ عَلٰى إِصْبَعٍ وَ الْمَآءَ عَلٰى إِصْبَعٍ وَ الثَّرٰى عَلٰى إِصْبَعٍ وَ سَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰى إِصْبَعٍ فَيَقُوْلُ أَنَا الْمَلِكُ

اے محمدؐ! ہم اپنی کتاب میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی کو ایک انگلی پر، کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا۔ میں ہی بادشاہ ہوں

وَالشَّجَرَ عَلٰى اِصْبَعٍ	درختوں کو ایک انگلی پر
وَالثَّرٰى عَلٰى اِصْبَعٍ	کیچڑ کو ایک انگلی پر
وَ سَآئِرَ الْخَلَائِقِ عَلٰى اِصْبَعٍ	اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا
فَيَقُوْلُ : اَنَا الْمَلِكُ	کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔
فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ	اس یہودی عالم کی بات کی تصدیق
حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ تَصْدِيْقًا	کرتے ہوئے آپ اتنے مسکرائے کہ
لِّقَوْلِ الْحَبْرِ قَالَ وَاَنْزَلَ اللهُ	آپ کی ڈاڑھیں صاف دکھائی دینے
تَعَالٰى وَ مَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ	لگیں پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ
قَدْرِهٖ	" وما قدروا اللہ حق قدره "

(طرقِ اعمش سے صحیح بخاری و مسلم اور نسائی میں یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔)

مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت موجود ہے۔

فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ تَصْدِيْقًا لِّقَوْلِ الْحِبْرِ

ثُمَّ قَرَأَ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ -

یہودی عالم کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے اتنے مسکرائے کہ آپؐ کی مبارک ڈاڑھیں نمایاں طور سے نظر آنے لگیں۔

پھر آپؐ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے (اُس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی۔

مَرَّ يَهُوْدِيٌّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ	ایک دفعہ رسولِ معظم ﷺ
ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ	تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی کا
كَيْفَ تَقُوْلُ يَا اَبَا الْقَاسِمِ	اُدھر سے گزر ہوا۔ اُس نے کہا۔ اے
يَوْمَ يَجْعَلُ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ	ابوالقاسم! ﷺ آپ کی اس بارے
عَلٰى ذِهْ	میں کیا رائے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ
وَ اَشَارَ بِالسَّبَابَةِ	آسمانوں کو ایک انگلی پر
وَ الْاَرْضَ عَلٰى ذِهْ	زمین کو ایک انگلی پر
وَ الْجِبَالَ عَلٰى ذِهْ	پہاڑوں کو ایک انگلی پر
وَ سَائِرَ الْخَلْقِ عَلٰى ذِهْ	اور باقی ساری مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا
كُلُّ ذٰلِكَ يُشِيْرُ بِاَصَابِعِهٖ	راوی کہتا ہے کہ وہ یہودی ہر دفعہ اپنی
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ مَا	انگلیوں میں سے ایک کی طرف اشارہ

قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ	کر دیتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وما قدروا اللہ حق قدرہ : الآیۃ

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب التفسیر میں ابوالضحیٰ مسلم بن صبیح کی سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث "حسن صحیح غریب" ہے اور ساتھ ہی بتایا ہے کہ اس سند کے علاوہ اور کسی طریق سے انہیں یہ حدیث نہیں ملی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ وَ يَطْوِى السَّمَآءَ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ : اَنَا الْمَلِكُ۔ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ ؟	اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی گرفت میں لے گا اور آسمانوں کو سیدھے ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا کہ بادشاہ میں ہوں۔ آج زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اور مقام پر یہ روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْاَرْضِيْنَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ ، اَنَا الْمَلِكُ	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمینوں کو ایک انگلی پر اپنے قبضے میں لے لے گا اور آسمان سیدھے ہاتھ میں ہوں گے پھر فرمائے گا۔ میں ہی بادشاہ ہوں۔

یہ دونوں روایتیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے الگ الگ طریق سے نقل کی ہیں۔ امام احمد اپنی مسند میں ایک دوسرے طریق سے بہ تفصیل نقل کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ذَاتَ	رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن منبر پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ

وفي رواية لمسلم: "وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا اللّٰهُ".

وفي رواية للبخاري: يَجْعَلُ السَّمٰوٰتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلَى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ (اخرجاه)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھ کر اور ان کو ہلا ہلا کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی اللہ معبودِ برحق ہوں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آسمانوں کو ایک انگلی پر، پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا۔

يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (الزمر - ٦٧)	ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دستِ راست میں لپٹے ہوتے ہوں گے پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
وَرَسُوْلُ اللّٰهِ يَقُوْلُ هٰكَذَا بِيَدِهٖ يُحَرِّكُهَا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھتے وقت اپنے ہاتھ مبارک کو کبھی

ولمسلم عن ابن عمر مرفوعا ۔ " يَطْوِي اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ يَقُوْلُ : أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ؟

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دستِ راست میں لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو سرکش اور متکبر سمجھا؟

يُقْبِلُ بِهَا وَيُدْبِرُ يُمَجِّدُ الرَّبُّ تَعَالٰى نَفْسَهٗ	آگے اور کبھی پیچھے کی طرف حرکت دیتے ہوئے لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف خود کر رہا ہے کہ
اَنَا الْجَبَّارُ	میں ہی جبّار ہوں۔
اَنَا الْمُتَكَبِّرُ	میں ہی متکبر ہوں۔
اَنَا الْمَلِكُ	میں ہی بادشاہ ہوں۔
اَنَا الْعَزِيْزُ	میں ہی عزیز ہوں
اَنَا الْكَرِيْمُ	میں ہی کریم ہوں۔
فَرَجَفَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْمِنْبَرُ حَتّٰى قُلْنَا : لَيَخِرَّنَّ بِهٖ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے جوش سے یہ بیان فرما رہے تھے کہ منبر بھی کانپنے لگا اور ہم خطرہ محسوس کرنے لگے کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے گر پڑیں گے۔

ثُمَّ يَطْوِي الْأَرَضِينَ السَّبْعَ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِشِمَالِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟

پھر ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، کہاں ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو سرکش اور متکبر سمجھا۔

قولہ و لمسلم عن ابن عمر:

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں

اِنَّ اللّٰهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْاَرَضِيْنَ وَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ بِيَمِيْنِهٖ	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام زمینوں کو اپنے قبضہ میں لے گا اور آسمانوں کو سیدھے ہاتھ میں پکڑ لے گا۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر اور صحیح مسلم میں عن عبید اللہ بن مقسم مروی ہے۔ صاحب فتح المجید علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

یہ احادیث اور اس مفہوم کی دوسری احادیث مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی قدرت و رفعت کے بارے میں واضح طور سے دلالت کناں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس کے بندوں پر اس کی معرفت کے دروازے اس کی صفات کی بنا پر ہی کھلتے ہیں اور یہ تمام مخلوق اس کے کمال عجائب کی واضح علامت ہے اور یہ کہ وہی معبود برحق ہے۔ ربوبیت اور الوہیت میں کوئی اسکا شریک نہیں اور یہ احادیث اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا تر شان کے مطابق صفات کا ایسا ثبوت فراہم کرتی ہیں جس میں کوئی تمثیل و تعطیل نہیں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو کتاب و سنت کے نصوص سے واضح ہوتا ہے اور اس پر اُمت کے سلف صالحین، ائمہ کرام اور اسلام و ایمان میں ان کے نقوش پا پر گامزن افراد اُمت قائم تھے۔

مذکورہ بالا صحیح احادیث پر ہر شخص کو غور و فکر کرنا چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربِّ کریم کی کامل صفات اور اس کی وہ عظمت و رفعت بیان کی ہے جو کہ اس کی ذاتِ کبریا کو زیبا ہے

اور بعض ان صفاتِ خداوندی کی تصدیق بھی فرمائی جن کا یہودی عالم نے ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایانِ شان ہیں۔

اور اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ ان احادیث سے اللہ تعالیٰ کے عرشِ عظیم پر مستوی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ (نعوذ باللہ) ان اسماء وصفات سے ظاہری معنیٰ مراد نہیں اور یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہیں۔ اگر یہ باتیں درست اور صحیح ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کے یہ امین ترین انسان اپنی اُمّت کو ضرور بتاتے۔ کیونکہ ربِ کریم نے آپ پر دینِ اسلام کو مکمل فرمایا اور تمام نعمتوں سے نوازا اور آپ نے پوری وضاحت سے اس کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن تبعھم الیٰ یوم الدین

اور دوسری طرف صحابہ کرام نے اپنے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تمام اوصاف کا علم حاصل کیا جو ربِ کریم نے اپنی عظمت وجلالت اور کمال کے سلسلے میں بیان کیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب پر ایمان لاتے اور ان کو انہوں نے تسلیم کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لائے اُن سب صفات پر بھی ایمان لائے جو کتابُ اللہ میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے ایمان لانے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ	جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں
یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ	کہ "ہمارا اُن پر ایمان ہے یہ سب
مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا	ہمارے ربّ ہی کی طرف سے

(آلِ عمران - ۷) ہے"

تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین عظام اور تمام فقہاء بھی اسی طرح ایمان لائے اور انہوں نے بھی اسی طرح اللہ کریم کی صفات بیان کیں جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں۔ ان بزرگانِ دین نے اللہ کی کسی ایک صفت کا بھی انکار نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ ان صفات کے ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہیں اور نہ یہ کہا کہ ان صفات سے تشبیہ لازم آتی ہے بلکہ جن لوگوں نے تشبیہ دینے کی کوشش کی ان کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی کتابیں لکھ کر ان کے شبہات کی تردید کا حق ادا کر دیا۔ یہ کتب آج تک اہلِ سُنّت کے ہاں معروف اور متداول ہیں۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"کتاب اللہ ابتداء سے انتہا تک سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تابعینِ عظام اور تمام ائمہ کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے کہ ربّ کریم ہر چیز سے بلند ہے اور یہ کہ وہ آسمانوں اور زمینوں سے اوپر عرش پر ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں۔

۱۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ (الفاطر ـ ۱۰)	اُس کے ہاں جو چیز اُوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عملِ صالح اس کو اُوپر چڑھاتا ہے۔
۲۔ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ ۔ (آل عمران ـ ۵۵)	اے عیسیٰ! اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اُٹھا لوں گا۔
۳۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ (النساء ـ ۱۵۸)	بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔
۴۔ ذِى الْمَعَارِجِ ۞ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج ـ ۳، ۴)	عروج کے زینوں کا مالک ہے، ملائکہ اور رُوح اُس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں۔
۵۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ (السجدۃ ـ ۵)	وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اُس تدبیر کی رُوداد اُوپر اُس کے حضور جاتی ہے۔
۶۔ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ (النحل ـ ۵۰)	اپنے رب سے جو اُن کے اُوپر ہے ڈرتے ہیں۔
۷۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرۃ ـ ۲۹)	وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اُوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے۔

۸۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف - ۵۴)	درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر بلند ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے۔ سب اُس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اُسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔
۹۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط (یونس - ۳)	حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر بلند ہوا اور کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ اُس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے۔

اس آیت میں توحید اُلوہیت اور توحید ربوبیت دونوں کا بیان ہے۔

۱۰۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الرعد-۲)	وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔ پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔
۱۱۔ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ط اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ (طٰہ - ۴، ۵)	نازل کیا گیا ہے اُس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین کو اور بلند آسمانوں کو وہ رحمان عرش پر بلند ہے۔

د روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال : مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْأَرْضُوْنَ السَّبْعُ فِي كَفِّ الرَّحْمٰنِ إِلَّا كَخَرْدَلَةٍ فِي يَدِ أَحَدِكُمْ۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ سے اُن کا ایک قول منقول ہے کہ ساتوں آسمان اور زمینیں ربِّ ذوالجلال کے ہاتھ میں ایسے ہوں گے جیسے تم میں سے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ۔

۱۲۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوبِ عِبَادِهٖ خَبِيرًا ۝ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمٰنُ فَاسْأَلْ بِهٖ خَبِيرًا ۝ (الفرقان ۔ ۵۸،۵۹)	اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس خدا پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُسی کا باخبر ہونا کافی ہے، وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں پھر آپ ہی عرش پر بلند ہوا۔ رحمان اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو۔
۱۳۔ اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ دُونِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝	وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور اُس کے بعد عرش پر بلند ہوا اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اُس کے آگے سفارش

و قال ابن جریر : حدثني یونس اخبرنا ابن وھب

قال قال ابن زید حدثنی ابی قال : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ إِلَّا كَدَرَاهِمَ سَبْعَةٍ أُلْقِيَتْ فِي تُرْسٍ ۔

علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ نے بطریق یونس روایت کی ہے جس میں ابنِ زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والدِ محترم نے کہا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں اُن سات درہموں کے برابر ہیں جو کسی ڈھال میں ڈال دیے گئے ہوں ۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ○ (السجدہ ۔ ۴، ۵)	کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اُس تدبیر کی رُوداد اُوپر اُس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے ۔
۱۴۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَ هُوَ مَعَكُمْ	وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر بلند ہوا۔ اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام بھی

اَيْنَمَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (حدید - ۴)
تم کرتے ہو اُسے وہ دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، احاطہ اور اُس کی رؤیت کی عمومیت بیان کی گئی ہے۔

۱۵۔ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝ (الملك - ۱۶، ۱۷)

کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ کیا تم اِس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے۔

۱۶۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (حم السجدہ - ۴۲)
یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ چیز ہے۔

۱۷۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (الجاثیۃ - ۲)
اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکیم ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ (المؤمن - ۳۶، ۳۷)

فرعون نے کہا "اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمانوں کے راستوں تک اور موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے"

شارح کتاب الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ نے فرقہ جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ وغیرہ جنہوں نے صفات الٰہیہ کا انکار کیا، ان کی تردید میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان کتب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین

وقال قال ابو ذر رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يَقُولُ مَا الْكُرْسِيُّ فِي الْعَرْشِ إِلَّا

كَحَلْقَةٍ مِّنْ حَدِيْدٍ أُلْقِيَتْ بَيْنَ

ظَهْرَيْ فَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ -

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

کرسی، عرش کے مقابلے میں ایک لوہے کے چھلّے کی طرح ہے جسے کسی چٹیل میدان میں پھینک دیا گیا ہو۔

کے تفصیل سے اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے حافظ الذہبیؒ نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب العلو" میں صحیح اسناد سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ذکر کیا ہے۔

آپؓ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کے بارے میں فرماتی ہیں۔

اَلْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ	استوا کے معنی معلوم ہیں۔
وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ	اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں۔
وَالْاِقْرَارُ بِهٖ اِيْمَانٌ	اور اس کا اقرار کرنا ہی ایمان ہے۔
وَالْجُحُوْدُ بِهٖ كُفْرٌ	اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

ابن المنذر اور لالکائی وغیرہ نے اپنی اپنی کتب میں صحیح اسناد سے ذکر کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا۔

كَيْفَ الْاِسْتِوَاءُ ؟	استوار کی کیا کیفیت ہے؟ انہوں نے
قَالَ : اَلْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ	کہا کہ استوی کا معنی معلوم ہے۔
وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ	اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں
وَمِنَ اللّٰهِ الرِّسَالَةُ	اللہ تعالیٰ احکام نازل فرماتا ہے۔

وَعَلَى الرَّسُوْلِ الْبَلَاغُ	اور رسول عربی ﷺ کا ذمہ ان کی تبلیغ ہے اور ہمارا فرض ان کی تصدیق کرنا ہے۔
وَعَلَيْنَا التَّصْدِيْقُ	

ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"ہم امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔ اے ابو عبداللہ! قرآنِ کریم میں یہ آیت ہے کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى استویٰ کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے متعلق ہمیں بتایا جائے امام مالک رحمہ اللہ نے یہ سوال سن کر سر جھکا لیا اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کو ہم اسی طرح مانتے ہیں جیسے اس نے اپنے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کی کیفیت کے بارے میں ہرگز سوال نہ کیا جائے کیونکہ

كَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ	اللہ کے لیے کیفیت کا سوال ہی نہیں ہوتا البتہ تو بدعتی ہے (کیونکہ تو نے سوال ہی ایسا کیا ہے) اسے میری مجلس سے نکال دو
وَاَنْتَ صَاحِبُ بِدْعَةٍ	
اَخْرِجُوْهُ	

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی صحیح سند سے ابن وہب رحمہ اللہ سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے یحییٰ بن یحییٰ سے بھی نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ	استویٰ کا معنی معلوم ہے۔
وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ	اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں۔
وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ	اس پر ایمان لانا واجب ہے ــــ اور
وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ	اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

دیکھئے! ان بزرگانِ دین نے اللہ تعالیٰ کا مستوی عرش ہونا کس درجہ مستحکم و مضبوط دلائل سے بیان کیا ہے۔ یہ سب دلائل اتنے واضح اور نکھرے ہوئے ہیں کہ ان کی مزید توضیح اور تفسیر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس کی کیفیت کی ٹوہ لگانے کی سب نے نفی اور تردید کی ہے۔

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ قال : بَيْنَ السَّمَآءِ الدُّنْيَا وَ الَّتِيْ تَلِيْهَا خَمْسُمِائَةِ عَامٍ ، وَ بَيْنَ كُلِّ سَمَآءٍ وَ سَمَآءٍ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے اور اس کے آگے والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کے درمیان پانچ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

(اِسْتَوٰی) استویٰ کے معنیٰ
عَلَا عَلَى الْعَرْشِ ۔ عرش کے اوپر ہوا۔

اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سے زائد مفسرین کرام سے یہ سنا ہے جو یہ کہتے ہیں

(اِسْتَوٰی) استویٰ کے معنیٰ ہیں۔
اَیْ اِرْتَفَعَ بلند ہوا۔

ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

(اِسْتَوٰی) استویٰ کے معنیٰ یہ ہیں کہ
اَیْ عَلَا وَ ارْتَفَعَ وہ بلند اور اوپر ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے ثبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ اور سلفِ امت کے اقوال اور شواہد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے ہم چند اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

شَهِدْتُ بِاَنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ مَثْوَى الْكَافِرِيْنَا
وَاَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَاءِ طَافٍ وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِيْنَا

وَتَحمِلُهٗ مَلَائِکَۃٌ شِدَادٌ مَلَائِکَۃُ الْاِلٰہِ مُسَوِّمِیْنَا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور دوزخ کافروں کا ٹھکانہ ہے۔ عرش پانی کے اوپر ہے اور عرش کے اوپر ربُّ العالمین ہے اس کو طاقتور فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے اور یہ اللہ کے وہ فرشتے ہیں۔ جو کہ نشان دار ہیں۔

عثمان بن سعید دارمی، حاکم اور بیہقی صحیح اسناد سے علی بن حسین بن شقیق سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مُبارکؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے

نَعرِفُ رَبَّنَا بِاَنَّہٗ فَوقَ سَبعِ	ہم اللہ کے بارے میں یقین رکھتے ہیں
سَمٰوٰتِہٖ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی	کہ وہ ساتوں آسمانوں سے اُوپر اپنے
بَائِنٌ مِّنْ خَلْقِہٖ وَلَا نَقُوْلُ	عرش پر مستوی ہے اور اپنی مخلوق
کَمَا قَالَتِ الْجَہْمِیَّۃُ	سے جُدا ہے۔ جیسے فرقہ جہمیہ نے
	بے ہودہ باتیں کیں وہ ہم نہیں کرتے

نیز عثمان دارمی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا۔

کَیفَ نَعرِفُ رَبَّنَا؟	اللہ تعالیٰ کو ہم کیسے پہچانیں؟
قَالَ: بِاَنَّہٗ فَوقَ السَّمَاءِ	عبداللہ نے جواب دیا یہ عقیدہ رکھیے
السَّابِعَۃِ عَلَی الْعَرْشِ	کہ وہ ساتویں آسمان سے اُوپر عرش
بَائِنٌ مِّنْ خَلْقِہٖ	پر مُستوی اور مخلوق سے جُدا ہے۔

اِس سلسلے میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کا قول گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

کُنَّا وَالتَّابِعُوْنَ مُتَوَافِرُوْنَ	ہم اور تابعینِ کرام سب کے سب یہ
نَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی	عقیدہ رکھتے اور کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ
ذِکْرُہٗ بَائِنٌ مِّنْ خَلْقِہٖ وَ	اپنی مخلوق سے جُدا ہے۔ اس سلسلہ میں
نُؤْمِنُ بِمَا وَرَدَتْ بِہِ السُّنَّۃُ	جس طرح کتاب و سُنّت میں مذکور
	ہے ہم اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ابو عمر الطلمنکی رحمہ اللہ اپنی تصنیف "کتابُ الاصول" میں رقمطراز ہیں۔

" تمام اہلِ سُنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کریم اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مُستوی ہے"

اسی کتاب میں ایک جگہ پر لکھتے ہیں

" اہلِ سُنّت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ اللہ کریم اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مُستوی ہے۔ اُس کا عرش پر مُستوی ہونا حقیقی ہے مجازی نہیں"

اس کے بعد امام مالکؒ کا ایک قول نقل کیا ہے

اَللّٰہُ فِی السَّمَآءِ وَعِلْمُہٗ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ — اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اُوپر ہے البتہ اُس کا علم ہر جگہ میں ہے۔

اس کتاب میں ایک جگہ پر فرماتے ہیں کہ

" تمام اہلِ سُنّت کا اس پر اجماع ہے کہ

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ — تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی اُس کا علم ہر جگہ موجود ہے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ فَوْقَ السَّمٰوٰتِ بِذَاتِہٖ مُسْتَوٍ عَلٰی عَرْشِہٖ کَیْفَ شَآءَ — اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ آسمانوں کے اُوپر اپنے عرشِ عظیم پر جیسے اُس کی ذات کو لائق ہے مُستوی ہے۔

صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ کی عبارات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مُستوی ہونے کے بارے میں بہت سے اقوال ملتے ہیں۔

ان حضرات نے اللہ کی ہر اُس صفت کو ثابت کیا ہے جو اُس نے خود اپنے لیے بیان کی ہے، یا رسُول اللہ ﷺ نے اللہ کی صفات بیان کی ہیں۔ انہوں نے حقیقی طور پر ان صفات کو اسی طرح مانا اور تسلیم کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے لائق ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ کی نفی کی ہے جیسا کہ ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں۔ تمثیل اور تکییف بھی بیان نہیں کی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اللہ تعالیٰ کے عرش پر مُستوی ہونے کا جس نے سب سے پہلے

وَ بَيْنَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ وَ الْكُرْسِيِّ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ -
وَ بَيْنَ الْكُرْسِيِّ وَ الْمَآءِ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ -

اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔
اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

انکار کیا وہ جعد بن درہم تھا۔ اس نے جہاں استویٰ علی العرش کا انکار کیا وہاں تمام صفات کا بھی انکار کیا ہے۔ اس بدعقیدہ شخص کو خالد بن عبداللہ القسری نے قتل کردیا تھا۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔

جعد بن درہم کے عقیدۂ بد کو جہم بن صفوان نے پروان چڑھایا جس کو فرقہ جہمیہ کا امام کہا جاتا تھا۔

جہم بن صفوان نے اس عقیدہ کی خوب تشہیر کی اور متشابہ آیات سے استدلال کرکے سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا۔ جہم بن صفوان تابعین کے آخری دور میں ہوا ہے۔

اس کے اس بدعقیدہ کی تردید اس دور کے جیّد علماء اور ائمہ نے کی۔ امام اوزاعی، ابوحنیفہ، مالک، لیث بن سعد، ثوری، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن المبارک رحمہم اللہ اور ان کے بعد کے ائمہ ہدیٰ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں۔

امام اہلِ شام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ فتنہ سنہ ۱۵۰ھ میں ظہور پذیر ہوا۔
امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

كُنَّا وَالتَّابِعُوْنَ مُتَوَافِرُوْنَ   ہم اور تمام تابعین کرام یہ کہا کرتے تھے

وَ الْعَرْشُ فَوْقَ الْمَآءِ وَ اللهُ فَوْقَ الْعَرْشِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ۔

اخرجه بن مهديّ عن حمّاد بن سلمة عن عاصم عن زرّ عن عبدالله و رواه بنحوه المسعوديّ عن عاصم عن ابی وائل عن عبدالله قاله الحافظ الذهبي رحمه الله تعالیٰ، قال: و له طرق

اور عرش پانی کے اُوپر ہے اور اللہ کریم عرش کے اُوپر ہے، تمہارے اعمال میں سے کوئی شے اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ حدیث ابنِ مہدی عن حمّاد بن سلمہ عن عاصم عن زرّ عن عبداللہ مروی ہے۔ اِسی طرح مسعودی نے عن عاصم بن ابی وائل عن عبداللہ، روایت کی ہے۔ یہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِس کے اور بھی طُرق ہیں۔

نَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ فَوْقَ عَرْشِهٖ	کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے
وَ نُؤْمِنُ بِمَا وَرَدَتْ بِهِ السُّنَّةُ	اور کتاب و سُنّت میں جن جن صفات
مِنْ صِفَاتِهٖ	کا تذکرہ ہے اُن سب پر ہم ایمان
(اخرجہ البیہقی فی الصفات ورواتہ ائمۃ الثقات)	رکھتے ہیں۔

اِس سلسلے میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے جو زرّیں حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں

لِلّٰهِ أَسْمَاءٌ وَ صِفَاتٌ	اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ایسے
لَا يَسَعُ أَحَدًا رَدُّهَا	ہیں جن کی تردید ممکن نہیں ہے۔
وَ مَنْ خَالَفَ بَعْدَ ثُبُوْتِ	دلائل معلوم ہونے کے بعد جو شخص اُنکا
الْحُجَّةِ عَلَيْهِ كُفْرٌ وَ أَمَّا	کرے اُسے کافر قرار دیا جائے گا البتہ

وعن العبّاس بن عبد المطّلب رضي الله عنه قال: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم هَلْ تَدْرُوْنَ كَمْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ؟ قُلْنَا: أَللهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ: بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ

حضرت عبّاس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اُس کا رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اِن دونوں کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔

قَبْلَ قِيَامِ الْحُجَّةِ فَإِنَّهٗ يُعْذَرُ بِالْجَهْلِ	دلائل معلوم ہونے سے پہلے ایسے شخص کو اُس کی جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا۔
وَ نُثْبِتُ هٰذِهِ الصِّفَاتِ وَ نَنْفِيْ عَنْهُ التَّشْبِيْهَ كَمَا نَفٰى عَنْ نَفْسِهٖ فَقَالَ: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○	ہم ان تمام صفات کو ثابت کرتے ہیں اور تشبیہ کی تردید کرتے ہیں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کی تردید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں اور وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

قولهٗ : عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضي الله عنه

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مختصر نقل فرمایا ہے ابوداؤد میں پوری روایت موجود ہے۔ اس کی افادیت کی بنا پر ہم اسے پُورا نقل کرتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

كُنْتُ فِي الْبَطْحَاءِ فِي عِصَابَةٍ فِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَمَرَّتْ بِهِمْ سَحَابَةٌ فَنَظَرَ إِلَيْهَا فَقَالَ: مَا تُسَمُّونَ هٰذِهِ؟	میں ایک جماعت کے ساتھ جس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس موجود تھے بطحاء میں تھا کہ آسمان سے ایک بدلی گزری آپ نے اس کی طرف دیکھنے کے بعد فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے۔؟
قَالُوا: السَّحَابُ	سب نے جواب دیا کہ اسے سحاب کہتے ہیں آپ نے پوچھا کہ اسے مزن بھی کہتے ہو یا نہیں؟
قَالَ: وَالْمُزْنَ	
قَالُوا: وَالْمُزْنَ	صحابہ نے عرض کی ہاں۔ مزن بھی کہتے ہیں۔
قَالَ: وَالْعَنَانَ	آپ نے پوچھا کہ عنان کے نام سے بھی موسوم کرتے ہو۔ سب نے کہا کہ جی ہاں۔
قَالُوا: وَالْعَنَانَ	
قال ابوداؤد لم اتقن العنان جيدا	(امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے لفظ "العنان" کی اپنے اُستاد سے اچھی طرح ضبط نہیں کر سکا
قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؟	آپ نے پھر سوال کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے؟
قَالُوا: لَا نَدْرِي	حاضرین نے عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں۔
قَالَ: إِنَّ بُعْدَ مَا بَيْنَهُمَا إِمَّا وَاحِدَةٌ أَوْ اثْنَتَانِ أَوْ ثَلَاثٌ وَّسَبْعُونَ سَنَةً	آپ نے فرمایا کہ ۷۱، ۷۲ یا ۷۳ سال کی مسافت ہے۔
ثُمَّ السَّمَاءُ الَّتِي فَوْقَهَا كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	پہلے اور دوسرے آسمان کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے۔ اسی طرح آپ نے ساتوں آسمانوں کا فاصلہ تفصیل سے بیان فرمایا۔

وَ مِنْ كُلِّ سَمَآءٍ إِلٰى سَمَآءٍ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ ـ وَ كِثَفُ كُلِّ سَمَآءٍ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ ـ وَ بَيْنَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ وَ الْعَرْشِ بَحْرٌ بَيْنَ أَسْفَلِهٖ وَ أَعْلَاهُ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ ـ

اور ہر آسمان سے دُوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ایک سمندر ہے، اُس کے نچلے اور اُوپر کے حصّے کا فاصلہ وہی ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

ثُمَّ فَوْقَ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ اَسْفَلِهٖ وَاَعْلَاهُ مِثْلَ مَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ اَوْ عَالٍ بَيْنَ اَظْلَافِهِمْ وَ رُكَبِهِمْ مِثْلَ مَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ

ساتویں آسمان کے اُوپر ایک سمندر ہے۔ سمندر کے نیچے ساتویں آسمان کے درمیان اور سمندر کے اُوپر بھی تقریباً اتنا ہی فاصلہ ہے۔ پھر اس کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں۔ ان کے پاؤں اور گھٹنوں کے درمیان بھی تقریباً اتنا ہی فاصلہ ہے۔

ثُمَّ عَلٰى ظُهُوْرِهِمُ الْعَرْشُ بَيْنَ اَسْفَلِهٖ وَ اَعْلَاهُ كَمَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ

اور ان کی پشتوں پر عرش ہے عرش کے نیچے اور اوپر اتنی مسافت ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔

ثُمَّ اللّٰهُ تَعَالٰى فَوْقَ ذٰلِكَ

پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

وَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَوْقَ ذٰلِكَ وَ لَيْسَ يَخْفٰی عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالِ بَنِيْ أٰدَمَ - (اخرجه ابوداؤد وغیرہ)

اور اللہ تعالیٰ اِس کے اُوپر ہے اور اعمالِ بنی آدم میں سے کوئی عمل اُس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔

اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث "حسن غریب" ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوداود نے اس حدیث کو سندِ حسن سے روایت کیا ہے۔

اسی روایت کو ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل الفاظ سے نقل کیا ہے۔

مَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلٰی سَمَاءٍ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ اگر قافلہ کی رفتار کا اندازہ لگایا جائے تو پانچ سو سال اور اگر برید (ڈاک) کا اندازہ لگایا جائے تو تقریباً ستّر سال کی مسافت بنتی ہے۔

اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے۔

ہمارے (نجد) اور مصر کے درمیان بیس روز کی مسافت کی دُوری ہے۔ یہ اندازہ عام رفتار کا ہے اور تین روز کی مسافت اُس وقت صحیح ہوگی جبکہ برید کی رفتار کا اندازہ لگائیں۔

مذکورۃ الصدر بعض روایات شریک نے سماک سے موقوف نقل کی ہیں۔

شارح کتاب امام الموحدین علامہ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ان احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ جیسا کہ محکم آیات، احادیثِ صحیحہ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام کے اقوال سے ثابت کیا جا چکا ہے

پیشِ نظر حدیث کے صحیحین میں بھی شواہد موجود ہیں۔ جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں!

الاولیٰ تَفْسِيرُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ : وَ الْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

① قرآن کریم کی آیت " وَ الْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔" کی تفسیر

الثانیۃ أَنَّ هَذِهِ الْعُلُومَ وَ أَمْثَالَهَا بَاقِيَةٌ عِنْدَ الْيَهُودِ الَّذِينَ فِي زَمَنِهِ ﷺ وَ لَمْ يُنْكِرُوهَا وَ لَمْ يَتَأَوَّلُوهَا۔

قرار دیا ہے اُن کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس حدیث کے اتنی کثرت سے شواہد موجود ہیں کہ جن کو رد کرنا اور ان کی تاویل کرنا ممکن نہیں ہے۔

یہ اور اس قسم کی دوسری احادیث اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور اس کے کمال پر دلالت کرتی ہیں اور رب کریم کی مخلوق کی عظمت کا بھی پتا چلتا ہے۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کو اپنے لیے قرآن کریم میں ثابت فرمایا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے جو صفتیں اللہ کی بیان کی ہیں رب کریم ان صفات سے متصف ہے۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی وحدہٗ لاشریک لہٗ معبود برحق ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے۔

② اِس حدیث میں جن علوم کا ذکر کیا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے دَور کے یہودیوں میں موجود تھے، اِسی لیے نہ تو اُنھوں نے اِن کی تاویل کی اور نہ انھیں جھٹلایا۔

الثالثۃ: أَنَّ الْحَبْرَ لَمَّا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ صَدَّقَهُ وَ نَزَلَ الْقُرْآنُ بِتَقْرِيرِ ذٰلِكَ۔

③ رسولِ کریم ﷺ کے سامنے جب یہودی عالم نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کیں تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور اس کی مزید تصدیق کے لیے قرآنِ کریم بھی نازل ہوا۔

الرابعۃ: وُقُوعُ الضِّحْكِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ لَمَّا ذَكَرَ الْحَبْرُ هٰذَا الْعِلْمَ الْعَظِيْمَ۔

④ یہودی عالم کی طرف سے جب اِس عظیم علم کا اظہار ہوا تو اِس پر رسول اللہ ﷺ کا مُسکرانا۔

الخامسۃ: أَلتَّصْرِيْحُ بِذِكْرِ الْيَدَيْنِ وَ أَنَّ السَّمٰوٰتِ فِي الْيَدِ الْيُمْنٰى وَ الْأَرَضِيْنَ فِي الْأُخْرٰى۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کے ثبوت کی وضاحت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سیدھے ہاتھ میں آسمان اور دُوسرے میں زمینیں ہوں گی۔

السادسة أَلتَّصْرِيحُ بِتَسْمِيَتِهَا الشِّمَالَ -

⑥ اللہ تعالیٰ کے اپنے ایک ہاتھ کو بایاں بتانے کی صراحت۔

السابعة ذِكْرُ الْجَبَّارِيْنَ وَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ عِنْدَ ذٰلِكَ -

⑦ اُس وقت اللہ تعالیٰ کا بڑے بڑے سرکش اور متکبرین کو پکارنا۔

الثامنة قَوْلُهُ: كَخَرْدَلَةٍ فِيْ كَفِّ أَحَدِكُمْ-

⑧ (اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں زمین و آسمان کا یوں ہونا) جیسے تم میں سے کوئی شخص رائی کا دانہ اپنی مُٹھی میں لے لے۔

التاسعة عَظَمُ الْكُرْسِيِّ بِالنِّسْبَةِ إِلَى السَّمَآءِ -

⑨ بنسبت آسمان کے کرسی کا بڑا ہونا۔

العاشرة عَظَمُ الْعَرْشِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْكُرْسِيِّ -

⑩ بنسبت کرسی کے عرش کا بڑا ہونا۔

الحادية عشرة أَنَّ الْعَرْشَ غَيْرُ الْكُرْسِيِّ وَ الْمَآءِ -

⑪ کرسی، پانی اور عرش تینوں کا الگ الگ ہونا۔

الثانية عشرة كَمْ بَيْنَ كُلِّ سَمَآءٍ إِلَى سَمَآءٍ ؟

⑫ دو آسمانوں کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ (کی وضاحت)

الثالثة عشرة كَمْ بَيْنَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ وَ الْكُرْسِيِّ ؟

(۱۳) ساتویں آسمان اور کُرسی کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟(کی وضاحت)

الرابعة عشرة كَمْ بَيْنَ الْكُرْسِيِّ وَ الْمَآءِ؟

(۱۴) پانی اور کرسی کے درمیان کتنا فاصلہ ہے ؟ (کی وضاحت)

الخامسة عشرة أَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَآءِ ۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔

السادسة عشرة أَنَّ اللهَ فَوْقَ الْعَرْشِ ۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ عرش پر مُستوی ہے۔

السابعة عشرة كَمْ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ ؟

(۱۷) زمین و آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے ؟ (کی وضاحت۔)

الثامنة عشرة كِثَفُ كُلِّ سَمَآءٍ خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ ۔

(۱۸) آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

التاسعة عشرة أَنَّ الْبَحْرَ الَّذِي فَوْقَ السَّمٰوٰتِ أَسْفَلُهُ وَ أَعْلَاهُ خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ ۔

وَ اللهُ أَعْلَمُ ۔

(۱۹) ساتوں آسمانوں کے اُوپر جو سمندر ہے اُس کے نیچے اور اُوپر پانچ پانچ سو سال کی مسافت کا راستہ ہے۔ (واللہ اعلم)

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔